رہے سلامت تمہاری نسبت

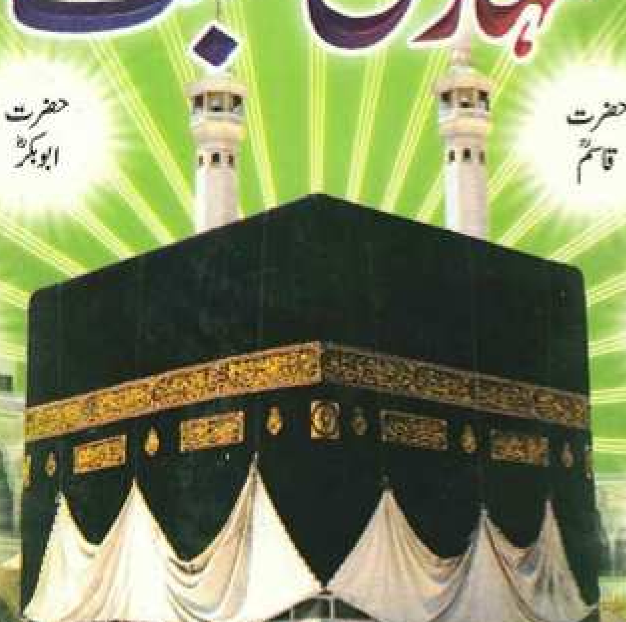

حضرت ابوبکرؓ

حضرت قاسمؒ

حضرت یعقوب چرخیؒ

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ

حضرت بایزید بسطامیؒ

حضرت فضل علی قریشیؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حضرت غلام حبیبؒ

حضرت خواجہ محمد معصومؒ

حضرت عبدالمالک صدیقیؒ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

دارالکتاب دیوبند

باب 1

نسبت کیا ہے

ایک چیز کا دوسری چیز سے کوئی خصوصی تعلق قائم ہو جانا نسبت کہلاتا ہے گویا نسبت ایک چیز کے دوسری چیز سے انمٹ اور گہرے تعلق اور لگاؤ کو کہتے ہیں۔اس تعلق اور لگاؤ کی وجہ سے اشیاء کی قدر بدل جاتی ہے۔لہٰذا جب کسی ادنیٰ چیز کی نسبت کسی اعلیٰ چیز سے ہوتی ہے تو اس ادنیٰ چیز کا مقام بھی بلند ہو جاتا ہے۔ہم اپنی روزمرہ زندگی میں بہت سی ایسی مثالیں دیکھتے ہیں۔

نسبت کی وجہ سے رتبے میں فرق

ایک کارخانے میں دو اینٹیں تیار ہوئیں کسی آدمی نے خرید کر ایک کو مسجد کے صحن میں لگا دیا اور دوسری کو بیت الخلاء میں لگا دیا۔اینٹیں ایک جیسی، بنانے والا ایک آدمی، قیمت بھی ایک جیسی، لگانے والا بھی ایک آدمی لیکن ایک کو نسبت مسجد سے ہوگئی جبکہ دوسری کو نسبت بیت الخلاء سے ہوگئی۔جس کی نسبت بیت الخلاء سے ہوئی، وہاں ہم ننگا پاؤں رکھنا بھی پسند نہیں کرتے اور جس کی نسبت بیت اللہ (مسجد) سے ہوئی وہاں ہم اپنی پیشانیاں ٹیکتے پھرتے ہیں۔دونوں کے رتبے میں

فرق کیوں ہوا؟ سچ بات یہی ہے کہ نسبت نے دونوں میں فرق پیدا کر دیا۔

مسجد کی عظمت

دیکھیے، زمین تو سب کی سب اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے لیکن پوری زمین کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل کرنے کا وعدہ نہیں فرمایا۔ البتہ زمین کا وہ ٹکڑا جسے ہم مسجد بنا دیں، یعنی جو اللہ کا گھر بن جائے، زمین کے جس ٹکڑے کو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ نسبت ہو جائے تو علماء نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن دنیا کی تمام مسجدوں کو بیت اللہ میں شامل کر کے بیت اللہ کو جنت کا حصہ بنا دیا جائے گا۔ حالانکہ یہ وہی زمین تھی جس پر مسجد بننے سے پہلے لوگ جوتوں سمیت گزرتے تھے اور جانور گزرتے ہوئے پیشاب، پاخانہ کر دیتے تھے۔ مگر اللہ کے نام کے ساتھ نسبت مل جانے کی وجہ سے اس کی عظمت بڑھ گئی۔ آخرت میں یہ جنت کا حصہ بن جائے گی۔

قرآن مجید کے گتے کا رتبہ

فقہاء نے مسئلہ لکھا ہے کہ اگر آپ قرآن مجید پر ایک گتہ جوڑ دیں اس طرح کہ وہ قرآن مجید کا جزو بن جائے تو اب جس طرح لکھے ہوئے کاغذ کو آپ بے وضو نہیں چھو سکتے اسی طرح اس گتے کو بھی بے وضو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ کوئی آدمی اگر یہ کہے کہ گتے پر قرآن مجید نہیں لکھا ہوا، گتہ اور چیز ہے اور جن کاغذوں پر قرآن لکھا ہوا ہے وہ اور چیز ہے تو فقہاء اس کا جواب دیں گے کہ گتہ تو واقعی غیر چیز تھی، جنس غیر تھی مگر سلائی کے ذریعے سے قرآن کے ساتھ یہ جڑ گیا، لہٰذا اس یک جان ہونے کی نسبت کے صدقے اللہ تعالیٰ نے گتے کو بھی وہ مقام دے دیا کہ

اب ہم اس گتے کو بھی بے وضو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔

ایک درخت سے جنت کا وعدہ

استوانہ ءحنانہ کھجور کا ایک درخت تھا جس کو نبی علیہ السلام کے ساتھ محبت تھی۔ نبی علیہ السلام اس کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے، جب منبر بن گیا تو نبی علیہ السلام نے اس پر بیٹھ کر خطبہ دینا شروع کیا تو وہ درخت نبی علیہ السلام کی جدائی میں بچوں کی مانند سسکیاں لے لے کر رونے لگا علماء نے لکھا ہے کہ چونکہ اس درخت کو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ نسبت ہوگئی تھی اس لئے اس کے ساتھ جنت کا وعدہ کردیا گیا۔

کتے کا جنت میں داخلہ

اصحاب کہف کے ساتھ ایک کتا چل پڑا تھا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے انسانی شکل دے کر جنت عطا فرمادیں گے۔ نیکوں کے ساتھ نسبت حاصل ہونے سے اگر کتے کو جنت مل سکتی ہے تو اگر مومن اللہ والوں کے ساتھ نسبت پکی کرلے گا تو اس کی نجات کیوں نہیں ہوگی۔

اونٹنی جنت میں

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے بارے میں بھی مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو بھی جنت عطا فرمائیں گے۔ حالانکہ دنیا کے دوسرے اونٹ جنت میں نہیں جائیں گے مگر اس کو چونکہ حضرت صالح علیہ السلام سے نسبت ہے اس لئے اس کو بھی جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمادیا۔

تابوت سکینہ کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی سورۃ بقرہ میں ایک جگہ تذکرہ فرماتے ہیں کہ دو فرشتے ایک بہت بڑا صندوق لے کر حضرت طالوت علیہ السلام کے پاس آئے۔ فرمایا کہ فیہ سکینۃ اس میں سکینہ تھی۔ سکینہ اس رحمت، برکت اور نور کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ایک جگہ پر ارشاد فرماتے ہیں انزل اللہ سکینۃ علی رسولہ کہ اللہ نے اپنے رسول کے اوپر سکینہ کو نازل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس صندوق کے لئے بھی سکینہ کا لفظ استعمال کیا۔ اور ارشاد فرمایا فیہ سکینۃ و بقیۃ مما ترک ال موسیٰ و ال ھارون تحملہ الملئکۃ کہ اس میں رحمت، برکت اور نور تھا اور آل موسیٰ اور آل ہارون کی جو بچی ہوئی چیزیں تھیں وہ اس میں موجود تھیں۔ معلوم ہوا کہ ان بزرگوں کے بچے ہوئے تبرکات میں اللہ تعالیٰ نے سکینہ کو رکھ دیا تھا۔

پس ثابت ہوا کہ نسبت نصیب ہو جانے سے کسی بھی چیز کی قدر بدل جاتی ہے۔ اس لحاظ سے انسان کی زندگی میں نسبت کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ انسان اپنی زندگی میں نہ صرف اچھی نسبت قائم کرے بلکہ نسبتوں کا لحاظ رکھے اور ان کی قدر کرے تو اس کے فوائد و ثمرات کو وہ دنیا و آخرت میں دیکھ سکتا ہے۔ اگر ہم تاریخ کا مطالعہ کریں اور اللہ والوں کے حالات پڑھیں تو ہمیں اندازہ کہ نسبت کا مقام کیا ہے؟

نسبت کا مقام

حضرت یوسف علیہ السلام کے نزدیک نسبت کا مقام

جس کو کسی سے نسبت ہو جاتی ہے وہ اپنی نسبت کی لاج رکھا کرتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس قحط کے زمانے میں ایک لڑکا غلہ لینے کے لئے آیا۔ آپ نے اسے کچھ غلہ دے دیا۔ اس کے بعد اس نے آپ کو کوئی بات بتائی تو آپ اتنے خوش ہوئے کہ اس کو اور زیادہ غلہ دیا، اور انعامات و اعزازات کے ساتھ رخصت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔ اے میرے پیارے پیغمبر! آپ نے اس لڑکے کا اتنا زیادہ اکرام کیوں کیا؟ عرض کیا، رب کریم! میں نے تو ابتداء میں اس کو وہ حصہ دیا جو بنتا تھا لیکن اس نے مجھے بتایا کہ میں وہ لڑکا ہوں جس نے بچپن میں آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی تھی۔ اس بات کو سن کر میرے دل میں محبت تڑپ اٹھی کہ یہ وہ لڑکا ہے جس نے بچپن میں میری پاکدامنی کی گواہی دی تھی۔ آج یہ بے حال ہو کر میرے پاس کچھ لینے کیلئے آیا ہے، میں کیوں نہ اس گواہی کی وجہ سے اس کا اکرام کروں۔ اس لئے اے اللہ! میں نے اس کا اکرام کیا، میں نے اسے وہ کچھ دیا جو میرے اختیار میں تھا۔ رب کریم نے وحی نازل فرمائی، اے میرے پیغمبر! جس نے آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی آپ نے اس کو اتنا کچھ دیا جو آپ دے سکتے تھے، آپ نے وہ کچھ کیا جو آپ کی شان کے مطابق تھا۔ یاد رکھئے! جو بندہ دنیا میں میری الوہیت کی گواہی دے گا، میری ربوبیت کی گواہی دے گا، جب وہ میرا بندہ قیامت کے دن میرے سامنے آئے گا تو میں

پروردگار بھی وہ کچھ دوں گا جو میری شان کے مطابق ہوگا۔ سبحان اللہ

حضرت آدم علیہ السلام کے نزدیک نسبت کا مقام

اللہ تعالیٰ نسبت کی برکات سے بندے کی دعائیں قبول کرتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام دنیا میں اتارے گئے تو آپ نے دو سو سال یا تین سو سال تک اللہ رب العزت کے حضور بہت عاجزی اور زاری کی اتنا روئے کہ اگر آنسوؤں کو جمع کر دیا جائے تو وہ پانی ندی اور نالے کی طرح بہنا شروع کر دے۔ بالآخر حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہوئے اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیا اور عرض کیا، اے اللہ! میں آپ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے دعا مانگتا ہوں یا اللہ! میری توبہ قبول فرمالیجئے۔ پروردگار عالم نے توبہ تو قبول فرمالی مگر ساتھ ہی پوچھا، اے میرے پیارے آدمؑ! آپ کو کیسے پتہ چلا کہ یہ میرے اتنے مقرب اور محبوب ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا، اے اللہ! جب میں جنت میں تھا تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ میں پہچان گیا کہ جس ہستی کا نام آپ کے نام کے ساتھ ہے وہ آپ کی محبوب ہستی ہوگی۔ اس لئے میں نے آپ کی اس محبوب ہستی کا تصور کر کے آپ سے دعا مانگی ہے۔ سبحان اللہ، اس کے بعد وحی نازل ہوئی کہ وہ خاتم النبیین ہیں اور تمہاری اولاد میں سے ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو تم بھی پیدا نہ کئے جاتے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اس نسبت کی برکت کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی چاہت ہوگی کہ مجھے آدم علیہ السلام کی بجائے ان (نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت سے پکارا جائے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت آدم

علیہ السلام کو جنت میں ''ابو محمد ﷺ'' کی کنیت سے پکارا جائے گا۔ سبحان اللہ، ان کے دل کی تمنا ہوگی کہ میری اولاد میں سے جس کی نسبت کی برکت سے میری توبہ قبول ہوئی مجھے جنت میں اسی کے نام کے ساتھ پکارا جائے۔

لمس نبوی ﷺ کی برکات

ایک مرتبہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ تنور میں روٹیاں لگا رہی تھیں۔ اسی اثناء میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام ان کے گھر تشریف لائے۔ آپ ﷺ کو اپنی صاحبزادی سے بہت محبت تھی۔ بیٹیاں تو ویسے ہی لخت جگر ہوتی ہیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے دیکھا تو فرمایا، فاطمہؓ! ایک روٹی میں بھی بنا دوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بھی آٹے کی ایک روٹی بنا دی اور فرمایا کہ تنور میں لگا دو۔ سیدہ فاطمہؓ نے وہ روٹی تنور میں لگا دی۔ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ جب روٹیاں لگا کر فارغ ہوگئیں تو کہنے لگیں، ابو جانؐ! سب روٹیاں پک گئی ہیں مگر ایک روٹی ایسی ہے کہ جیسے لگائی گئی تھی ویسے ہی لگی ہوئی ہے۔ اس پر آگ نے کوئی اثر نہیں کیا۔ نبی علیہ السلام مسکرائے اور فرمایا کہ جس آٹے پر میرے ہاتھ لگ گئے ہیں اس پر آگ اثر نہیں کرے گی۔ سبحان اللہ۔

ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت انسؓ کے گھر گیا۔ میں کھانا کھا رہا تھا۔ انہوں نے اپنی باندی سے کہا کہ تولیہ لاؤ۔ جب وہ تولیہ لائیں تو دیکھا کہ میلا کچیلا تھا۔ حضرت انسؓ نے اس کو غصے کی نظر سے دیکھا اور کہا کہ جاؤ اسے صاف کر کے لاؤ۔ فرماتے ہیں کہ وہ بھاگ کر گئی اور جلتے ہوئے تنور کے اندر تولیے کو پھینک دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے وہ تولیہ تنور سے باہر نکالا تو بالکل صاف ستھرا تھا۔ وہ

گرم گرم تولیہ میرے پاس لائی۔ میں نے ہاتھ صاف کر لئے مگر حضرت انسؓ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ مسکرائے اور کہنے لگے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ میرے گھر دعوت پر تشریف لائے تھے۔ میں نے یہ تولیہ محبوب ﷺ کو ہاتھ مبارک صاف کرنے کے لئے دیا تھا۔ جب سے محبوب ﷺ نے ہاتھ مبارک صاف کئے آگ نے اس تولیے کو جلانا چھوڑ دیا ہے، جب یہ تولیہ میلا ہو جاتا ہے تو ہم اسے تنور میں ڈال دیتے ہیں، آگ میل کچیل کو کھا لیتی ہے اور ہم صاف تولیے کو باہر نکال لیتے ہیں۔ سبحان اللہ جس چیز کو نبوت کے ہاتھ لگ گئے تو اس نسبت کی برکت سے آگ نے اس کو جلانا چھوڑ دیا۔

سب سے بہترین زمانہ

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر کون لوگ؟ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں۔ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ان کے بعد پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں۔ تو نبی علیہ السلام کے زمانے کو اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کے ساتھ ایک نسبت ہے۔ وہ ایسا زمانہ ہے کہ بعض مفسرین کے نزدیک وَ الْعَصْرِ کہہ کر اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کے اس دور کی قسم کھائی۔ نبی اکرم ﷺ کی عمر کی قسم کھائی لَعَمْرُکَ اے محبوب ﷺ! مجھے قسم ہے آپ کی عمر کی۔ لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ مجھے قسم ہے اس شہر کی وَ اَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ اور میرے محبوب! آپ اس شہر میں اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ یہ قسمیں کھانے کی وجہ یہ تھی کہ ان چیزوں کو اللہ کے محبوب ﷺ سے ایک نسبت ہو گئی تھی۔ سبحان اللہ

حکیم ترمذیؒ کا سبق آموز واقعہ

حکیم ترمذیؒ کو اللہ تعالیٰ نے دین کا بھی حکیم بنایا تھا اور دنیا کی بھی حکمت دی تھی۔ ترمذ کے رہنے والے تھے۔ اس وقت دریا آمو کے بالکل کنارے پر ان کا مزار ہے۔ آپ وقت کے ایک بہت بڑے محدث بھی تھے اور طبیب بھی۔ اللہ رب العزت نے آپ کو حسن و جمال اتنا دیا تھا کہ دیکھ کر دل فریفتہ ہو جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو باطنی حسن و جمال بھی عطا کیا ہوا تھا۔ اللہ رب العزت نے ان کو اپنے علاقے میں قبولیت عامہ تامہ عطا کر رکھی تھی۔

آپ عین جوانی کے وقت ایک دن اپنے مطب میں بیٹھے تھے کہ ایک عورت آئی اور اس نے اپنا چہرہ کھول دیا۔ وہ بڑی حسینہ جمیلہ تھی۔ کہنے لگی کہ میں آپ پر فریفتہ ہوں، بڑی مدت سے موقع کی تلاش میں تھی، آج تنہائی ملی ہے آپ میری خواہش پوری کریں۔ آپ کے دل پر خوف خدا غالب ہوا تو رو پڑے۔ آپ اس انداز سے روئے کہ وہ عورت نادم ہو کر واپس چلی گئی۔ وقت گزر گیا اور آپ اس بات کو بھول ہی گئے۔

جب آپ کے بال سفید ہو گئے اور کام بھی چھوڑ دیا تو ایک مرتبہ آپ مصلے پر بیٹھے تھے۔ ایسے ہی آپ کے دل میں خیال آیا کہ فلاں وقت جوانی میں ایک عورت نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس وقت اگر میں گناہ کر بھی لیتا تو آج میں توبہ کر لیتا۔ لیکن جیسے ہی دل میں یہ خیال گزرا تو رونے بیٹھ گئے۔ کہنے لگے، اے رب کریم! جوانی میں تو یہ حالت تھی کہ میں گناہ کا نام سن کر اتنا رویا کہ میرے رونے سے وہ عورت نادم ہو کر چلی گئی تھی، اب میرے بال سفید ہو گئے تو کیا میرا

دل سیاہ ہو گیا۔ اے اللہ! میں تیرے سامنے کیسے پیش ہوں گا۔ اس بڑھاپے کے اندر جب میرے جسم میں قوت ہی نہیں رہی تو آج میرے دل میں گناہوں کا خیال کیوں پیدا ہوا۔

روتے ہوئے اسی حال میں سو گئے۔ خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ پوچھا، حکیم ترمذی! تو کیوں روتا ہے؟ عرض کیا، میرے محبوب ﷺ! جب جوانی کا وقت تھا، جب شہوات کا دور تھا، جب قوت کا زمانہ تھا، جب اندھے پن کا وقت تھا، اس وقت تو خشیت کا یہ عالم تھا کہ گناہ کی بات سن کر میں اتنا رویا کہ وہ عورت نادم ہو کر چلی گئی۔ لیکن اب جب بڑھاپا آیا ہے تو اے اللہ کے محبوب ﷺ! میرے بال سفید ہو گئے لگتا ہے کہ میرا دل اس قدر سیاہ ہو گیا ہے کہ میں سوچ رہا تھا کہ میں اس عورت کی خواہش پوری کر دیتا اور بعد میں توبہ کر لیتا۔ میں اس لئے آج بہت پریشان ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا ''یہ تیری کمی اور قصور کی بات نہیں، جب تو جوان تھا تو اس زمانے کو میرے زمانے سے قرب کی نسبت تھی۔ ان برکتوں کی وجہ سے تیری کیفیت اتنی اچھی تھی کہ گناہ کی طرف خیال ہی نہ گیا۔ اب تیرا بڑھاپا آ گیا ہے تو میرے زمانے سے دوری ہو گئی ہے اس لئے اب دل میں گناہ کا وسوسہ پیدا ہو گیا تھا''۔

نسبت کے احترام سے ولایت ملنے کا واقعہ

حضرت جنید بغدادیؒ اپنے وقت کے شاہی پہلوان تھے۔ بادشاہ وقت نے اعلان کروا رکھا تھا کہ جو شخص ہمارے پہلوان کو گرائے گا اس کو بہت زیادہ انعام دیا

جائیگا۔ سادات کے گھرانے کا ایک آدمی بہت کمزور اور غریب تھا۔ نان شبینہ کو ترستا تھا۔ اس نے سنا کہ وقت کے بادشاہ کی طرف سے اعلان ہو رہا ہے کہ جو ہمارے پہلوان کو گرائے گا ہم اسے اتنا زیادہ انعام دیں گے۔ اس نے سوچا کہ جنید کو رستم زماں کہا جاتا ہے۔ میں اسے گرا تو نہیں سکتا مگر میرے گھر میں غربت بہت زیادہ ہے۔ مجھے پریشانی بھی بہت ہے اور سادات میں سے ہوں اس لئے کسی کے آگے جا کر اپنا حال بھی نہیں کھول سکتا، چلو میں مقابلہ کی کوشش کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے جنید سے کشتی لڑنے کا اعلان کر دیا۔ وقت کا بادشاہ بہت حیران ہوا کہ اتنے بڑے پہلوان کے مقابلے میں ایک کمزور سا آدمی۔ بادشاہ نے اس شخص سے کہا کہ تو شکست کھا جائے گا۔ اس نے کہا کہ نہیں میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

مقابلے کیلئے دن متعین کر دیا گیا۔ بادشاہ وقت بھی کشتی دیکھنے کے لئے آیا۔ جب دونوں پہلوانوں نے پنجہ آزمائی شروع کی تو وہ سید صاحب کہتے ہیں، جنید! تو رستم زماں ہے، تیری بڑی عزت ہے، تجھے بادشاہ سے روزینہ ملتا ہے، لیکن دیکھ لے میں سادات میں سے ہوں، غریب ہوں، میرے گھر میں اس وقت پریشانی اور تنگی ہے، آج اگر تو گر جائے گا تو تیری عزت پر وقتی طور پر حرف آئے گا لیکن میری پریشانی دور ہو جائے گی۔ اس کے بعد اس نے کشتی کرنا شروع کر دی۔ جنید حیران تھے کہ اگر چاہتے تو بائیں ہاتھ کے ساتھ اس کو نیچے پٹخ سکتے تھے، مگر اس نے نبی اکرم ﷺ کی قرابت کا واسطہ دیا تھا۔ یہ محبوب ﷺ کی نسبت تھی جس سے جنید کا دل پسیج گیا تھا۔ دل نے فیصلہ کیا کہ جنید! اس وقت عزت کا خیال نہ کرنا، تجھے محبوب ﷺ کے ہاں عزت مل جائے تو تیرے لئے یہی کافی ہے۔ چنانچہ

تھوڑی دیر پنجہ آزمائی کی اور اس کے بعد جنید خود ہی چت ہو گئے اور وہ کمزور آدمی ان کے سینے پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ میں نے ان کو گرا لیا۔ بادشاہ نے کہا کہ نہیں کوئی وجہ بن گئی ہو گی لہذا دوبارہ کشتی کروائی جائے۔ چنانچہ دوبارہ کشتی ہوئی، جنید خود ہی گر گئے اور اسے اپنے سینے پر بٹھا لیا۔ بادشاہ بہت ناراض ہوا، اس نے جنید کو بہت زیادہ لعن طعن کی۔ حتیٰ کہ اس نے کہا کہ جی چاہتا ہے کہ جوتوں کا ہار تیرے گلے میں ڈال کر پورے شہر میں پھرا دوں، تو اتنے کمزور آدمی سے ہار گیا۔ آپ نے وقتی ذلت کو برداشت کر لیا۔ گھر آ کر بتایا تو بیوی بھی پریشان ہوئی اور باقی اہل خانہ بھی پریشان ہوئے کہ تو نے اپنی عزت کو آج خاک میں ملا دیا۔ مگر جنید کا دل مطمئن تھا۔

رات کو سوئے تو خواب میں اللہ کے محبوب ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جنید! تو نے ہماری خاطر یہ ذلت برداشت کی ہے، یاد رکھنا کہ ہم تیری عزت کے ڈنکے دنیا میں بجا دیں گے۔ چنانچہ وہ جنید بغدادی جو ظاہری پہلوان تھے اللہ رب العزت نے اسے روحانی دنیا کا پہلوان بنا دیا۔ آج جہاں بھی تصوف کی بات کی جائے گی جنید بغدادی کا تذکرہ ضرور کیا جائے گا۔

بندی اور بندے کی معافی

ایک آدمی کی بیوی سے کوئی غلطی ہو گئی۔ نقصان کر بیٹھی۔ اگر وہ چاہتا تو اسے سزا دے سکتا تھا، اگر وہ چاہتا تو اسے طلاق دے کر گھر بھیج سکتا تھا کیونکہ وہ حق بجانب تھا۔ تاہم اس آدمی نے یہ سوچا کہ میری بیوی نقصان تو کر بیٹھی ہے، چلو میں اس اللہ کی بندی کو معاف کر دیتا ہوں۔ کچھ عرصہ کے بعد اس شخص کی وفات ہو گئی۔

کسی کو خواب میں نظر آیا۔ خواب دیکھنے والے نے پوچھا کہ سناؤ آگے کیا معاملہ بنا؟ کہنے لگا کہ اللہ رب العزت نے میرے اوپر مہربانی فرمادی۔ اس نے پوچھا، وہ کیسے؟ کہنے لگا کہ ایک مرتبہ میری بیوی غلطی کر بیٹھی تھی۔ میں چاہتا تو سزا دے سکتا تھا مگر میں نے اس کو اللہ کی بندی سمجھ کر معاف کر دیا۔ پروردگار عالم نے فرمایا کہ تو نے اسے میری بندی سمجھ کر معاف کر دیا، جا میں تجھے اپنا بندہ سمجھ کر معاف کر دیتا ہوں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بسم اللہ کی برکت

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات لکھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم ایمان والوں کو کشتی میں لے کر بیٹھو، اور اس کے بعد پڑھنا بسم اللہ مجرھا۔ لہٰذا جب کشتی کو چلانا ہوتا تو وہ بسم اللہ مجرھا پڑھتے اور کشتی چل پڑتی اور جب روکنا ہوتا تو فرماتے بسم اللہ مرسھا اس سے کشتی رک جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن پاک کی آیت بنا دیا۔ بسم اللہ مجرھا و مرسھا اس آیت کے تحت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب نکتہ لکھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم بسم اللہ پڑھ کر اس کشتی کو چلاؤ بھی اور روکو بھی۔ لہٰذا بسم اللہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کشتی کو چلاتے بھی تھے اور اتنے بڑے طوفان سے اس کشتی کی حفاظت بھی فرمائی۔ وہ یہاں فرماتے ہیں کہ سوچنے کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو "بسم اللہ" کے دو لفظ عطا فرمائے اور ان دو لفظوں کی برکت سے حضرت نوح علیہ السلام کی سرپرستی میں ان کی پوری امت کو اللہ

تعالیٰ نے اتنے بڑے طوفان سے محفوظ فرمالیا تو ہم بھی امید کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کی سرپرستی میں امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے جو پوری بسم اللہ الرحمٰن الرحیم عطا کر دی۔ اس کی برکت سے جہنم کی آگ سے بچا کر جنت عطا فرمادیں گے۔ سبحان اللہ، چونکہ نبی علیہ السلام کے ساتھ امت کو ایک نسبت حاصل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس امت کی بھی حفاظت فرمائیں گے۔

سلف صالحین اور نسبت کا خیال

سلف صالحین نسبتوں کا بڑا اکرام فرماتے تھے۔ اس کی بھی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

باسی روٹی کی نسبت

ایک بزرگ کے سامنے جب بھی دسترخواں پر روٹیاں رکھی جاتیں تو وہ ٹھنڈی روٹی پہلے کھاتے اور گرم روٹی بعد میں۔ کسی نے کہا، حضرت! جب ٹھنڈی اور گرم دونوں قسم کی روٹیاں موجود ہوں جی تو چاہتا ہے کہ گرم روٹی پہلے کھائیں کیونکہ ٹھنڈی روٹی تو ٹھنڈی ہو چکی ہوتی ہے اس لئے وہ بعد میں کھانی چاہئے۔ مگر اللہ والوں کی نگاہ کہیں اور ہوتی ہے۔ انہوں نے فرمایا، نہیں یہ ٹھنڈی اور گرم دونوں میرے سامنے ہوتی ہیں، میں ان پر نظر دوڑاتا ہوں اور اپنے دل سے پوچھتا ہوں کہ اے دل! تیرا جی چاہتا ہے کہ گرم روٹی کھا کر لطف اٹھائے مگر سوچ تو سہی کہ ٹھنڈی روٹی پہلے پکی اس لئے اس کو نبی علیہ السلام کے زمانے سے قرب کی نسبت زیادہ حاصل ہے اور گرم

روٹی بعد میں پکی اس لئے اس کو دور کی نسبت ہے۔ لہذا میں قرب کی نسبت والی روٹی پہلے کھاتا ہوں اور بعد والی روٹی کو بعد میں کھاتا ہوں۔ اندازہ لگایئے کہ دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ سے جو نسبت ہوتی تھی اللہ والے اس نسبت کا بھی خیال فرماتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے نزدیک نسبت کا مقام

سیدنا عمرؓ ابن الخطاب نے اپنے دور خلافت میں اپنے بیٹے عبداللہ ابن عمرؓ کا مشاہرہ (تنخواہ) کم متعین کیا اور حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کا مشاہرہ زیادہ متعین فرمادیا۔ حضرت زیدؓ نبی اکرم ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے۔ جب مشاہرہ متعین ہوگیا تو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے پوچھا، ابا جان! علم وفضل میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بڑھا دیا مگر آپ نے اسامہؓ کا مشاہرہ مجھ سے زیادہ متعین فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا، بیٹے! اسامہؓ تیری نسبت اللہ کے محبوب ﷺ کو زیادہ پیارا تھا اور اسامہؓ کا باپ تیرے باپ سے زیادہ حضور اکرم ﷺ کو پیارا تھا اس لئے میں نے اسامہؓ کا مشاہرہ زیادہ مقرر کیا ہے۔ اللہ اکبر

بعض مشائخ کا معمول

ہمارے بعض مشائخ کا معمول رہا ہے کہ اگر ان کے ہاں کوئی صاحب نسبت بزرگ مہمان آتے تو وہ ان کا کھانا اپنے سر پر اٹھا کر لے جاتے۔ حالانکہ ہاتھوں میں بھی اٹھا کر لے جا سکتے تھے مگر نسبت کے اکرام کی وجہ سے وہ صاحب نسبت

بزرگ کا کھانا اپنے سر پر اٹھا کر لے جاتے تھے۔

صاحب نسبت بزرگ کے تحفے کا اکرام

دو بزرگ صاحب نسبت تھے۔ ان کی آپس میں محبت بہت زیادہ تھی۔ ان میں سے ایک بزرگ دوسرے بزرگ سے ملنے کیلئے گئے۔ سوچا کہ میں ان کے پاس کوئی تحفہ لے جاؤں۔ کیونکہ حدیث پاک میں آیا ہے تھادوا تحابوا تم ایک دوسرے کو ہدیہ دو محبت بڑھے گی۔ چنانچہ سوچا کہ میں کیا لے کر جاؤں کیونکہ کچھ بھی اپنے پاس نہیں تھا۔ مگر دل میں اخلاص تھا۔ اس لئے دل میں خیال آیا کہ جنگل میں سے لکڑیاں کاٹ کر لے جاؤں۔ چنانچہ لکڑیاں کاٹیں، ان کا گٹھا بنایا اور سر پر اٹھا کر لے چلے کہ میں اپنے ایک بھائی کو تحفہ دینے کیلئے جا رہا ہوں۔ جب لکڑیاں وہاں جا کر رکھیں تو انہیں کہا کہ میں آپ کیلئے تحفہ لایا ہوں۔ انہوں نے یہ تحفہ گھر بھجوا دیا اور اپنے اہل خانہ کو وصیت کی یہ ایک صاحب نسبت بزرگ کا تحفہ ہے۔ جب میں مر جاؤں تو میری میت کے غسل کا پانی ان لکڑیوں سے گرم کیا جائے۔ سبحان اللہ

نسبت کے احترام پر گناہوں کی بخشش

کعب احبارؓ وہ صحابی تھے جو علمائے بنی اسرائیل میں سے تھے۔ انہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا۔ انہیں دو پیغمبروں پر ایمان لانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ دنیا میں بھی سعادت ملی اور قیامت کے دن بھی ان کو دوہرا اجر ملے گا۔ وہب بن منبہ ان کا عمل نقل کرتے ہیں کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو ان کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ آخری

صف میں نماز پڑھیں۔ جبکہ دوسرے لوگ دوڑ دوڑ کر پہلی صف میں جاتے کیونکہ پہلی صف کے اجر اور اس کی فضیلت کے بارے میں احادیث میں بتایا گیا ہے۔ ان کے شاگردوں نے جب ان کا یہ عمل دیکھا تو پوچھا، حضرت! دوسرے لوگ تو پہلی صف کیلئے کوشش کرتے ہیں اور آپ پہلی صف کی کوشش نہیں کرتے، پچھلی صف میں ہی کھڑے ہو کر نماز پڑھ لیتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ میں نے تورات اور اس کے علاوہ باقی آسمانی کتابوں میں پڑھا ہے کہ امت محمدیہ ﷺ میں سے بعض ایسے بندے ہوں گے جو اپنے پروردگار کو اتنے مقبول ہوں گے کہ جہاں کھڑے ہو کر وہ نماز پڑھیں گے ان کے پیچھے اقتداء کرنے والے جتنے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان سب کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میرے نیک بھائی سب آگے ہوں، ممکن ہے کہ کسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہم سب کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ سلف صالحین کے ہاں نسبت کی بہت قدر ہوا کرتی تھی اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اچھی نسبت بنانے کی اور نسبت کا احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے

رہے سلامت تمہاری نسبت

حضرت قاسمؒ

حضرت ابوبکرؓ

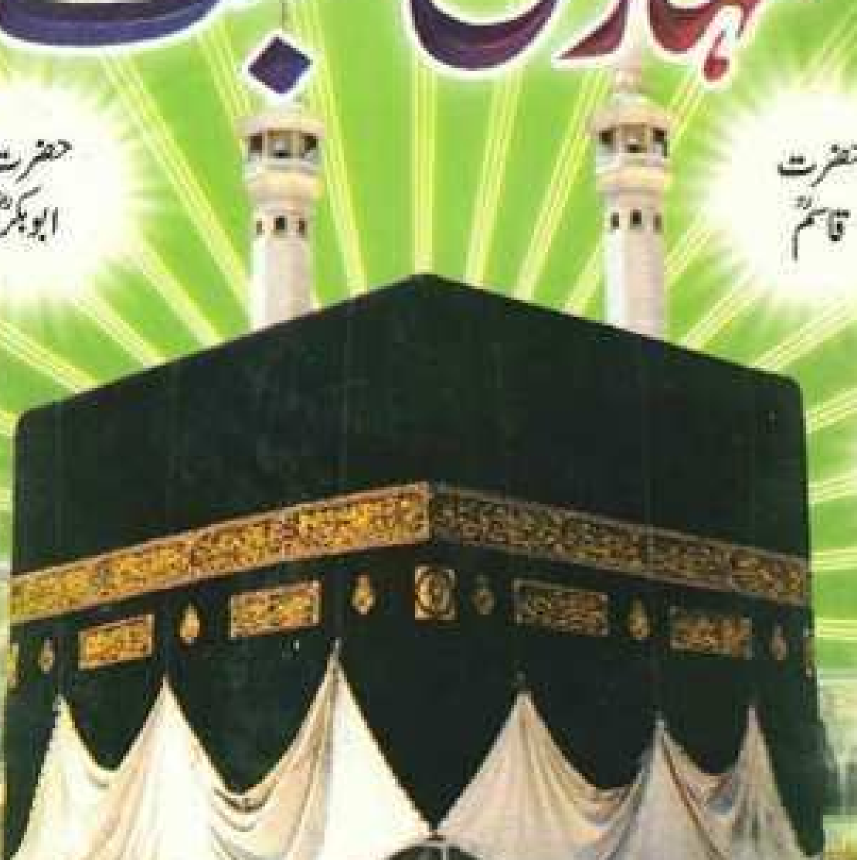

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

حضرت یعقوب چرخیؒ

حضرت بایزید بسطامیؒ

حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ

حضرت عبدالمالک صدیقیؒ

حضرت خواجہ محمد معصومؒ

حضرت غلام حبیبؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حضرت فضل علی قریشیؒ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

دارالکتاب دیوبند

باب 2

نسبت مع اللہ

بندے کا اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق قائم ہو جانا نسبت مع اللہ کہلاتا ہے۔ خصوصی تعلق سے مراد یہ ہے کہ نسیان (غفلت) دور ہو جائے اور عصیان (گناہ) سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت نصیب ہو جائے۔ یہ اس وقت ممکن ہے جب انسان کا دل نورِ معرفت سے منور ہو جائے نفس امارہ کی انانیت ٹوٹ جائے اور یہ نفس مطمئنہ میں بدل جائے۔ تصوف کی زبان میں لفظ ''نسبت'' اسی کیفیت کے لئے بولا جاتا ہے۔

نسبت کی تعریف

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب القول الجمیل میں نسبت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں

''تمام مشائخ کے طریقوں کا مقصد، منتہیٰ اور حاصل ایک خاص ہیئت نفسانی کا حصول ہے جسے نسبت کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس سے بندہ کو اللہ تعالیٰ سے نسبت و تعلق حاصل ہوتا ہے۔ اسی نسبت کا ایک نام سکینہ ہے اور

اسی کو نور بھی کہتے ہیں''

حضرت تھانویؒ ''نسبت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں

''نسبت کے لغوی معنی تعلق اور لگاؤ کے ہیں اور اصطلاحی معنی ہیں بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص تعلق یعنی اطاعت دائمہ و ذکر غالب اور حق تعالیٰ کا بندہ سے خاص تعلق یعنی قبول و رضا جیسا کہ عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں ہوتا ہے''

تو معلوم یہ ہوا کہ نسبت اللہ تعالیٰ سے ایک خاص قسم کے تعلق کا نام ہے۔ جس قدر یہ تعلق قوی ہوگا اسی قدر نسبت قوی ہوگی۔ عموی نسبت تو ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے ہے لیکن یہ نسبت ایک خاص قسم کی محبت اور اور خصوصی تعلق کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ مولانا رومؒ نے فرمایا

اتصالے بے تکیف بے قیاس

ہست رب الناس را با جان ناس

{یعنی حق تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ ایک ایسا اتصال (نسبت) ہے جس کی نہ تو کیفیت بیان کی جاسکتی ہے اور نہ کسی چیز پر اس کو قیاس کیا جاسکتا ہے}

نسبت کی حقیقت

نسبت کی حقیقت سمجھنے سے پہلے اس بات کو سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی میں یہ ایک بات رکھی ہے کہ کسی امر کو مسلسل اختیار کرنے سے وہ اس کا عادی ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کا اتنا خوگر ہو جاتا ہے کہ اس کا ترک کرنا اس کیلئے امر محال بن جاتا ہے۔ روزمرہ زندگی سے چند مثالیں دی جاتی ہیں جس سے اس بات کو

جھنا ذرا آسان ہو جائے گا۔

ثال نمبر۱

ہم دیکھتے ہیں کہ جس بندے کو نماز کی عادت نہیں اسے نماز کیلئے کہہ دیں تو
ے نماز پڑھنا ایک بہت بڑا بوجھ اور مصیبت نظر آتی ہے۔ اس کے برعکس وہی
ز ایک نمازی آدمی کیلئے بہت آسان ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی وجہ سے اس کی نماز
چھوٹ جائے تو اسے سخت رنج اور پشیمانی ہوتی ہے اور جب تک اسے ادا نہ کر لے
ین نہیں آتا۔

ثال نمبر۲

بعض لوگوں کو دیکھا کہ بہت ہی نفیس طبع اور صفائی پسند ہوتے ہیں۔ ہر وقت
ا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر رہتے ہیں۔ کہیں بیٹھنا ہو تو جگہ جھاڑ کر
ھیں گے کہ مٹی نہ لگ جائے۔ کپڑے پر معمولی سا داغ بھی ان سے برداشت
یں ہوتا۔ صاف رہنے کی یہ عادت ان میں اتنی راسخ ہو جاتی ہے کسی دن نہ
ئیں یا اور کوئی خلاف نفاست بات ہو جائے تو ان کے سر میں درد ہونے لگ
تا ہے۔ حالانکہ وہی بات دوسروں کیلئے اتنی تکلیف دہ نہیں ہوتی۔

ثال نمبر۳

بعض لوگوں کو اپنی روزانہ کی خوراک میں کسی خاص چیز کے کھانے یا پینے کی
دت ہو جاتی ہے۔ جب تک وہ اس کو کھا نہیں لیں گے تو ان کی تسلی نہیں ہوگی۔
سے کسی کو چائے پینے کی عادت ہوتی ہے، کسی کو بوتل یا آئس کریم وغیرہ کی لذت یا
ائیت کے اعتبار سے ان کو اس سے اعلیٰ درجے کی بھی کوئی چیز دے دی جائے تو

بھی جب تک ان کو مطلوبہ چیز نہیں ملے گی انہیں سکون نہیں آئے گا۔

ان مثالوں سے بات واضح ہوتی ہے کہ نفس انسانی میں جو حالت بھی راسخ ہو جائے پھر وہی اس کی صفت بن جاتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کمر بستہ ہو جاتا ہے تو اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کیلئے محنت مجاہدے میں لگ جاتا ہے، اطاعت الٰہی میں کوشاں رہتا ہے اور ذکر الٰہی پر مداومت کی کوشش کرتا ہے۔ جب کچھ عرصہ وہ اسی محنت میں گزارتا ہے تو یہ حالت اس میں راسخ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ ایک وقت آتا ہے کہ یادالٰہی اس کے دل کی صفت بن جاتی ہے اور اطاعت الٰہی اس کے نفس کا تقاضا بن جاتی ہے۔ اب اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت اختیار کرنا اور اس کی نافرمانی کا قصد کرنا اس کیلئے ممکن نہیں رہتا۔ اب اس کا نفس امارہ نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔ اس حالت میں اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص تجلیات اور سکینہ نازل ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے، اس کی اسی کیفیت راسخہ کا نام نسبت ہے۔

سوچنے کی بات جب نفس انسانی عام مادی لذات کا عادی ہو جائے تو ان کا ترک گوارا نہیں کرتا تو جب یہ تجلیات ربانی اور عالم امر کے انوارات سے آشنائی حاصل کر لیتا ہے تو ان کی لذت سے محروم ہونا کیسے گوارہ کر سکتا ہے۔ اسی لئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے نسبت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک کیفیت کا نام ہے جو نفس ناطقہ میں حلول کر جاتی ہے جس کے سبب سے نفس کے اندر ایک ملکی شان پیدا ہو جاتی ہے اور عالم بالا سے باتیں اخذ کرنے کا ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے''

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں

''نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ کا اللہ تعالیٰ سے عشق کا تعلق ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا بندے سے رضا کا تعلق ہو جائے''

بندے کا اللہ کی رضا جوئی کیلئے ذکر وطاعت کا اختیار کرنا اور اس میں رسوخ حاصل کرنا گویا کہ بندے کی اللہ سے ایک نسبت ہے اب اس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو اللہ کے ہاں ایسی قبولیت ہوتی ہے کہ اللہ کی طرف سے رضائے تامہ نصیب ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ کی بندے سے نسبت ہے۔ نسبت کا جو لفظ مشائخ بولتے ہیں وہ ان دونوں نسبتوں کے قائم مقام ہوتا ہے۔

رضائے تامہ کا معنی

رضائے تامہ کا مطلب یہ ہے کہ بندے کو اللہ کی کامل رضا حاصل ہو جائے نہ کہ جزوقتی۔ مثلاً جب کوئی گناہ گار گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں لیکن جب وہی بندہ کوئی نیکی کرتا تو اس پر راضی بھی ہوتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ ایک گناہ گار کے نیک عمل پر راضی تو ہوئے ہیں لیکن اس بندے کے عمل کے بقدر وقتی رضا حاصل ہوئی ہے نہ کہ کامل رضا ملی ہے۔ رضائے تامہ اس بندے کو حاصل ہوتی ہے جو تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کی محنت کر کے اپنی اصلاح کر چکا ہو۔ اس بندے کو اللہ تعالیٰ کا خصوصی تعلق نصیب ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کی حفاظت میں آ جاتا ہے۔ ایسے ہی بندے کو صاحب نسبت کہتے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حصول نسبت کے بعد بھی بتقاضائے

بشریت کبھی معصیت کا ہو جانا ممکن ہے بلکہ ہو بھی جاتی ہے تو پھر دائمی رضا حا[صل]
ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کے جواب میں کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

مثال نمبرا

گہری دوستی کے بعد یہ ضروری نہیں کہ کبھی شکر رنجی ہوتی ہی نہیں، ہو سکتی ہے
لیکن یہ شکر رنجی عارضی ہوتی ہے حقیقت میں اس خفگی کے دوران بھی دوستی کا تعلق
قائم رہتا ہے، ٹوٹتا نہیں۔ بالکل اسی طرح صاحب نسبت سے کوئی لغزش تو ہو سکتی
ہے لیکن وہ صاحب جلدی اس پر مطلع ہو کر تو بہ تائب ہو جاتے ہیں اور تعلق بدستور
قائم رہتا ہے۔

مثال نمبر۲

تکمیل صحت کے بعد ضروری نہیں کہ کبھی نزلہ زکام یا کوئی اور چھوٹا موٹا عارضہ
نہ ہو، ہو سکتا ہے۔ یا کسی بد پرہیزی کرنے سے صحت میں عارضی فتور واقع ہو
سکتا ہے لیکن اس کا تدارک کرنے کے بعد وہی غالب صحت لوٹ آتی ہے۔

مثال نمبر۳

وہ طلبا جو سند فراغت حاصل کر لیتے ہیں مکمل عالم بن جاتے ہیں۔ اس کا
مطلب یہ نہیں کہ اب وہ کسی کتاب میں کسی مقام پر اٹکیں گے ہی نہیں، اٹک سکتے
ہیں لیکن ذرا توجہ کرنے سے وہ اشکال رفع کر لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

نسبت کی علامت

صاحب نسبت ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس شخص کی صحبت میں بیٹھنے سے

دنیا سے نفرت اور آخرت کی طرف رغبت پیدا ہو، اور اس کی طرف علما، اور دیندار حضرات کا میلان اور رجوع زیادہ ہو بہ نسبت دنیاداروں کے۔

بعض لوگ اپنی جہالت کی بناء پر نسبت سے مراد بعض خاص کیفیات اور احوال مراد لیتے ہیں جو فاسق و فاجر میں بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کیفیات کا تعلق ریاضت و مجاہدے کے ساتھ ہے جو کوئی بھی شخص حاصل کر سکتا ہے۔ ان کیفیات کے لئے قبولیت خداوندی شرط نہیں ہوتی۔

نسبت کے دلائل

دلیل نمبر ا

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں صحابہ کرام کے متعلق فرمایا کہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ وَ رَضُو عَنۡہُ کہ وہ اللہ سے راضی ہیں اور اللہ ان سے راضی ہے یہ دلیل ہے صحابہ کرام کی نسبت کی۔ گویا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی دائمی رضامندی عطا فرما دیتے ہیں۔

دلیل نمبر ۲

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ۝ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً ۝

(اے اطمینان والے نفس تو چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی)

نفس مطمئنہ وہ نفس ہوتا ہے جو امارگی اور انانیت سے نجات پا چکا ہو اور نفس نسبت کے نور کا حامل ہوتا ہے۔ اسی نفس کو اس آیت میں اللہ رب العزت کی طرف سے دائمی رضا کی نوید سنائی جا رہی ہے۔

دلیل نمبر ۳

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰن

(جو میرے بندے ہیں (شیطان) تیرا ان پر قابو نہیں چل سکتا)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ اتباع شریعت کے ساتھ وہ مقام پا لیتے ہیں کہ شیطان ان سے کوئی ایسا گناہ نہیں کروا سکتا جو کہ نا قابل معافی ہو "عبادی" کا لفظ اسی نسبت کی واضح دلیل ہے

دلیل نمبر ۴

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا

"پس جس شخص نے شیطان کو جھٹلایا اور اللہ پر ایمان لے آیا تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ پکڑ لیا جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا"

یہ آیت دلیل ہے اس بات کی کہ نسبت مع اللہ جب قائم ہو جاتی ہے تو ٹوٹتی نہیں ہے بلکہ انسان ایک مضبوط حصار میں آ جاتا ہے۔

دلیل نمبر ۵

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:
میرا بندہ نوافل سے میرے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے۔ میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے"

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بندہ اللہ کا اتنا بھی مقرب ہو سکتا ہے کہ اس کا سننا دیکھنا بولنا کام کرنا سب کچھ اللہ کی طرف سے ہو جاتا ہے یہ بھی نسبت کے قائم ہو جانے کی ایک دلیل ہے۔

دلیل نمبر ۶

ایک حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔
ماصبَّ اللّٰهُ فِيْ صَدْرِيْ اِلَّا وَ قَدْ صَبَبْتُهٗ فِيْ صَدْرِ اَبِيْ بَكْرٍ
اللہ تعالی نے میرے سینے میں جو کچھ بھی ڈالا ہے میں نے اسے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سینے میں ڈال دیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ جو علم مجھے ملا میں نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی بتا دیا بلکہ فرمایا جو اللہ نے میرے سینے میں ڈالا وہ میں نے ابوبکر کی سینے میں ڈال دیا یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ نبی علیہ السلام نے اپنے احوال و کیفیات کو منتقل کیا آپ کی طرف۔ یعنی ایک باطنی نسبت کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کے سینے میں القا کیا۔اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ سیدنا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت سب سے مضبوط نسبت ہے کہ اس کا اظہار خود زبان نبوت سے ہو رہا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ فرماتی ہے ان کو امت پر فضیلت نماز روزوں کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس درد دل کی وجہ سے تھی جو آپ کے دل میں تھا۔ یہ دلیل ہے آپ کی نسبت مع اللہ کی

نسبت کے مختلف انداز

نسبت کی حقیقت اور ماہیت تو ایک ہی ہے لیکن محنت اور طریقے کے فرق کے اعتبار سے اس نسبت کے رنگ مختلف ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے اسی نسبت کو حاصل کیا۔ لیکن ہر صحابی کی اپنی اپنی محنت اور طریقہ کے فرق کی وجہ سے ہر ایک کی نسبت کا رنگ جدا جدا تھا۔ چنانچہ کسی نے تو نمازوں کی کثرت کی تو انکی نسبت اسی رنگ کی تھی، کسی نے تلاوت قرآن کو اپنا شغل بنایا تو اس کی نسبت پر اس کا رنگ غالب تھا، کسی نے صدقہ خیرات کی کثرت کی اور کوئی موت کی فکر اور یاد میں ڈوبا رہتا تھا تو یہ اس کی نسبت کا رنگ بن گیا۔ کسی پر عشق الٰہی کا رنگ غالب تھا تو کسی کو اللہ کی حضوری اور پیشی کا خوف دامنگیر رہتا۔ علیٰ ہذا القیاس صحابہ کرامؓ کی نسبت کے الوان اور رنگ مختلف تھے۔

تابعین نے صحابہ کرام کی صحبت میں رہ کر نسبت کے نور کو حاصل کیا۔ جس نے جس صحابی کی صحبت کو پایا اس پر اسی صحابی کی نسبت کا رنگ غالب آ گیا۔ تابعین سے تبع تابعین نے فیض اٹھایا اور پھر یہ سلسلہ آگے سے آگے چلتا رہا۔ چنانچہ مختلف سلسلہ، نسبت مشہور ہو گئے، وقت کے ساتھ ساتھ چار سلاسل نسبت زیادہ ترویج

پا گئے۔

(۱) نسبت نقشبندیہ (۲) نسبت قادریہ (۳) نسبت چشتیہ (۴) نسبت سہروردیہ

ان کے علاوہ بھی کچھ سلاسل ہیں لیکن وہ غیر معروف ہیں۔ان چاروں کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

نسبتوں کے اس اختلاف کو سمجھنے کیلئے ایک اور مثال پر غور کریں۔

فرض کریں کہ لوگ حج کرنے کیلئے حرم شریف کی طرف سفر کرتے ہیں۔کوئی ہوائی جہاز میں جاتا ہے، کوئی بحری سفر کرتا ہے، کوئی خشکی کا سفر کرتا ہے منزل تو سب کی ایک ہی ہوتی ہے سب ہی حرم شریف پہنچ جاتے ہیں۔لیکن سفر کرنے کے ذرائع ہر ایک مختلف ہوتے ہیں۔یہی حال ان نسبتوں کا ہے کہ مقصود تو سب کا ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے گہرا تعلق قائم ہو جائے لیکن طریقہ کار اور محنت و مجاہدے مختلف ہوتے ہیں۔

سوال: کیا نسبت حاصل کرنے کیلئے ان سلاسل میں بیعت ہونا ضروری ہے؟

جواب:

نسبت کے حاصل ہونے کا مدار ذکر الٰہی پر مداومت اور شریعت پر استقامت میں ہے۔اسی چیز کو اپنے نفس پر راسخ کرنے کیلئے مشائخ طریقت ان سلاسل کے مقرر کردہ اسباق کی محنت کرواتے ہیں۔ان سلاسل میں بیعت ہوئے بغیر بھی مجاہدے سے اس چیز کو حاصل کیا تو جا سکتا ہے لیکن یہ ایک مشکل کام ہے جو ہر ایک کے بس کا نہیں۔کوئی بھی لمبا اور نا معلوم راستہ اختیار کرنا جس میں جگہ جگہ پر شیطانی نفسانی رکاوٹیں موجود ہوں اور رہبر بھی ساتھ نہ ہو کوئی دانشمندی نہیں۔ظاہر ہے

اس حالت میں منزل پر پہنچنے کے امکانات کم اور بھٹکنے کے امکانات زیادہ ہیں۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ کسی سلسلہ کے شیخ سے بیعت ہو کر نسبت کی نعمت کو حاصل کیا جائے۔ امت کے لاکھوں کروڑوں اولیائے کاملین اور مشائخ عظام نے جن طریقوں پر چل کر گوہر مقصود کو پایا ان کے مجرب، موصل اور اقرب ہونے میں کوئی شک نہیں۔ محفوظ راستوں کو چھوڑ کر پر خطر راستوں چلنا حماقت ہے۔

نسبت مع اللہ کے فضائل

جنت کا وعدہ

اللہ رب العزت نے صاحب نسبت بندوں کو جنت کی بشارت ان الفاظ میں سنائی ہے:

يَآ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○
فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ ○ فَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ○

(اے ایمان والی روح اپنے رب کی طرف چل یوں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں آجا)

وہ نفوس قدسیہ جو محنت مجاہدے سے اپنے نفس کو امارگی کی غلاظت سے پاک کر کے نفس مطمئنہ بنا لیتے ہیں۔ ان کا موت کے وقت اکرام یوں کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت سنائی جاتی تم اللہ سے راضی ہو اللہ تم سے راضی ہے آؤ اور اللہ کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔ جب کوئی معزز اور مکرم مہمان گھر میں آتا

ہے تو اسے گھر کے دروازے پر مرحبا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح صاحب نسبت حضرات کو موت کے وقت اللہ رب العزت کے طرف سے یوں مرحبا کہا جائے گا۔

قرب الٰہی......سب سے بڑا انعام

اللہ تعالیٰ جس بندے سے راضی ہوتے ہیں اس کو اپنا قرب عطا فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے سب سے بہترین انعام اس کا قرب ہے۔ اس کی دلیل قرآن عظیم الشان میں ہے۔ جب فرعون نے جادوگروں کو بلایا اور کہا کہ تم موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرو تو جادوگر بھی سمجھدار لوگ تھے۔ وہ فرعون سے پوچھنے لگے کہ جناب! ہم مقابلہ تو کرتے ہیں اور مقابلہ بھی شاہی مقابلہ ہے، کوئی چھوٹی موٹی بات نہیں ہے لہذا آپ بتائیے کہ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو پھر ہمیں جیتنے کے نتیجے میں کیا انعام ملے گا۔ فرعون نے جواب دیا کہ اگر تم جیت گئے تو انکم اذا لمن المقربین کہ اس کے نتیجے میں تم میرے مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔ معلوم ہوا کہ مقربین میں شامل ہو جانا سب سے بڑا انعام ہوتا ہے اور سارے انعامات اس انعام میں شامل ہوتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جانا سب سے بڑا انعام ہے۔ قرب حاصل ہونے کے کیا مطلب؟ حدیث شریف میں آیا من کان للہ کان اللہ لہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کے ہو جاتے ہیں۔ اللہ کا مل جانا یہی تو قرب ہے۔ جب کوئی سالک اپنی اصلاح کی کوشش کرتا ہے اور ماسوی اللہ سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے تو کان للہ کا مصداق بن جاتا ہے۔ اور اس پر اس کو نسبت کا نور مل جاتا

ہے یعنی اللہ کا مقرب بن جاتا ہے تو کان اللہ لہ کا مصداق بن جاتا ہے۔

عقلمند بیوی

سبکتگین بادشاہ اپنی ایک بیوی سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کی دوسری بیویوں نے اس سے کہا کہ آپ اپنی فلاں بیوی سے زیادہ محبت رکھتے ہیں حالانکہ حسن میں ہم اس سے زیادہ ہیں، سمجھداری میں بھی ہم ان سے زیادہ ہیں آخر اس میں کونسی ایسی خاص بات ہے، ہمیں تو اس کے اندر کچھ نظر نہیں آتا۔ مگر آپ کی محبت کی نگاہیں جو اس پر اٹھتی ہیں وہ کسی دوسری بیوی پر نہیں اٹھتیں، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ بادشاہ نے کہا، اچھا، میں کبھی اس بات کا جواب دے دوں گا۔ اس کے بعد اس کی بیویاں یہ بات بھول گئیں۔

ایک دن سبکتگین نے اپنے گھر کے صحن میں بیٹھ کر کہا کہ آج میں بڑے اچھے موڈ میں ہوں اس لئے آج میں چاہتا ہوں کہ میں تم میں سے ہر ایک کو اچھے اچھے انعام سے نوازوں۔ وہ یہ بات سن کر خوش ہو گئیں کہ آج ہمیں شاہی خزانے سے انعام ملے گا۔

صحن میں سونے چاندی اور جواہرات کے ڈھیر لگا دیئے گئے۔ بادشاہ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ اس صحن میں جو چیزیں پڑی ہوئی ہیں ان میں سے جس چیز پر جو بیوی بھی ہاتھ رکھ لے گی اس کو وہ چیز انعام کے طور پر دے دی جائے گی۔ چنانچہ جس وقت میں اشارہ کروں تم دوڑ کر اپنی پسند کی چیز پر ہاتھ رکھ لینا۔ بیویاں تیار ہو گئیں اور انہوں نے اپنی اپنی پسند کی چیزوں پر نگاہیں جما لیں۔ کسی نے یاقوت کے اوپر، کسی نے ہیرے کے اوپر، کسی نے سونے کے اوپر اور کسی نے

چاندی کے اوپر۔ بادشاہ نے اشارہ کیا تو بیویوں نے دوڑ کر اپنی اپنی پسندیدہ چیزوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ لیکن وہ بیوی جس پر اس کی محبت کی خاص نظر رہتی تھی وہ اپنی جگہ کھڑی رہی۔ جب سب نے دیکھا کہ ہم نے قیمتی چیزوں پر ہاتھ رکھ لئے ہیں مگر اس نے کسی چیز پر ہاتھ نہیں رکھا تو وہ ہنسنے لگیں اور بادشاہ سے کہنے لگیں، بادشاہ سلامت! ہم کہا کرتی تھیں کہ یہ بے وقوف ہے اور اس کے اندر عقل کی کمی ہے، اور آج اس کی عقل کی کمی کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ یہ تو بس سوچتی ہی رہی لہٰذا آج اس کے پلے کچھ نہیں آیا۔

بادشاہ نے اس سے پوچھا، اے اللہ کی بندی! تو نے کسی چیز پر ہاتھ کیوں نہ رکھے؟ وہ کہنے لگی بادشاہ سلامت! میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ نے یہی کہا ہے ناں کہ جو جس چیز پر ہاتھ رکھ لے گی وہ چیز اسی کی ہو جائے گی۔ بادشاہ نے کہا، ہاں یہی تو میں نے کہا ہے۔ اس نے یہ سنا تو آگے بڑھی اور بادشاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ لئے۔ وہ کہنے لگی، بادشاہ سلامت! جب آپ میرے ہو گئے تو پھر سارا خزانہ میرا بن گیا۔

بادشاہ نے اس کی یہ بات سن کر اپنی دوسری بیویوں سے کہا کہ دیکھو، اس کی اس عقلمندی اور محبت کی وجہ سے میں اس کے ساتھ زیادہ محبت کرتا تھا۔

اگر ایک باندی یہ سمجھتی ہے کہ میں بادشاہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھ لوں تو وہ میرا بن جائے گا اور اس طرح سب کچھ میرا ہو جائے گا۔ اللہ والے بھی اسی طرح سمجھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے ہو گئے تو پھر تمام چیزیں ہماری ہو جائیں گی۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دیں۔

اللہ کے نام کی برکت:

ایک علمی نکتہ ہے۔ ''ب'' کے حرف کو دیکھیں وہ آپ کو لیٹا ہوا نظر آئے گا۔ اور الف ''ا'' کو دیکھیں وہ آپ کو کھڑا نظر آئے گا۔ بچے بھی پڑھتے ہیں کہ الف کھڑی نظر آتی ہے اور بے لیٹی لیٹی نظر آتی ہے۔ عام حالت میں تو ''ب'' کا حرف لیٹا ہوا ہوتا ہے لیکن عجیب بات ہے جب بھی اس کو حرف کی شکل میں لکھیں گے تو لیٹی ہوئی شکل میں لکھیں گے۔ لیکن جب اسی حرف کو اللہ کے نام کے ساتھ ملا کر لکھیں گے یعنی جب بسم اللہ کے اندر ''ب'' کو لکھیں گے تو لیٹا ہوا نہیں بلکہ ''ب'' کو کھڑا ہوا لکھیں گے۔ ارے! ''ب'' کا حرف اگر اللہ کے نام کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے تو اسے کھڑا کر دیا جاتا ہے، اے مومن! تو بھی اگر اللہ کے نام کے ساتھ نسبت حاصل کر لے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے بھی لیٹا نہیں رہنے دیں گے بلکہ پروردگار تجھے بھی کھڑا کر دیں گے۔ جب اللہ رب العزت کے نام کی نسبت کی اتنی برکتیں ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی نسبت کی کتنی برکتیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذات کے ساتھ نسبت عطا فرما دے۔

ایک عجیب نکتہ

مفسرین نے ایک عجیب نکتہ لکھا ہے کہ مؤمن کے مال کو اگر چور پڑ جائیں اور یہ اس کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے تو حدیث پاک میں آیا ہے کہ یہ بندہ شہید ہے من قتل دون ماله فهو شهيد. جو بندہ اپنے مال کی وجہ سے قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے۔ عجیب بات ہے کہ اپنے مال کی خاطر یہ مرا ہے اور اس کو شہادت کا رتبہ دے دیا گیا۔ عقل حیران ہوتی ہے کہ (مال کی خاطر مرنے والا)

جس مال کے بارے میں کہا گیا کہ اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں، دل میں اس کی محبت نہیں ہونی چاہئے، اللہ کے ہاں اس کا مکھی کے پر کے برابر بھی رتبہ نہیں۔ اس مال کی خاطر اگر مومن جان دے دیتا ہے تو یہ شہید ہے۔ سبحان اللہ۔ اسی طرح فقہا نے لکھا ہے کہ اگر ہنڈیا پک رہی ہو اور آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور درمیان میں اسے یہ ڈر پیدا ہو جائے کہ ہنڈیا ابل جائے گی اور ضائع ہو جائے گی اور مجھے کھانے کو کچھ اور نہیں ملے گا تو وہ نماز توڑ دے۔ ہنڈیا کی حفاظت پہلے کرے اور نماز کو بعد میں پھر لوٹا دے۔ عقل حیران ہوتی ہے کہ اللہ کی عبادت میں کھڑا تھا اور ادھر ہنڈیا کی بات تھی، حالانکہ اس کی کوئی اتنی قدر و قیمت نہیں تھی مگر کہا کہ نہیں، تم پہلے اس کی حفاظت کرو، نماز پھر پڑھ لینا۔

مال تھا، اس کی کوئی ویلیو نہیں تھی، مگر مال کی خاطر یہ قتل کر دیا گیا، شریعت کہتی ہے کہ شہید ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ طالب علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شہادت کا رتبہ کیوں دیا؟ کیونکہ اس نے کوئی کافروں سے جنگ نہیں لڑی اور نہ ہی اس نے دین کی سربلندی کے لئے کام کیا ہے، فقط اپنے مال کی وجہ سے لڑا جس کی کوئی ویلیو ہی نہیں تھی۔ یہاں محدثین نے ایک نکتہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے۔ من قتل دون مالہ فھو شھید اس حدیث پاک کو سامنے رکھ کر وہ فرماتے ہیں کہ مال کی تو کوئی حیثیت نہیں تھی مگر حدیث پاک میں مالہ کے لفظ میں "ہ" کی ضمیر نے مال کو مومن کے ساتھ نسبت دے دی ہے۔ لہٰذا اب یہ فقط مال نہیں بلکہ یہ مومن کا مال ہے۔ لہٰذا مومن کے مال کی حفاظت کرتے ہوئے اگر مومن مر گیا تو اللہ تعالیٰ اس کو شہادت کا رتبہ عطا فرما دیتے ہیں۔ مال کو اگر مومن کے ساتھ نسبت ہو جائے تو مال

کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ اگر مومن کو اللہ سے نسبت مل جائے تو مومن کی شان کیو
نہ بڑھ جائے گی۔

آیئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی نسبت اور تعلق کو مضبوط کرلیں تا کہ ہم بھی
تعالیٰ کے ہاں قبولیت پا جائیں اور ہمیں بھی اللہ رب العزت کی دائمی رضا حا
ہو جائے۔

رہے سلامت تمہاری نسبت

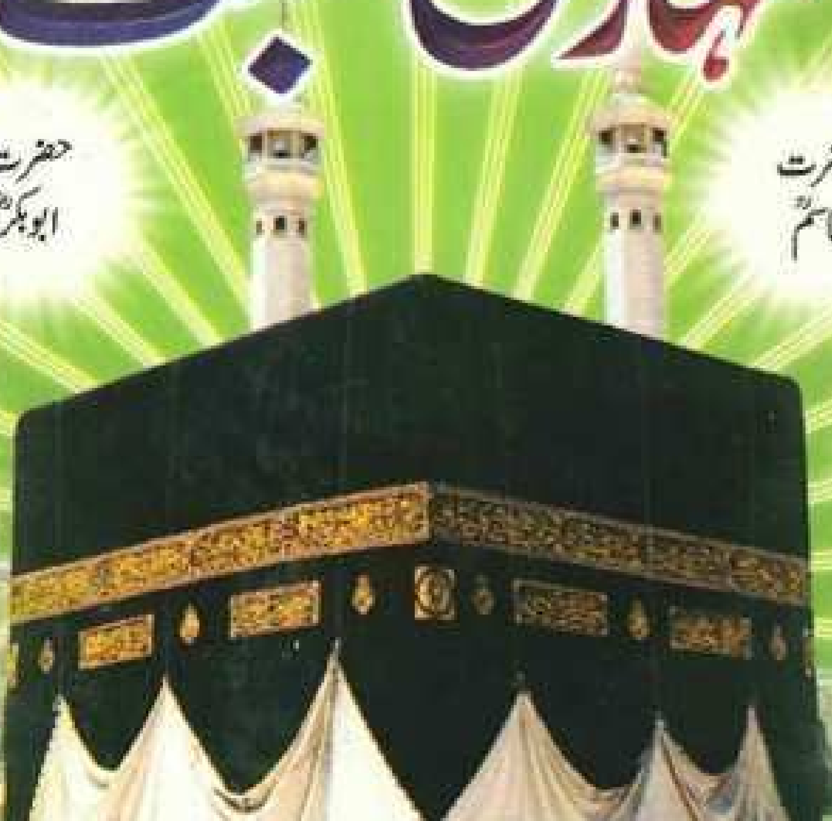

حضرت قاسمؒ

حضرت ابو بکرؓ

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

حضرت یعقوب چرخیؒ

حضرت بایزید بسطامیؒ

حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ

حضرت عبدالمالک صدیقیؒ

حضرت خواجہ محمد معصومؒ

حضرت غلام حبیبؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حضرت فضل علی قریشیؒ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

دارالکتاب دیوبند

باب 3

نور نسبت

عمال کی دو قسمیں

اعمال کی دو قسمیں ہیں، اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ۔ اعمال صالحہ نیک موں کو کہتے ہیں اور اعمال سیئہ گناہوں کو کہتے ہیں۔ جو کام اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق ہوں اور نبی اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق ہوں وہ اعمال الحہ میں شامل ہیں اور اس کے برعکس جو بھی کام ہیں وہ اعمال سیئہ کہلاتے ہیں۔

طن پر اعمال کے اثرات

انسان کے باطن پر اس کے اعمال کے اثرات پڑتے ہیں۔ نیک اعمال سے طن میں نور آتا ہے اور برے اعمال سے باطن میں ظلمت آتی ہے۔ ایک مرتبہ ک صحابی نماز میں آکر شریک ہوئے مگر وضو کرنے میں کوئی کمی رہ گئی تھی۔ نبی رم ﷺ نے سلام پھیر کر ارشاد فرمایا، کون ہے جس کی وجہ سے ہماری نماز کے در اثر ہوا؟ محدثین نے اس حدیث پاک سے نتیجہ نکالا کہ وضو میں کمی رہ جانا ایک

ظاہری عمل تھا مگر اس کا بھی باطن پر اثر ہو گیا۔ ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا
بے نماز کی نحوست چالیس گھروں تک جاتی ہے۔ تو پ معلوم ہوا کہ اگر
والے کے عمل کا انسان کے باطن پر اتنا اثر ہوتا ہے۔ تو اگر انسان کا اپنا عمل
ہو گا تو پھر اس کے باطن پر کتنا بڑا اثر ہو گا......!!!

گناہوں کی وجہ سے دل کا سیاہ ہو جانا

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب بھی انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے
پر سیاہ داغ لگ جاتا ہے۔ اگر سچی توبہ کر لے تو مٹ جاتا ہے۔ اگر توبہ نہ کر
اور دوسرا گناہ کر لے تو دوسرا داغ لگ جاتا ہے۔ اگر بالکل توبہ نہ کرے تو یہ
گناہوں کے ساتھ ساتھ اتنی بڑھتی چلی جاتی ہے کہ اس انسان کا دل سیاہ ہو
ہے۔ اس کو" رین قلب" کہتے ہیں۔ یعنی دل کا زنگ، دل کی سیاہی۔ قرآ
پاک سے اس کی دلیل ملتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے، كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى
قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ کیوں نہیں، انکی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے
پر زنگ لگا دیا گیا ہے۔ استغفار کی کثرت سے یہ سیاہی دھل جاتی ہے جبکہ غفلت
اور گناہوں سے یہ سیاہی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ جس انسان نے کلمہ نہیں پڑھا
دل بالکل سیاہ ہوتا ہے۔ اور جس نے کلمہ پڑھ لیا اس کا دل نور ایمان سے لبریز
جاتا ہے۔

دو قسم کے لوگ

اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان دو قسم کے ہیں۔

(۱) کافر (۲) مومن

چنانچہ ارشاد فرمایا

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّ مِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ

(وہ ذات جس نے تمہیں پیدا کیا پس تم میں سے کافر بھی ہیں اور تم میں سے ایمان والے بھی ہیں)

گویا اس اعتبار سے بندوں کی تقسیم دو طرح سے ہے۔

کفر کی ظلمت

کفار کے دلوں پر ظلمت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ان کے لئے ایک عجیب مثال بیان فرمائی گئی: فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ سمندر میں جب تلاطم آتا ہے تو لہروں پر لہریں پڑ رہی ہوتی ہیں۔ اگر اس وقت آسمان پر بادل بھی ہوں تو سمندر کی تہہ میں اتنا اندھیرا ہوتا ہے کہ آدمی کو اپنا ہاتھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ قرآن مجید نے کفار کے دلوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے یہی کہا کہ ان کی مثال ایسے ہے جیسے سمندر میں لہروں کے اوپر لہریں آ رہی ہوں، آسمان کے اوپر بادل ہوں پھر سمندر میں نیچے اگر کوئی اپنا ہاتھ نکالے لَمْ یَکَدْ یَرٰهَا وہ کبھی اس کو دیکھ نہیں پاتا۔ کس لئے؟ وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ جس کے لئے اللہ تعالیٰ کوئی نور ہی نہ بنائے پھر اس کے لئے نور نہیں ہوتا۔

کفر اور ایمان اللہ تعالیٰ کی نظر میں

اللہ رب العزت کو کفر اور کافری سے ذاتی عداوت ہے جبکہ ایمان اور مؤمن بندوں سے اللہ تعالیٰ کو ذاتی محبت ہے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا، اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ

امنوا اللہ تعالیٰ دوست ہے ایمان والوں کا۔ آداب شاہانہ کا تقاضہ تو یہی تھا
یوں فرمایا جاتا کہ ایمان والے ہمارے دوست ہیں۔ مگر اللہ رب العزت نے
نسبت کو اپنی طرف پسند فرمایا۔ سبحان اللہ، بندوں پر اتنے مہربان، اتنے کریم
اتنے رحیم کہ نسبت اپنی طرف فرمائی۔ اس نسبت کی اللہ رب العزت کے ہاں
قیمت ہے۔

ایمان کا نور

محترم جماعت! اگر اللہ تعالیٰ اتنی بات ہی فرما دیتے کہ اللہ تعالیٰ دوست
ایمان والوں کا، تو بات اپنے معانی کے اعتبار سے مکمل ہو جاتی۔ مگر ایک بات
آگے فرما دی جس نے مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا۔ فرمایا

يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

(اللہ تعالیٰ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے)

چونکہ اللہ رب العزت مومن کا اندھیرے میں رہنا پسند نہیں فرماتے۔
لئے قرآن مجید میں فرمایا:

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

(یہ کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی، تا کہ آپ نکالیں انسانوں کو
اندھیروں سے روشنی کی طرف)

گویا قرآن مجید اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جانے والی کتاب
ہے۔ اللہ رب العزت جن بندوں سے محبت فرماتے ہیں ان کو اندھیروں سے نکال
کر روشنی میں لے جاتے ہیں اور یہ روشنی ایمان والوں کو نصیب ہوتی ہے۔

نور اور ظلمت

''نور'' عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا مطلب ''روشنی'' ہے۔ اس کے بالمقابل ''ظلمت'' کا لفظ آتا ہے۔ جس کا مطلب ''اندھیرا'' ہے۔ جب بھی کوئی بندہ کلمہ طیبہ پڑھتا ہے تو اس عمل کی وجہ سے اس کے سینے کے اندر روشنی آتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی مومن نیک اعمال کرتا ہے تو ہر ہر نیک عمل کے بدلے اس کے سینے میں روشنی آتی ہے۔ اس کے بالمقابل جب بھی کوئی آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر اس عمل کی وجہ سے سیاہ داغ لگ جاتا ہے اگر انسان توبہ کر لے تو داغ مٹ جاتا ہے اور اگر گناہوں پہ گناہ کرتا رہے تو داغوں پہ داغ لگتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ انسان کا دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں روشنی کے لئے نور کا لفظ استعمال ہوا ہے جب کہ اندھیرے کے لئے ظلمت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ

(بینائی والا اور نابینا برابر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اندھیرا اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں)

اس آیت کی رو سے جس طرح بینا اور نابینا برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح اندھیرا اور روشنی بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا جس انسان کے سینے کے اندر نور اور جس انسان کے سینے کے اندر ظلمت ہو، وہ دونوں بھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔

نور سے محروم لوگوں کی کسمپرسی

قیامت کے دن یہی نور انسان کے سامنے ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے
اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ وہ لوگ جو ایمان
لائے ہمارے حبیبؐ پر ان کا نور ان کے آگے اور داہنی طرف دوڑتا ہوگا۔ ایک اور
جگہ پر ارشاد فرمایا یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ
اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ قیامت کے دن ایمان والے مردوں اور عورتوں کا نور ان
کے سامنے اور دائیں طرف ہوگا اور وہ اس نور کی روشنی میں قدم بڑھا رہے ہوں
گے۔ منافقین بھی اس وقت قریب ہوں گے اور ایمان والوں سے کہیں گے
اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُوْرِكُمْ ذرا ہماری طرف بھی توجہ کیجئے تاکہ ہم بھی آپ
کے نور سے فائدہ اٹھالیں۔ جیسے راستے پر چلتے ہوئے اگر ایک آدمی کے پاس
ٹارچ ہو تو دوسرے اس سے کہتے ہیں کہ ذرا روشنی اس طرف کرنا تاکہ ہمیں بھی
راستہ نظر آجائے۔ وہاں بھی ہو بہو یہی حال ہوگا۔ لیکن منافقین سے کہہ دیا جائے
گا قیل ارجعوا ورائکم فالتمسوا نورا انہیں کہا جائے گا تم واپس دنیا میں
جاؤ، یہ نور تو اس منڈی سے ملا کرتا تھا، تمہیں یہ نور وہاں سے لے کر آنا چاہئے تھا۔

پانچ قسم کا نور

قیامت کے دن نیکیوں کا نور انسان کے ساتھ ساتھ ہوگا۔ حدیث پاک میں
آیا ہے کہ یہ نور پانچ قسم کا ہوگا۔ یوں سمجھئے کہ ایک کمرہ نور سے بھرا ہوا ہے اور مختلف
جگہ پر بلب لگے ہوئے ہیں۔ اسی طرح روز محشر انسان کے پانچ طرف نور ہوگا۔
علماء نے لکھا ہے کہ لا الہ الا اللہ کا نور اپنے خاص رنگ اور شان کے ساتھ

انسان کے آگے ہوگا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے ٹیوب لائٹ کی بھی روشنی ہوتی ہے اور بلب کی بھی روشنی ہوتی ہے۔ پھر بلبوں میں کچھ پیلی روشنی کے بھی بلب ہوتے ہیں۔ روشنی تو سب میں ہے مگر ہر ایک کی اپنی شان ہے اور اپنا رنگ ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن مختلف اعمال کا نور مختلف رنگ کا ہوگا۔ اللہ اکبر کا جتنا ورد کیا ہوگا اس کا نور اس کے دائیں طرف ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ اکبر میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے۔ اب عظمت کا تقاضا ہے کہ یہ نور انسان کے دائیں طرف آئے۔ اس لئے کہ دائیں طرف کمال کی نشانی ہوتی ہے۔ سبحان اللہ، کا نور انسان کی بائیں جانب ہوگا۔ اس لئے کہ سبحان اللہ میں تنزیہہ ہے اور بائیں طرف عیب سے پاک ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سبحان اللہ کے نور کو انسان کے بائیں طرف کر دیں گے۔ الحمد للہ کے ورد کا نور انسان کے پیچھے ہوگا اور یہ نور بندے کی قیامت کے دن پشت پناہی کر رہا ہوگا ویسے بھی نعمت ملنے کے بعد الحمد للہ کہا جاتا ہے۔ ایمان کا نور انسان کے سر کے اوپر ہوگا اور یہ بندہ ان انوارات کی روشنی میں اپنے پروردگار کی طرف جا رہا ہوگا۔ اور اسے کہا جائے گا یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ . ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ (اے اطمینان پانے والی جان! لوٹ اپنے رب کی طرف) فرشتے اس کو اس روشنی کے ساتھ جنت کے اندر لے جائیں گے۔

نورِ نسبت

تو روز قیامت جو نور انسان کے ساتھ ہوگا ہے وہ اس کے باطن کا نور ہوگا جو دنیا میں گناہوں سے بچنے اور نیک اعمال والی زندگی گزارنے سے پیدا ہوتا

ہے۔انسان کا نماز پڑھنا، تلاوت کرنا، ذکر اذکار کرنا، سچ بولنا، اخلاق حمیدہ کو
اور ہر کام میں شریعت وسنت کو اپنانا، یہ سب اعمال ایسے ہیں کہ ہر دن اس کے
میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔مثال کے طور پر ایک زیرو واٹ کا بلب بھی ہوتا ہے
پانچ اور دس واٹ کا بھی ہوتا ہے، سو، دوسو، پانچ سو اور ہزار واٹ کا بلب بھی
ہے۔پاور بڑھتی چلی جاتی ہے تو روشنی میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

یہ بات سمجھئے کہ جس نے کلمہ پڑھ لیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو کچھ روشنی عطا
دی۔اب یہ شخص نیک اعمال میں جتنا بڑھتا چلا جائے گا اسی قدر اس کے ایمان
پاور میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔اور جس قدر ایمان مضبوط ہوتا جائے گا اسی قدر
اس کے دل کا نور بڑھتا جائے گا۔حتیٰ کہ اس کے نور ایمان سے سینہ ایسا روشن ہو
کہ اندھیرا قطعی طور پر جاتا رہے گا۔اور ایمان کی یہی روشنی اس کی باطنی بصیرت
بن کر آئندہ سے اس کی حفاظت کرے گی۔اس کو شرح صدر نصیب ہو جائے گا
النور اذا دخل الصدر انفتح نور جب سینے میں داخل ہوتا ہے تو سینے کو کھول
دیتا ہے۔اب شریعت پر عمل کرنا اس کی طبیعت کا اقتضاء بن جاتا ہے۔مکروہات
شرعیہ اس کے لئے مکروہات طبعیہ بن جاتی ہیں۔حتی کہ گناہ کرنا تو کیا گناہ کرنے کا
ارادہ بھی دل میں پیدا نہیں ہوتا۔

نورنسبت ہر حال میں انسان کے ساتھ رہتا ہے

انسان کے باطن کا یہ نور ہر حال میں انسان کے ساتھ رہتا ہے، دنیا میں بھی
،قبر میں بھی، آخرت میں بھی اور پل صراط پر بھی یہ انسان کے ساتھ ساتھ ہوتا
ہے۔حق تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا

(جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کو ایسا نور دے دیا کہ وہ اس نور کو لیے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے، کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو گمراہیوں کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہو کہ اس سے نکل ہی نہیں پاتا)

جب ایمان والوں کو قیامت کے دن جہنم کے اوپر سے گزارا جائے گا تو جہنم کی آگ کہے گی اسرع یا مومن ان نورک اطفاء ناری اے مومن! جلدی چل کہ تیرے نور نے تو میری آگ کو بجھا ڈالا ہے۔

نور نسبت کو تمنا بنا کر مانگیں

حقیقت یہ ہے کہ یہ نور بہت ہی مہتم بالشان چیز ہے۔ ہمیں اس نور کی کوشش کرنا چاہیے اور اللہ سے اس نور کو مانگنا چاہیے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اے اللہ! ہمارے نور کو مکمل کر دے اور ہماری بخشش فرما دے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے)

نور نسبت کے اثرات

جب کوئی بندہ نور نسبت کی نعمت سے شرفیاب ہو جاتا ہے تو اسے اشرف المخلوقات کی خلعت پہنا کر نیابت الٰہی کی مسند پر بیٹھا دیا جاتا ہے۔ اب اس کے احوال و کیفیات عجیب اور اس کا بانکپن نرالا ہوتا ہے۔ اسے مقام تسخیر کا مژدہ جانفزا سنایا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے چہرے کو نور معرفت سے سجا دیا جاتا ہے، اس کی

صحبت میں تاثیر رکھ دی جاتی ہے، اسے فراست مومنانہ عطا کر دی جاتی ہے، کبھی اس سے کشف و کرامات کا صدور ہونے لگتا ہے اور کبھی اجابت دعا سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ الغرض کہ اسے عجیب وغریب احوال رفیعہ عطا کیے جاتے ہیں۔ کچھ احوال بطور مثال بیان کیا جاتے ہیں۔

(۱) نور نسبت کا قالب انسانی پر اثر

یہ نور نسبت جب انسان کے اندر آ جاتا ہے تو اس کے اثرات ظاہری بھی ہوتے ہیں اور باطنی بھی۔ آدمی کی فکر، سماعت، بصارت، کلام اور دیگر ظاہری اعضاء حتیٰ کہ پورے قالب انسانی پر اس کی پاکیزگی کا اثر پڑتا ہے اور وہ نور نسبت سے منور ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے نبی علیہ الصلوۃ والسلام دعا فرمایا کرتے تھے:

اللھم جعلنی فی قلبی نورا و فی بصری نورا و فی سمعی نورا و عن یمینی نورا وعن یساری نورا ومن خلفی نورا و من امامی نورا وجعل لی نورا و فی عصبی نورا و فی لحمی نورا و فی دمی نورا و فی شعری نورا و فی بشری نورا و فی لسانی نورا و اجعل فی نفسی نورا و اعظم لی نورا واجعلنی نورا و اجعل من فوقی نورا و من تحتی نورا اللھم اعطنی نورا

(اے اللہ میرے دل میں نور کر دے، میری آنکھوں میں نور کر دے اور میرے کانوں میں نور کر دے اور میرے دائیں نور کر دے اور میرے بائیں نور کر دے اور میرے پیچھے نور کر دے اور میرے پٹھوں میں نور کر دے اور میرے گوشت میں نور کر دے اور میرے خون میں نور اور میرے بالوں میں نور کر دے اور میری

کھال میں نور کردے اور میری زبان میں نور کردے اور میرے نفس میں نور کر دے اور تو مجھے بہت بڑا نور عطا کردے، اور مجھے ہی نور کردے اور میرے اوپر نور کردے اور میرے نیچے نور کردے۔ اے اللہ میرے مجھے نور عطا فرما)

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے خون میں نسبت کا اثر

اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں پر نورنسبت کا اثر اتنا گہرا ہوتا ہے کہ ان کی رگ رگ میں اللہ کا نام پیوست ہو جاتا ہے ۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں فنا ہو چکے تھے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کو مجنون سمجھ کر کسی نے پتھر مارا۔ جس کی وجہ سے خون نکل آیا۔ ایک آدمی دیکھ رہا تھا۔ اس نے جب خون نکلتا دیکھا تو کہا کہ چلو میں پٹی باندھ دیتا ہوں ۔ لہٰذا اس نے بچوں کو ڈرا دھمکا دیا اور ان کے قریب ہوا۔ وہ دیکھ کر حیران ہوا کہ جو قطرہ بھی خون کا نکلتا ہے وہ زمین پر گرتے ہی اللہ کا لفظ بن جاتا ہے۔ وہ حیران ہوا کہ اس بندے کے رگ و ریشے میں اللہ تعالیٰ کی کتنی محبت سمائی ہوگی کہ خون کا جو قطرہ بھی گرتا ہے وہ اللہ کا لفظ بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اس نے زخم پر پٹی باندھ دی۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اتنی محبت تھی کہ جب کوئی ان کے سامنے اللہ کا نام لیتا تھا تو وہ جیب میں ہاتھ ڈالتے تھے اور جیب سے مٹھائی نکال کر اس بندے کے منہ میں ڈال دیتے تھے۔ کسی نے کہا کہ آپ یہ کیا کرتے ہیں کہ لوگوں کے منہ میں مٹھائی ڈالتے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ جس منہ سے میرے محبوب کا نام نکلے میں اس منہ کو شیرینی سے نہ بھر دوں تو پھر اور کیا کروں۔

شگفتہ اور منور چہرے

نور نسبت کی ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کا احساس ہو جاتا ہے۔کوئی کتنی ہی چھپ کر عبادت کر لے، اللہ اس کی عبادت کے نور کو اس کے چہرے پر سجا دیا کرتے ہیں۔ان کے چہرے الذین اذا رء وا ذکر اللہ کے مصداق بن جاتے ہیں۔دیکھنے والے جب ان کے شگفتہ چہرے کو دیکھتے ہیں تو ان کو اللہ یاد آ جاتا ہے۔ان کے چہروں پر بہار کی سی رونقیں نظر آتی ہیں۔ان کے سینے کا نور ان کے چہرے پر عکس ڈالتا ہے۔اجنبی لوگوں کو بھی بتانے اور تعارف کرانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

❁ حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ جب ٹرین پر سفر کرتے اور کسی اسٹیشن پر ٹرین رکتی اور وہ معلوم کرنا چاہتے کہ یہ کونسا اسٹیشن ہے تو گاڑی کی کھڑکی میں سے ذرا سا جھانک کر باہر دیکھتے تو پلیٹ فارم پر جو انجان لوگ آ جا رہے ہوتے تھے وہ ان کا چہرہ دیکھ کر ان سے ملتے اور ان سے باتیں کرنا شروع کر دیتے تھے۔ناواقف لوگ ہوتے تھے مگر چہرے کو دیکھ کر ان کی مسیحائی کا اندازہ ہو جاتا تھا۔حتیٰ کہ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ کوئی کلام کیے بغیر لوگ آتے اور سلام کرنے کے بعد کہتے کہ حضرت! میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔سبحان اللہ

❁ کچھ ہندوؤں نے حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔دوسرے ہندوؤں نے انہیں کہا کہ تم کیسے نکلے اپنے آباؤ اجداد

کے راستے سے ہٹ کر مسلمان بن گئے۔ انہوں نے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے کی طرف اشارہ کیا اور کہنے لگے کہ ذرا اس شخص کے چہرے کو دیکھو، یہ چہرہ کسی جھوٹے انسان کا چہرہ نظر نہیں آتا۔

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اس عاجز سے فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ نے میرا یہ حال کر دیا ہے کہ میں جنگل میں جا کر بھی بیٹھ جاؤں تو اللہ تعالیٰ وہاں بھی منگل بنا دے۔ اور پھر پنجابی میں ایک بات کہی، فرمانے لگے "ہن تے سیڈی پٹھیاں وی سدھیاں تھی ویندیاں بن" یعنی اب تو اگر الٹا قدم بھی اٹھالوں تو اللہ تعالیٰ الٹے کو بھی سیدھا کر دیا کرتے ہیں اور واقعی ایک ایسا وقت آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اتنی قبولیت دے دیتے ہیں۔

(۲) صاحب نسبت کی صحبت میں اثر

صاحب نسبت انسان کی صحبت میں عجیب تاثیر ہوتی ہے۔ ان کے دل کا نور پاس بیٹھنے والوں کو دل کے اس طرح متاثر کرتا ہے کہ ان کی شقاوت دور ہو جاتی ہے اور سعادت ازلی سے مزین ہو جاتے ہیں۔ آخر کوئی تو بات تھی کہ نبی علیہ السلام کی صحبت میں بڑے بڑے نامی گرامی کفار آ کر کلمہ پڑھ لیتے تھے اور صحابیت کا درجہ پا جاتے تھے۔

کتب میں لکھا ہے کہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں زیادہ ہاتھ صوفیائے کرام کا رہا ہے۔ کیوں کہ ان کی نسبت کا نور لوگوں کے دلوں کو موم کر کے رکھ دیا کرتا تھا۔ ان حضرات کی صحبت کی عجب تاثیر ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ جب بنگال کے دورے پر نکلے تو ان کے ہاتھ

پر ساتھ لاکھ ہندوؤں نے کلمہ پڑھا اور ستر لاکھ مسلمان نے بیعت توبہ کی۔

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اجل خلیفہ دامت برکاتہم نے ایک واقعہ سنایا۔ فرمانے لگے کہ میرا ایک بیٹا انگریزی پڑھ کر یونیورسٹی میں پروفیسر بن گیا۔ پروفیسر بننے کے بعد اس کے خیالات دہریت کی طرف چلے گئے۔ جب یہاں تک نوبت پہنچ جائے تو پھر نماز روزہ تو دور کی بات ہوتی ہے۔ جس کو وجود باری تعالیٰ میں ہی شک پڑ جائے، ذہن میں ہی شک پڑ جائے تو پھر اعمال کرنا تو دور کی بات رہ جاتی ہے۔ گھر کے سارے بچے حافظ، قاری اور عالم اور بیٹیاں بھی حافظ، عالمہ فاضلہ۔ مگر ان کا یہ بیٹا دوسروں سے ذرا انوکھا تھا کیونکہ یونیورسٹی کے ماحول میں تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ ڈارون تھیوری کے پیچھے لگ گئے جس کی وجہ سے ان کو وجود باری تعالیٰ کے بارے میں شک پڑ گیا اور زندگی میں غفلت آ گئی۔

حضرت مولانا صاحبؒ نے ایک دن حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا، حضرت! سارا گھرانہ علما کا ہے، بچیاں بھی عالمہ فاضلہ ہیں، مگر یہ بچہ گھر میں ایسا بن گیا ہے کہ اس کا عجیب حال ہے، ہمارے دل میں ہر وقت دکھ اور غم ہے، اس کی والدہ بھی روتی ہے اور میں بھی روتا ہوں۔ مہربانی فرما کر کوئی ایسی دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو بدل دے۔ حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ وہ مجھ سے بیعت کر لے۔ اب اس کو والد صاحب نے سمجھایا کہ بیٹا! تم بیعت کر لو۔ اس نے جواب دیا کہ جب میں نے نماز ہی نہیں پڑھنی تو مجھے بیعت ہونے کا کیا فائدہ؟ مولانا صاحب نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پھر عرض کیا کہ حضرت! میرا بیٹا کہتا ہے کہ میں نے جب نہ نماز پڑھنی ہے اور نہ قرآن پڑھنا ہے تو پھر بیعت ہونے کا کیا فائدہ؟ حضرتؒ نے

فرمایا، کیا میں نے اس سے کہا ہے کہ وہ نماز پڑھے اور قرآن پڑھے۔ میں نے تو صرف یہ کہا ہے کہ بیعت کر لے۔ یہ ایک عجیب سی بات ہے جو عام بندے کو سمجھ نہیں آتی۔

اگلے دن اس کے والد نے پھر کہا، بیٹا! یہ بزرگ ہمارے ہاں تشریف لاتے ہیں، تمہاری سب بہنیں اور بھائی ان سے بیعت ہیں، میں بھی بیعت ہوں، تم بھی بیعت ہو جاؤ، اس طرح ہمارے گھر کے سب افراد بیعت ہو جائیں گے۔ اس نے کہا، ابو! میں نے کرنا تو کچھ ہے نہیں۔ باپ نے کہا، بیٹا! تم کچھ نہ کرنا، صرف بیعت ہو جاؤ۔ اس نے دل میں سوچا کہ چلو ابو راضی ہو جائیں گے اس لئے میں بیعت ہو ہی جاتا ہوں۔ اب اس نوجوان کو کیا پتہ تھا کہ کسی اللہ والے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر جو چند کلمات پڑھ لئے جاتے ہیں وہ بندے کے دل کی دنیا بدل کر رکھ دیا کرتے ہیں۔ وہ اس راز سے واقف نہیں تھا۔ چنانچہ کہنے لگا، اچھا جی میں بیعت ہو جاتا ہوں۔ اس نے اگلے دن حضرت مرشد عالمؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

بیعت ہونے کے بعد اس کے دل کی سوچ بدلنا شروع ہو گئی۔ اس نے حضرتؒ کی صحبت میں بیٹھنا شروع کر دیا، حضرتؒ سے محبت ہونا شروع ہو گئی، نمازیں بھی شروع ہو گئیں، تلاوت بھی شروع ہو گئی، زندگی کے لیل و نہار بدلنا شروع ہو گئے۔ حتیٰ کہ اس نے علم پڑھنا شروع کر دیا، تہجد گزار بن گیا، اتنا ذاکر شاغل بنا کہ اس کو چند سالوں کے بعد ہمارے حضرتؒ نے خلافت عطا فرما دی۔ وہ نوجوان جو دہریہ تھا اور خدا بیزار ذہنیت کا مالک تھا اس پر صرف بیعت کے چند کلمات پڑھنے کا اتنا اثر ہوا کہ اس کے دل میں عشقِ الٰہی کا ایسا شعلہ پیدا ہوا کہ بالآخر ہمارے حضرتؒ

نے اس کو اجازت وخلافت عطا فرمادی۔اس عاجز کی ان سے ملاقات ہوئی ہے۔ ان کی وجہ سے سینکڑوں نوجوان کفر سے توبہ کر کے اسلام کے اندر داخل ہو چکے ہیں۔

(۳) فراست مؤمنانہ

صاحب نسبت انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انعام یہ ملتا ہے کہ اسے فراست صادقہ یا فراست صحیحہ عطا کر دی جاتی ہے۔ ان کو اشیاء کی حقیقت کا ادراک بنسبت ایک عام آدمی کے زیادہ ہوتا ہے۔ وہ جس چیز کے متعلق جاننا چاہتا ہے اس کے دل میں اس کی حقیقت القا کر دی جاتی ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا کہ:

اتقو فراسة المؤمن فانه ينظر بنو رالله

مؤمن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

مالا بد منہ میں کتاب الاحسان میں درج ہے کہ

''پیغمبر ﷺ کے نور باطن کو درویشوں کے سینے میں تلاش کرنا چاہئے اور اس نور سے اپنے سینے کو روشن کرنا چاہئے تا کہ فراست صحیحہ حاصل ہو سکے اور اس کے ذریعے ہر خیر وشر کو معلوم کیا جا سکے''

اسی فراست مؤمنانہ کے متعلق کتب میں اسلاف کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔

۞ ایک مرتبہ ایک نوجوان سیدنا عثمان غنیؓ کی محفل میں حاضر ہوا اور آتے ہوئے راستہ میں کہیں بدنظری کرتا ہوا آیا۔ محفل میں جب پہنچا تو حضرت بیان فرمارہے تھے۔ انہوں نے جب نوجوان کو دیکھا تو اپنی فراست سے پہچان گئے اور فرمانے لگے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ بے محابہ ہماری محفلوں میں چلے آتے ہیں حالانکہ ان کی

ؤں سے زنا ٹپکتا ہے۔
ایک مرتبہ امام اعظم ابو حنیفہؒ وضو فرما رہے تھے۔ ایک اور آدمی ان کے قریب
وضو کر رہا تھا اور اس کے وضو کا گرا ہوا پانی امام اعظمؒ کے آگے سے گزر رہا تھا۔
پ نے پانی کو دیکھا تو فرمانے لگے کہ یہ شخص اپنے والدین کا نافرمان ہے۔
ق کی گئی تو آپ کی بات درست نکلی۔
حضرت امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا اور لوگوں سے کہا کہ یہ شخص
بڑھئی ہے اور یا درزی ہے۔ لوگوں نے کہا حضرت آپ نے بالکل درست فرمایا
یہ لکڑی کا کام کرتا تھا لیکن اب اس نے وہ چھوڑ کر کپڑے سینے کا کام شروع کر
ہے۔
حضرت ابراہیم خواصؒ نے رسالی قشیریہ میں ایک واقعہ لکھا کہ ایک مرتبہ میں
د کی جامعہ مسجد میں تھا اور میرے پاس فقراء کی ایک جماعت موجود تھی۔ ایک
وان بڑا ہنس مکھ، باوقار اور خوبصورت نہایت اچھا لباس پہنے ہوئے اور خوشبو
ئے ہوئے وہاں پہنچا۔ میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ مجھے لگتا ہے کہ یہ شخص
ی ہے۔ سب نے میری بات کا یقین نہ کیا۔ میں جب مجلس سے اٹھ گیا تو اس
ں نے لوگوں سے پوچھا کہ شیخ نے میرے متعلق کیا کہا تھا۔ اس کی ظاہری
ت سے مرعوب ہو کر لوگوں نے اس کو اصل بات نہ بتائی۔ لیکن جب اس نے
زور دے کر پوچھا کہ مجھے حقیقت بتاؤ۔ تو پھر انہوں نے بتایا کہ شیخ نے کہا تھا
شخص یہودی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ جوان میرے پاس آیا اور میرے ہاتھوں پر
ر رکھ دیا اور مسلمان ہو گیا۔
یک شخص درویشوں والا جبہ اور دلق پہنے ہوئے حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

کی مجلس میں آکر ایک طرف بیٹھ گیا جب حضرت لوگوں کو وعظ و نصیحت کر
فارغ ہوئے تو اس شخص نے حضرت سے سوال کیا کہ حضرت اتقوا فر
المؤمن کا کیا مطلب ہے اور وہ فراست کیا چیز ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا
فراست یہ ہے کہ تم اپنا زنار توڑ ڈالو۔ یہ سن کر اس نے شور مچا دیا اور کہا کہ معاذ
مجھے زنار سے کیا مطلب؟ اسی اثناء میں ایک مرید نے شیخ کا اشارہ پا کر اس
دلق کو اس کے بدن سے الگ کر دیا تو نیچے سے زنار نکلا۔ یہ واقعہ دیکھ کر وہ مسل
ہو گیا۔ اس کے بعد شیخ نے سب فقراء سے کہا کہ دوستو! جس طرح اس نے ا
ظاہری زنار کو توڑ ڈالا اور مسلمان ہو گیا آؤ ہم سب بھی اپنے باطنی زنا کو توڑ ڈا
اور اللہ کے حضور اپنے گناہوں سے سچی پکی توبہ کریں۔ اس پر لوگوں پر گریہ طا
ہوا اور سب نے اسی وقت بیعت کی تجدید کی۔ (تصوف اور نسبت صوفیہ)

❁ یہ عاجز ایک مرتبہ ایک عالم کو لے کر حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدم
میں چکوال حاضر ہوا۔ دل میں خیال آیا کہ اتنے بڑے عالم میرے حضرت
خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، اس لئے بہتر ہے کہ میں ان کے بارے
حضرت کو کچھ بتا دوں۔ چنانچہ ہم جیسے ہی حضرت سے ملے، میں نے عرض ک
حضرت! یہ ایک بڑے عالم ہیں جو آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں
حضرت فرمانے لگے "چپ کر میں اسے پہلے ہی پڑھ چکا ہوں"۔ حضرت نے
الفاظ مسجد میں کھڑے ہو کر ارشاد فرمائے۔

(۴) اجابت دعا

صاحب نسبت حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انعام یہ ملتا ہے

میں مستجاب الدعوات بنا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ایک ایسی نسبت اور ایسا تعلق قائم ہو جاتا ہے اپنی جس ضرورت کو یہ طالب اپنی ہمت اور قلب کی توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے طلب کریں تو اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

رب اغبر اشعث ذی طمرین لا یوبہ لہ لو اقسم علی اللہ لا برہ

(بہت سے لوگ غبار آلود، پراگندہ بالوں اور پھٹے پرانے کپڑوں والے جن کو کوئی خاطر میں نہ لاتا ہو اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دیا کرتے ہیں)

مولانا رومؒ نے اسی بات کو مثنوی میں یوں فرمایا ہے

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں

می دہد یزداں مراد متقیں

(تم یوں چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ بھی یونہی چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کی مراد کو پورا کر دیا کرتے ہیں)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی قسم

ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری پھوپھی نے ایک باندی کے دانت توڑ دیے۔ لوگوں نے معاملہ رفع دفع کرانے کی کوشش کی مگر اس کے قبیلے والوں نے صاف انکار کر دیا اور قصاص کا مطالبہ کیا۔ معاملہ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور آنحضرت ﷺ نے حکم شرعی یعنی قصاص کا فیصلہ فرما دیا۔ یعنی اس کے بدلے میں ان کے بھی دانت

توڑے جائیں۔ آپ کا یہ فیصلہ سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا ر
صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میری پھوپھی کے دانت ٹوٹ ہی جائیں گے، قسم ہے اس
جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اس کے دانت نہیں ٹوٹیں گے۔ ر
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انس کیسی باتیں کرتے ہو کتاب اللہ میں قصاص کا حکم
حضرت انس فرماتے ہیں کہ بعد میں ان کی قوم راضی ہوگئی اور انہوں نے
معاف کر دیا اور میری پھوپھی کے دانت بچ گئے۔ اس پر رسول اللہ صلی
فرمایا لو اقسم علی اللہ لا بره یعنی کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں ک
تعالیٰ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دیتے ہیں۔

یہاں یہ بات سمجھ لیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ بات کرنا کہ دانت نہیں
گے نبی علیہ السلام کے حکم کی مخالفت کے بناء پر نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل
سے تھا۔ اور اللہ نے ان کی بات کو پورا فرما دیا۔

حضرت بابو جی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کا مقام

حضرت بابو جی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ میر پور خاص کے بزرگ تھے۔
مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ جب ہم لوگ یونیورسٹی میں پڑھتے تھے تو
خدمت میں حاضر ہونے، ملنے اور بیٹھنے کا موقع نصیب ہوتا تھا۔ ہم نے
عجیب بات دیکھی کہ جس بندے کے لئے بھی دعا مانگتے کہ اے اللہ! اس ک
محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب فرما، اس بندے کو تین راتوں کے اندر ا
علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل ہو جاتا تھا۔ ہم نے خود کئی دفعہ اس
آزمایا ہے۔

ہمارے اس شہر کی تبلیغی جماعت کے ایک امیر تھے۔ ایک مرتبہ وہ فجر کے بعد تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ میں نے بہت وظیفے کئے اور درود شریف پڑھا، مگر دل میں یہ تمنا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہو۔ میں آپ سے پوچھنے آیا ہوں، شاید آپ نے بھی بزرگوں سے اس سلسلہ میں کوئی عمل سنا ہو۔ قدرتی بات ہے ان دنوں حضرت بابو جی عبداللہ تشریف لانے والے تھے۔ چنانچہ ایک دن یہ عاجز ان کو لے کر ان کی محفل میں پہنچ گیا۔ محفل کے اختتام پر اے فقیر نے حضرت بابو جیؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! یہ ہمارے مہربان ہیں اور ہمارے شہر کی جماعت کے امیر بھی ہیں، آپ ان کے لئے دعا فرمادیں کہ ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہو جائے۔ انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ مشکل سے آدھا منٹ لگا ہوگا اس کے بعد ہم واپس آ گئے۔

دوسرے دن فجر کی نماز کے بعد کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو یہ عاجز باہر نکلا۔ دیکھا تو وہ مولانا صاحب سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے۔ کہنے لگے مجھے آج رات اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کی زیارت عطا فرمادی ہے۔

اللہ رب العزت نے حضرت بابو جی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مقام دیا تھا۔ بس ان کے ہاتھ اٹھ جاتے تھے اور قدرت کی طرف سے فیصلے ہو جاتے تھے۔ وہ مستجاب الدعوات بزرگوں میں سے تھے۔ جب کوئی قبولیت کا خاص لمحہ ہوتا تو آپ اپنے متوسلین کو آگاہ فرما دیا کرتے تھے حتیٰ کہ آپ رمضان المبارک میں کئی مرتبہ بلا کر بتاتے کہ آج لیلۃ القدر ہے، تم جو دعا مانگنا چاہو اپنے رب سے مانگ لو۔

دس مقبول دعائیں

بڑھاپے کے دوران ایک دفعہ حضرت بابو جی عبداللہؒ کو بخار ہو گیا۔ یہ ف خدمت کے لئے حاضر تھا اللہ تعالیٰ نے پانچ دن تک صبح و شام ان کی خدم کرنے کا موقع دیا۔ پانچویں دن انہوں نے مجھے بلایا اور فرمانے لگے، ذوالفق میں نے کہا، جی حضرت!۔ فرمانے لگے، اللہ سے مانگ لو جو مانگنا چاہتے ہ انہوں نے بھی ہاتھ اٹھا دیئے اور اس عاجز نے بھی ہاتھ اٹھائے۔ فقیر کو اس بات صحیح اندازہ تھا کہ یہ وقت بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ اس لئے اس فقیر نے جلدی جلد میں دس دعائیں مانگیں۔ ان میں سے بعض تو ایسی تھیں کہ جو سمجھ میں نہیں آتی تھ کہ کیسے پوری ہوں گی۔ اس لئے کہ عاجز اپنی اوقات ہی نہیں سمجھتا تھا۔ مگر الحمد ل اللہ رب العزت نے ان دس دعاؤں میں سے نو دعاؤں کو اپنی آنکھوں کے سا دنیا میں پورا ہوتا دیکھنے کی توفیق عطا فرما دی۔ اور ایک دعا کے بارے میں دل تمنا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آخری وقت میں اس کو بھی پورا فرما دیں گے۔

نور نسبت کی برکات

نسبت ایک نور ہے۔ وہ نور جس کسی کے سینے میں داخل ہوتا ہے تو اللہ تعا اس کو سراپا برکت بنا دیتے ہیں۔ اس کے دیکھنے میں برکت، بولنے میں برکت اس کے عمل میں برکت، اس کے فیصلے میں برکت، اور وہ جہاں بیٹھتے ہیں اس جگ پر برکتیں آ جاتی ہیں۔ وہ جس شہر سے گزر جائیں وہاں ان کی برکتیں اثر اند ہو جاتی ہیں۔

مجوسی کا ہاتھ کیوں نہ جلا؟

ایک بزرگ کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں ان کو ایک آدمی ملا۔ انہوں نے پوچھا، تم کون ہو؟ کہنے لگا، میں آتش پرست (آگ کی پوجا کرنے والا) ہوں۔ دونوں نے مل کر سفر شروع کر دیا۔ راستہ میں وہ آپس میں بات چیت کرنے لگے۔ اس بزرگ نے اس کو سمجھایا کہ آپ خواہ مخواہ آگ کی پوجا کرتے ہیں، آگ تو خدا نہیں، خدا تو وہ ہے جس نے آگ کو بھی پیدا کیا ہے۔ وہ نہ مانا۔ آخر کار اس بزرگ کو بھی جلال آ گیا۔ انہوں نے فرمایا، اچھا ایسا کرتے ہیں کہ آگ جلاتے ہیں اور دونوں اپنے اپنے ہاتھ آگ میں ڈالتے ہیں۔ جو سچا ہوگا آگ کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوگا اور جو جھوٹا ہوگا آگ اس کے ہاتھ کو جلا دے گی۔ وہ بھی تیار ہو گیا۔

انہوں نے اس جنگل میں خوب آگ جلائی۔ آگ جلانے کے بعد مجوسی گھبرانے لگا۔ جب اس بزرگ نے دیکھا کہ اب پیچھے ہٹ رہا ہے تو انہوں نے اس کا بازو پکڑ لیا اور اپنے ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھام کر آگ میں ڈال دیا۔ بزرگ کے دل میں تو پکا یقین تھا کہ میں مسلمان ہوں اور اللہ تعالیٰ میری حقانیت کو ضرور ظاہر فرمائیں گے جس سے دین اسلام کی شان و شوکت بھی واضح ہو جائے گی۔ لیکن اللہ کی شان، کہ نہ اس بزرگ کا ہاتھ جلا اور نہ اس آتش پرست کا۔ وہ آتش پرست بڑا خوش ہوا اور یہ بزرگ دل ہی دل میں بڑے رنجیدہ ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہوا۔

چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ! میں سچے دین

پڑھتا، آپ نے مجھ پر تو رحمت فرمادی کہ میرے ہاتھ کو محفوظ فرمالیا، یہ آتش پرست تو چھوتا تھا، آگ اس کے ہاتھ کو جلا دیتی۔ جب انہوں نے یہ بات کہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات القا فرمائی کہ میرے پیارے! ہم اس کے ہاتھ کو کیسے جلاتے جب کہ اس کے ہاتھ کو آپ نے پکڑا ہوا تھا۔ سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ نسبت کی یوں لاج رکھ لیتے ہیں۔ مجوسی تو پکا کافر تھا مگر اس کے ہاتھ کو وقتی طور پر ایک اللہ والے کے ہاتھ کے ساتھ سنگت نصیب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھی آگ سے محفوظ فرما دیا۔

صاحب نسبت کی اشیاء میں برکت

صاحب نسبت انسان کی ذات میں تو برکت ہوتی ہی ہے۔ ان کی استعمال کردہ اشیاء میں بھی برکت آجاتی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے جبہ میں برکت

کتابوں میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر خلق قرآن کے مسئلہ کے بارے میں کچھ آزمائشیں آئیں گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب فرمادیں گے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد بھی تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شاگرد کو بھیجا کہ جاؤ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خواب سنا دو۔ چنانچہ اس شاگرد نے جا کر خواب سنا دیا کہ خلق قرآن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائشیں آئیں گی اور اللہ تعالیٰ اس آزمائش میں آپ کو کامیاب فرمادیں

گے۔اب ظاہر میں تو تکالیف پہنچنے والی بات تھی مگر اللہ والے تو یہ دیکھتے ہیں کہ اس آزمائش میں ہم کامیاب ہوں گے یا نہیں۔اس خواب میں تو بشارت بھی تھی کہ کامیاب ہوں گے۔

نبی اکرم ﷺ کی یہ سنت ہے کہ اگر کوئی خوشخبری لائے تو خوشخبری لانے والے کو کچھ ہدیہ پیش کر دیا جائے۔چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کا اپنا ایک جبہ پڑا ہوا تھا۔انہوں نے وہ جبہ اس آنے والے بندے کو ہدیہ کے طور پر پیش کر دیا۔جب شاگرد نے واپس جا کر امام شافعی کو کارگزاری سنائی تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ جبہ حاصل کرنے کی فرمائش ظاہر کی۔شاگرد نے امام شافعی کے حوالے کر دیا۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس جبے کو پانی میں ڈبو کر رکھتے اور وہ پانی بیمار آدمی کو پلا دیتے تو اللہ تعالیٰ بیمار کو شفا عطا فرما دیتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے جبہ میں اتنی برکت رکھ دی تھی کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم شخصیت اس جبہ سے برکت حاصل کرتی تھی۔

صاحب نسبت کے حسب نسب میں برکت

صاحب نسبت کی برکات ان کے نسب میں چلتی رہتی ہیں۔کتب میں لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کی آنے والی اکیس اکیس نسلوں کے ایمان کی بھی اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا

ان الذین امنوا و عملوا الصلحت و اتبعتھم ذریتھم بایمانھم الحقنابھم ذریتھم وما التنھم من عملھم من شیء

(بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے۔اور پھر ان کی

اولاد نے بھی ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی تو ہم ان کی اولادوں کو بھی ان کے ساتھ قیامت کے دن اکٹھا کر دیں گے۔ اور ان کے عملوں میں سے کچھ بھی ضائع نہ کریں گے)

اس آیت کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ جب اللہ والے اس دنیا سے چلے جائیں گے اور ان سے تعلق رکھنے والے، ظاہری اولاد ہوں یا باطنی اولاد ہوں، ان کے راستے پر چلنے کی کوشش کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جتنی ہمت دی ہوگی وہ اس راستے پر چلیں گے۔ اگرچہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے بہت نیچے کے مقام پر ہوں گے اور ان کے روحانی مشائخ بہت بلند مقام پر ہوں گے لیکن چونکہ انہوں نے اسی راستے پر قدم اٹھایا ہوگا اس لئے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی رحمت کے ساتھ ان اولادوں کو بھی ان کے بڑوں کے ساتھ ملا دیں گے۔

نسبی ولایت کی برکت

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام ایک بستی میں گئے جہاں دو ایسے بچے تھے جن کے گھر کی دیوار گری ہوئی تھی۔ فرمایا گیا و کان تحتہ کنز لھما اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا۔ اس دیوار کو دوبارہ بنانے کا حکم کس لئے دیا گیا؟ اس لئے کہ کان ابو ھما صالحا کہ ان کا باپ بڑا نیک تھا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے لفظ تو ابو کا استعمال ہوا ہے مگر اس سے مراد ان کا دادا پردادا یا اوپر کی پشت میں اللہ کا کوئی بڑا ولی گزرا تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی کئی نسلوں کے بعد بچوں کی جائیداد کی بھی حفاظت فرما دی۔

موت کے وقت نسبت کی برکتیں

قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ ایک عورت ان سے بیعت ہوئی۔ اس کے بعد اس کا حضرت سے رابطہ بھی نہ رہا۔ البتہ وہ ان کے بتائے ہوئے معمولات پر حتی المقدور عمل کرتی رہی۔ بیس سال کے بعد اس پر سکرات موت کی کیفیت طاری ہوئی تو وہ اچانک کہنے لگی، وہ دیکھو، حضرت آ رہے ہیں۔ پھر کہنے لگی، وہ دیکھو، حضرت میرے پاس آ گئے۔ پھر کہنے لگی، حضرت مجھے کچھ پڑھا رہے ہیں۔ اس نے خود ہی پوچھا، حضرت! آپ مجھے کیا پڑھا رہے ہیں؟ پھر خود ہی کہنے لگی، حضرت! کیا آپ مجھے کلمہ پڑھا رہے ہیں؟ پھر کہنے لگی، اچھا، میں پڑھتی ہوں۔ چنانچہ اس نے پڑھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

اندازہ کیجئے کہ بیس سال پہلے بیعت ہوئی تھی۔ اس دوران میں کوئی رابطہ نہ ہوا۔ مگر اس کے دل میں محبت تھی۔ ظاہر کے رابطے میں تو رکاوٹیں ہو سکتی ہیں مگر دل کے رابطے میں تو دنیا رکاوٹیں پیدا نہیں کر سکتی۔ بیس سال کے بعد موت کے وقت اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک منظر دکھا دیا، شیخ سے نسبت کی برکت ظاہر فرما دی۔ اس نے اپنے شیخ کے کسی لطیفہ کو دیکھا ہوگا یا اللہ تعالیٰ نے اپنے رجال غیب میں سے کسی بندے کو اس شکل میں کھڑا کر دیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے نسبت کی برکت سے اس عورت کے ایمان کی حفاظت فرما دی۔

دل پر انگلی لگنے کی برکت

حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس دل پر اللہ اللہ

کی انگلی لگ جاتی ہے اس دل کو ذکر کے بغیر موت نہیں آ سکتی۔ یعنی نسبت کی برکت کی وجہ سے اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان کی حفاظت

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے اللہ والے گزرے ہیں۔ آپ شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے بیعت تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بارے میں سو دلائل جمع کیے۔

جب امام رازیؒ کی وفات کا وقت قریب آیا تو شیطان آپ کو پھسلانے کے لئے آپ کے پاس آیا۔ نزع کے وقت شیطان انسان کو گمراہ کرنے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگاتا ہے تاکہ مرتے وقت وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ شیطان نے آ کر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ تم نے ساری زندگی اللہ کی عبادت میں گزار دی۔ کیا تم نے اللہ کو پہچانا بھی ہے؟ آپ نے فرمایا، "بے شک اللہ ایک ہے"۔ شیطان کہنے لگا، کوئی دلیل دو۔ آپ نے توحید باری تعالیٰ کے بارے میں ایک دلیل دی۔ شیطان نے چونکہ انسانیت کو گمراہ کرنے کی قسمیں کھائی ہوئی ہیں اس نے آپ کی بتائی ہوئی دلیل توڑ دی۔ آپ نے دوسری دلیل دی۔ اس نے وہ بھی توڑ دی۔ یہاں تک کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سو دلائل دیئے مگر اس نے سب دلائل رد کر دیئے۔ اب امام رازی رحمۃ اللہ علیہ بہت پریشان ہوئے۔

اس وقت آپ کے پیر و مرشد شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ دور دراز کسی جگہ پر وضو فرما رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی پریشانی کے بارے میں کشفاً مطلع فرما دیا۔ انہوں نے غصہ میں آ کر وہ لوٹا جس سے وضو

فرمار ہے تھے دیوار پر مارا اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کو پکار کر کہا کہ تو یہ کیوں نہیں کہہ دیتا کہ میں اللہ تعالیٰ کو بغیر دلیل کے ایک مانتا ہوں۔ اس وقت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کا غصہ سے بھرا چہرہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے بالکل سامنے تھا۔ سبحان اللہ، نسبت کی برکت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان کی حفاظت فرمائی۔

پورے قبرستان والوں کی بخشش

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو جہاں ان کو دفن کیا گیا وہاں سے خوشبو آتی رہی۔ جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو دفن کیا گیا تو خوشبو آتی تھی۔ اب لوگ حیران ہوتے ہیں کہ قبر سے خوشبو کیسے آئی۔ او خدا کے بندے! اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ اگر پھول زمین پر پڑا ہو تو مٹی کے اندر خوشبو آجاتی ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ حضرات بھی پھول کی مانند تھے۔

کافی عرصہ کے بعد حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے خلفا میں سے کسی کو خواب میں نظر آئے۔ اس نے پوچھا، حضرت! آگے کیا معاملہ بنا؟ حضرت نے فرمایا، اللہ رب العزت کے حضور میری پیشی ہوئی۔ (حضرت کثیر البکاء تھے، ان کی طبیعت غمزدہ رہتی تھی) حضرت نے خواب میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، احمد علی! تو مجھ سے اتنا کیوں ڈرتا تھا؟ یہ سن کر میں اور زیادہ ڈر گیا کہ مجھ سے پوچھا جا رہا ہے۔ جب میں اور زیادہ ڈر گیا تو مجھے فرمایا، احمد علی! تم اور ڈر گئے۔ آج تمہارے ڈرنے کا دن نہیں، بلکہ انعام پانے کا دن ہے۔ ہم نے تمہارا

اکرام کرنا ہے لہٰذا ہم نے تمہاری بھی مغفرت کی اور جس قبرستان میں تمہیں دفن کیا گیا ہم نے وہاں کے بھی تمام مُردوں کی مغفرت فرمادی۔ سبحان اللہ، نسبت بڑی عجیب چیز ہے۔

دعاؤں کا پہرہ

اللہ والوں سے تعلق رکھنے والے ہزاروں میل دور ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ مشائخ کی دعاؤں اور توجہات کے صدقے وہاں بھی ان کے ایمان اور اعمال کی حفاظت فرمادیتے ہیں۔ کئی لوگ فتنوں میں پڑنے لگتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ یوں بچا لیتے ہیں جیسے مکھن میں سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ بھٹکنے لگتے ہیں مگر کوئی تھام لیتا ہے، پھسلنے لگتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ حفاظت فرمادیتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ ہمارے بڑوں کی دعائیں ہمارے گرد پہرہ دیا کرتی ہیں۔ ان کی نسبت کی برکت سے بندے کی حفاظت ہو جاتی ہے۔ بندہ ایسی آزمائشوں سے جو بچ نکلتا ہے وہ اہل ہم میں سے کسی کی ہمتیں ہوتی ہیں۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا:

دور بیٹھا کوئی تو دعائیں دیتا ہے
میں ڈوبتا ہوں سمندر اچھال دیتا ہے

اس لیے ہمیں نورنسبت تمنا بنا کر اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہیے کیونکہ

نسبت مصطفیٰ بھی بڑی چیز ہے جس کو نسبت نہیں اس کی عزت نہیں
خود خدا نے نبی سے یہ فرما دیا جو تمہارا نہیں وہ ہمارا نہیں

رہے سلامت
تمہاری نسبت

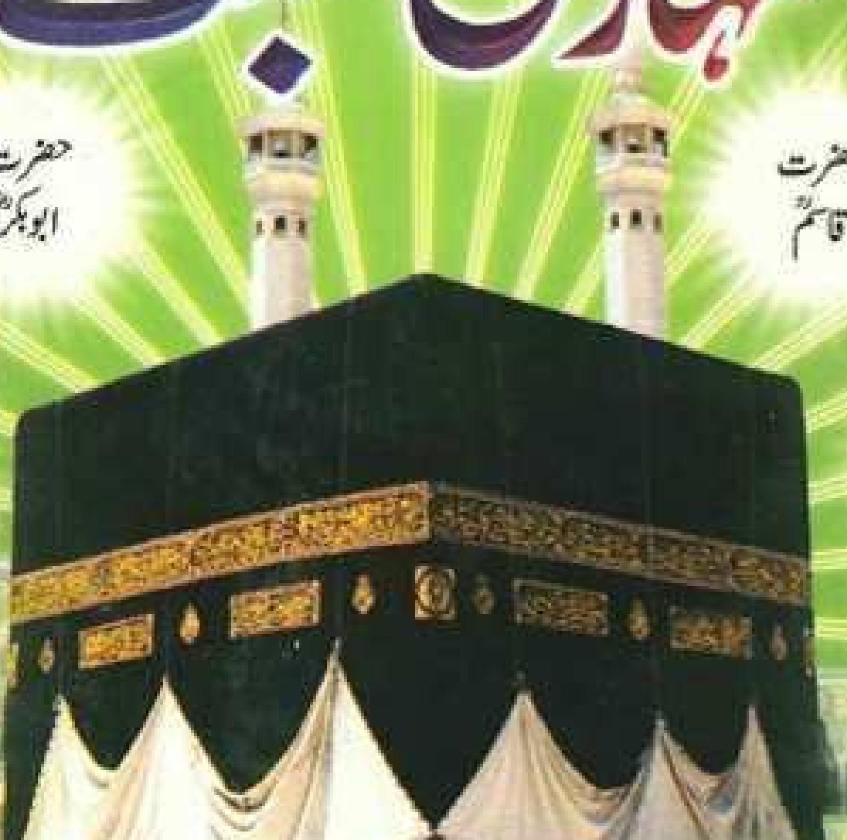

حضرت ابوبکرؓ

حضرت قاسمؒ

حضرت یعقوب چرخیؒ

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ

حضرت بایزید بسطامیؒ

حضرت فضل علی قریشیؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حضرت غلام حبیبؒ

حضرت خواجہ محمد معصومؒ

حضرت عبدالمالک صدیقیؒ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

دارالکتاب دیوبند

باب 4

نورنسبت کے اوصاف

یوں تو دنیا میں ہر آدمی کی شکل وصورت، مزاج اور طبیعت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ تاہم جس بندے میں بھی نسبت کا نور آ جاتا ہے تو اس نور کے کچھ اوصاف ایسے ہوتے ہیں جن سے وہ رنگا جاتا ہے۔ جس قدر یہ اوصاف گہرے ہوتے ہیں اسی قدر اس کی نسبت مضبوط ہوتی ہے۔ چند ایک اوصاف بیان کیے جاتے ہیں۔

نسبت اور مقام فنائیت

صاحب نسبت انسان کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے کرتے ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے بعد غفلت نہیں ہوتی۔ اس کو مقام فنائیت کہتے ہیں۔ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ایسا فنا ہوتا ہے کہ ماسویٰ اس کے دل سے کلی طور پر نکل جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد اس کی طبیعت کا ثانیہ بن جاتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کی عمر ہزار سال ہو

جائے اور وہ ہزار سال کوشش کرتا رہے کہ میں اللہ کو بھلا بیٹھوں تو وہ نہیں بھلا سکتا

بھلانا بھی چاہو بھلا نہ سکو گے

وہ ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے بارے میں فرماتے ہیں رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللہ کہ یہ میرے وہ بندے ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت بھی میری یاد سے غافل نہیں کرتی۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہ میرے وہ ہمت والے بندے ہیں اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ جو کھڑے بھی مجھے یاد کرتے ہیں، لیٹے بھی مجھے یاد کرتے ہیں، اور بیٹھے بھی مجھے یاد کرتے ہیں۔ جب انسان کو یہ کیفیت مل جائے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں بھولتا۔ ان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ یاد رہتے ہیں

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

ایک شبے کا ازالہ

ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوشش کے باوجود ایک لمحہ کی بھی غفلت نہ ہو؟ اس بات کو یوں سمجھیں کہ کان کا وصف ہے سننا اگر کوئی کوشش کرے کہ میرے کھلے کان کسی آتی آواز کو نہ سنیں تو کیا وہ ایسا کر سکتا ہے؟ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح آنکھ کا کام ہے دیکھنا کوئی یہ کوشش کرے کہ میں کھلی آنکھوں سے کچھ نہ دیکھوں تو کیا یہ ممکن ہے؟ نہیں ممکن۔ اسی طرح جب ذکر کرنا دل کا وصف بن جاتا ہے تو غفلت کا آجانا بھی ممکن نہیں رہتا۔ ہمارے مشائخ نے یہ بات ان الفاظ میں سمیٹ دی اَلْفَانِیْ لَا یُرَدُّ کہ فانی واپس نہیں لوٹتا۔

''فانی آدمی واپس نہیں لوٹتا'' کا مطلب یہ ہے کہ جیسے کوئی آدمی بالغ ہونے کے بعد دوبارہ نابالغ نہیں ہوسکتا اور پھل پکنے کے بعد دوبارہ کچا نہیں ہوسکتا اسی طرح فانی آدمی ذکر کر کے اپنی روحانیت کو اس درجے پر پہنچا دیتا ہے کہ پھر اللہ رب العزت اس کو واپس نہیں لوٹنے دیتے اور اسے اپنے پیارے بندوں میں شامل کر لیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ اصطخریؒ پر فنائیت کی حالت

عبداللہ اصطخریؒ ایک اللہ والے بزرگ تھے ذکر اذکار میں لگے رہتے تھے۔ ذکر کرتے کرتے جب ان پر فنائیت کی حالت آئی تو ذکر کی مستی ایسی سوار ہوئی کہ اب ذکر چھوڑنے سے بھی نہ چھوٹے۔ ایسی حالت میں روحانی طور پر تو مزے ہوتے ہیں کہ انسان باطنی ترقی کر رہا ہوتا ہے لیکن جسم پر بوجھ ہوتا ہے کہ جسم ان کیفیات کو برداشت نہیں کرتا۔ اب وہ بزرگ چاہتے تھے کہ کچھ دیر ذکر چھوڑ کر ذرا جسم کو آرام دوں لیکن ذکر سے اب غفلت ہوتی نہ تھی۔ آخر انہوں نے دھیان بٹانے کے لئے شکار کا پروگرام بنایا اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جنگل کو نکلے لیکن شکار میں بھی ذکر کی حالت سے چھٹکارا نہ ملا۔ تو اب وہ بہت پریشان ہو گئے اور اس پریشانی کی حالت میں ان کی زبان سے جو الفاظ نکلے وہ بڑے عجیب ہیں۔ فرمایا ''اللہ اس شخص کے سب گناہوں کو معاف کر دے جو مجھے ایک لمحہ کے لئے اللہ کے ذکر سے غافل کر دے''

تو فنائیت میں بندے کی یہی حالت ہو جاتی ہے کہ کوشش کرنے سے بھی دل میں غفلت نہیں آتی۔

نسبت اور نیت کا استحضار

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے انما الاعمال بالنیات تمام اعمال کا دار
نیتوں پر ہے۔ دوسری جگہ پر فرمایا لکل الامرء ما نوی اور انسان کو وہ کچھ
جیسی اس کی نیت ہوتی ہے۔ کسی بھی کام میں جس قدر نیت اچھی ہوتی ہے اس
وہ کام اچھا ہوتا ہے۔ بعض اوقات کام تو بہت چھوٹا سا ہوتا ہے لیکن نیت
بہت بڑا بنا دیتی ہے اور بعض اوقات کام بہت بڑا ہوتا ہے لیکن نیت اس کو چھ
دیتی ہے۔

صاحب نسبت انسان کا ایک وصف یہ ہوتا ہے کہ ہر کام میں اس کو اپنی نی
استحضار رہتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا طالب ہوتا
لہٰذا وہ ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے کام میں اپنی نیت کو دیکھتا
کہ اس کام میں میری نیت کیا ہے۔ اگر تو نیت اللہ کی رضا کے موافق ہوتی
کرتا ہے اگر نہیں ہوتی تو نہیں کرتا۔ اور اس کی یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ نیت
اچھی ہو سکے کی جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ قرب پا سکے۔ یہ اسی استح
نیت کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کا ہر کام ثواب ہی ثواب ہوتا ہے۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور استحضار نیت

ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک کافر کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ قریب تھا ک
کے سینے میں خنجر گھونپ دیتے۔ مگر اس کمینے نے آپ رضی اللہ عنہ کے چہرہ انور پر تھ
دیا۔ جب تھوک دیا تو بجائے اس کو ذبح کرنے کے آپ رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے

ران ہو کر پوچھنے لگا، علی! آپ نے مجھے مارا کیوں نہیں؟ آپ ﷺ فرمانے لگے
میں تجھے اللہ کی رضا کے لئے مارنا چاہتا تھا مگر جب تو نے میرے چہرے پر تھوکا
پھر میرا ذاتی غصہ بھی شامل ہو گیا اور میں اپنے ذاتی غصے کی وجہ سے کسی کو قتل نہیں
کر سکتا۔

حضرت سفیان ثوریؒ اور استحضار نیت

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ پہلے لوگ نیت کو اس طرح سیکھا کرتے
تھے جس طرح لوگ اب عمل سیکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ نماز کے لئے گئے تو بھول
کر لباس الٹا پہن لیا۔ ایک شخص نے آپ کے کپڑے دیکھ کر آپ کو توجہ دلائی۔
آپ نے ہاتھ بڑھایا کہ میں اس کا رخ تصحیح کر لوں لیکن پھر رک گئے اور اس کو
ویسے ہی رہنے دیا۔ بعد میں اس صاحب نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا
کہ جب میں نے کپڑے پہنے تھے تو اللہ کی رضا کی نیت کی تھی۔ اور جب
تمہارے یاد دلانے پر میں نے کپڑا بدلنا چاہا تو اپنی نیت پر غور کیا تو اب کپڑا پہننے
کی نیت غیر کو دکھانے کی تھی۔ لہٰذا میں نے اپنے پہلے عمل کو بہتر جانتے ہوئے اس
کو اسی طرح رہنے دیا۔

حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ کا استحضار نیت

حضرت طاؤسؒ ایک محدث تھے، بغیر نیت کو دیکھے حدیث بیان نہیں کرتے
تھے۔ اگر کوئی درخواست کرتا پھر بھی بیان نہ کرتے۔ اور جب ان کی اپنی نیت ہوتی
بغیر کسی کے پوچھے بیان کرنا شروع کر دیتے۔ ایک دفعہ لوگوں نے اس کی وجہ
پوچھی تو کہا کہ میں اپنی نیت کو دیکھتا ہوں جب نیت درست ہوتی ہے یعنی اللہ کی

رضا کی ہوتی ہے تو بیان کرنا شروع کر دیتا ہوں اور جب نیت حاضر نہیں ہو
فقط کسی کے کہنے پر بیان نہیں کرتے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور استحضارِ نیت

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اکابرین میں
تھے۔ ایک مرتبہ وہ کسی بچے کو غلطی پر سزا دینے لگے۔ اسے دو چار تھپڑ لگا
جب بچے کو تھپڑ لگے اور اسے درد ہوا تو رو کر کہنے لگا، حضرت! مجھے اللہ کے
معاف کر دیں۔ حضرتؒ نے فرمایا، او خدا کے بندے! میں تجھے اللہ کے
تو مار رہا ہوں۔ معلوم ہوا کہ ان کا غصہ کے وقت بھی کسی کو مارنا اللہ کی رضا
لئے ہوا کرتا تھا۔

عجیب واقعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک شخص
پت کا رہنے والا تھا اور اس پر دریائے جمنا کے اس پار شہر کرنال میں اس
مقدمہ تھا۔ جس دن مقدمے کی تاریخ تھی دریا طغیانی پر تھا۔ وہ ایک ایک ملا
خوشامد کرتا تھا کہ مجھے کسی طرح دوسرے کنارے پر پہنچا دو لیکن وہ
اسے صاف جواب دیتے کہ ہم تمہارے ساتھ اپنے کو بھی ڈبوئیں گے لہٰذا ہم
جا سکتے۔ اب یہ بڑا پریشان پھر رہا تھا۔ اس کو ایک شخص نے کہا تو ایسا کر
جھونپڑی میں چلا جا وہاں ایک مجذوب بزرگ رہتے ہیں، ان کی منت سماجت
وہ تیرے کام آ سکتے ہیں اور تو کوئی صورت نہیں۔

وہ صاحب وہاں گئے اور ان کو اپنا مسئلہ بیان کیا اور منت سماجت کی کہ

پریشانی کا کوئی حل ڈھونڈیں۔ پہلے تو وہ بزرگ حسب عادت سخت خفا ہوئے کہ میری کیا اوقات ہے میں کیا کر سکتا ہوں۔ مگر یہ جب روتا ہی رہا اور ان کی خوشامد کرتا رہا تو انہوں نے کہا کہ اچھا جاؤ اور جمنا سے جا کر کہہ دو جو شخص عمر بھر بیوی کے پاس نہیں گیا اس نے بھیجا ہے کہ مجھے راستہ دے دو۔ وہ گیا اور یہی بات کہی تو جمنا نے راستہ دے دیا اور یہ آرام سے دوسرے کنارے پر چلا گیا۔ اس کا تو کام ہو گیا۔ لیکن ان بزرگ کی بیوی جو جھونپڑی میں ان کی بات سن رہی تھی ان کے سر ہو گئی۔ کہنے لگی تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم جو زندگی بھر میرے پاس نہیں آئے تو یہ جو چھ سات بچے میرے ہو گئے ہیں یہ کسی اور سے ہوئے ہیں۔ تم تو لوگوں میں میرا منہ کالا کر رہے ہو۔ ہر چند کہ اس بزرگ نے اسے خاموش کروانے کی بڑی کوشش کی لیکن عورت کی عقل میں بات نہ آئی۔ بالآخر جب کچھ دیر گزر گئی تو پھر اس بزرگ نے کہا دیکھو! میں نے زندگی بھر تمہارے ساتھ صحبت خوب کی تم بھی جانتی ہو لیکن صحبت کرنے میں ہمیشہ نیت یہ رہی کہ اللہ نے تیرا جو حق مجھ پر رکھا ہے اس کو ادا کرتا ہوں۔ یہ تھا مطلب میری اس بات کا جو میں نے اس شخص سے کی۔

الغرض کہ صاحب نسبت حضرات کی نیت اور ارادے اللہ کی رضا میں گم رہتے ہیں اور ان کا کوئی کام بغیر نیت خیر کے نہیں ہوتا۔ اسی نیت کو درست کرنے کیلئے وہ اپنے مشائخ کی خدمت میں کئی کئی سال محنت اور مجاہدے کرتے ہیں۔ تب جا کر وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ پہلے اپنی نیت کو حاضر کرتے ہیں پھر کوئی کام کرتے ہیں۔

نسبت اور معیت الٰہی کا استحضار

صاحب نسبت حضرات کا ایک وصف یہ بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت کا استحضار نصیب ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کو اس طرح اپنے ساتھ پاتے ہیں کہ گویا وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں ھو معکم اینما کنتم تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا پاک ارشاد ہے ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانک یراک اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ کیفیت نہ ہو تو یہ خیال کرو کہ وہ تمہیں دیکھتا ہے۔ لہٰذا اللہ والے اپنے آپ کو ہر لمحہ اللہ جل شانہ کے حضور میں پاتے ہیں اور ان کی معیت کا خیال کر کے وہ ہر وقت مؤدب رہتے ہیں۔

صحابہ کرام کو تو معیت الٰہی کی یہ کیفیت نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی پہلی ملاقات میں حاصل ہو جاتی تھی لیکن بعد میں ان کے زمانے سے بعد کی وجہ سے صوفیائے کرام تصوف و سلوک کی محنت سے اس کیفیت کو حاصل کرتے ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت زکریاؒ سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ تصوف کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ

انما الاعمال بالنیات سارے تصوف کی ابتداء ہے اور ان تعبد اللہ کانک تراہ سارے تصوف کا منتہاء ہے۔ اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں، اسی کو حضوری کہتے ہیں۔ (یاد ایام)

بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ جی بیعت کیوں کی جاتی ہے؟ پیر کی کیا ضرورت

ہے؟ بھئی! اس لئے بیعت ہوتے ہیں کہ وہ مشائخ اللہ رب العزت کی معیت حاصل کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔

جس بندے کے اندر معیت الٰہی کا استحضار پیدا ہو جاتا ہے وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہتا ہے۔ اس کو حدیث پاک میں افضل الایمان کہا گیا ہے۔ حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ اَفْضَلُ الایمان اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَکَ حَیْثُ مَا کُنْتَ ۔ افضل ایمان یہ ہے کہ تو اس بات کو جان لے کہ اللہ رب العزت تیرے ساتھ ہیں تو جہاں کہیں بھی ہے۔ اس افضل ایمان کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا احفظ اللہ یحفظک ، احفظ اللہ تجد تجاھک تو اللہ کی حفاظت کر، تو اللہ کو اپنے سامنے پائے گا، گویا ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان رہے گا۔

لہٰذا جب کسی کی اللہ تعالیٰ کے ہاں نسبت قائم ہو جاتی ہے تو اس کی ایک علامت یہ ہے کہ اسے معیت الٰہی کا استحضار نصیب ہو جاتا ہے۔

ایک چرواہے کے دل میں معیت الٰہی کا استحضار

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جنگل میں پڑاؤ ڈالا۔ ایک نوجوان اپنی بکریوں کو چراتا ہوں قریب سے گزرا۔ آپؓ نے اسے کہا، آؤ بھئی! کچھ کھالو۔ وہ کہنے لگا، انا صائم کہ میں روزہ دار ہوں۔ جب اس نے یہ بات کہی تو آپ بڑے حیران ہوئے کہ جنگل کی تنہائی میں اور کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے اور یہ نوجوان روزہ رکھے ہوئے ہے۔ مزید برآں سخت گرمی میں بکریاں چرا رہا ہے

اور کوئی تعریف کرنے والا بھی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے سوچا کہ اس کو ذرا آز
چاہئے۔ آپ ﷺ نے کچھ دیر کے بعد اسے اپنے پاس بلایا اور فرمایا، بھئی! ایک
بکری تم ہمیں دے دو، ہم اس کو ذبح کر کے کھائیں گے اور تم بھی افطاری کے
وقت ہمارے ساتھ کھا لینا۔ وہ نوجوان کہنے لگا، جی یہ بکریاں میری نہیں ہیں یہ
میرے مالک کی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اتنی بکریوں میں سے ایک بکری
تیرے مالک کو کیا پتہ چلے گا؟ جب یہ فرمایا تو کہنے لگا، اگر میرے مالک کو پتہ نہیں
چلے گا تو فاین اللہ تو پھر اللہ کہاں ہے؟ اس کو تو پتہ چل جائے گا۔ آپ ﷺ
واقعہ سناتے اور فرماتے کہ اللہ رب العزت نے اس نوجوان کے دل میں کیا
ایمان رکھ دیا تھا کہ وہ جنگل میں بھی کہتا تھا فاین اللہ کہ پھر اللہ کہاں ہے؟

ایک لڑکے کے دل میں معیت الٰہی کا استحضار

ایک شخص اپنے بیٹے کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ جب وہ انگوروں کے ایک باغ
کے قریب سے گزرے تو باپ کا دل للچا پڑا اور اس نے چاہا کہ کچھ انگور کھاؤں۔
چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو ایک جگہ کھڑا کیا اور کہا، بیٹا! تم یہاں کھڑے ہو کر ادھر
ادھر جھانکنا تاکہ کوئی آنے لگے تو پتہ چل جائے۔ جب وہ انگور توڑنے کے لئے گیا
تو وہ ابھی درخت کے قریب ہی پہنچا تھا کہ بچے نے شور مچا دیا۔ کہنے لگا ابا جی! ابا
جی! احد یرانی اے ابا جان! اے ابا جان! ایک ہمیں دیکھ رہا ہے۔ جب اس
نے یہ کہا تو باپ ڈر کر پیچھے کی طرف بھاگا۔ اس نے بچے کے پاس آ کر ادھر ادھر
دیکھا تو کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ کہنے لگا، کون دیکھ رہا ہے؟ بیٹے نے کہا، ابا جان اگر
کوئی بندہ نہیں دیکھ رہا تو بندوں کا پروردگار تو دیکھ رہا ہے۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور معیت الٰہی

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ بیعت ہوئے۔ شیخ نے تیسرے دن انہیں خلافت دے دی۔ جب ان کو تیسرے دن خلافت ملی تو وہاں کے مقامی لوگ کہنے لگے، حضرت! یہ دور سے آیا ہے اور تین دنوں میں اس کو یہ نعمت مل گئی مگر ہم لوگ بھی تو مدتوں سے آپ کی خدمت میں پڑے ہیں، ہم پر بھی نظر کرم فرما دیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا، اچھا آپ کو سمجھائیں گے۔

دوسرے دن انہوں نے بہت ساری مرغیاں منگوائیں اور ان تمام لوگوں کو دیں جنہوں نے اعتراض کیا تھا اور ایک بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کو بھی دی اور سب سے فرمایا کہ اس مرغی کو ایسی جگہ پر ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو۔ چنانچہ کوئی درخت کی اوٹ میں ذبح کر کے لایا، کوئی کمرے میں ذبح کر کے لایا اور کوئی دیوار کے پیچھے ذبح کر کے لایا۔ سب نے مرغیاں ذبح کر کے لا دیں اور حضرت کو دکھائیں۔ مگر بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ تھوڑی دیر کے بعد آئے اور رونا شروع کر دیا۔ حضرت نے پوچھا، بھئی! تم کیوں رو رہے ہو؟ کہنے لگے، حضرت،! آپ نے فرمایا تھا کہ کسی ایسی جگہ پر ذبح کرنا جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو مگر میں جہاں بھی گیا، وہاں میرا پروردگار مجھے دیکھ رہا تھا جس کی وجہ سے میں ذبح نہ کر سکا اور یوں آپ کے حکم پر عمل نہیں ہو سکا۔

اس وقت حضرت نے اپنے دوسرے مریدین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، دیکھو! میں نے اس کی اس کیفیت کی وجہ سے اسے یہ نعمت جلدی دے دی ہے

خبردار! اللہ دیکھ رہا ہے

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى۔ کیا یہ (کافر مشرک گنہگار) نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ ان الفاظ کو پڑھ کر حیران ہوتے ہیں۔ اب بتائیے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کی نگاہوں کے سامنے گناہ کریں گے تو پھر کل قیامت کے دن ہمیں کتنی شرمندگی اور ذلت ہوگی۔ اس لئے آج موقع ہے کہ ہم اللہ رب العزت سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور اپنے اندر "معیت" کی یہ کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

نسبت اور حفاظت خداوندی

صاحب نسبت انسان اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے۔ انبیائے کرام معصوم ہوتے ہیں اور اولیائے کرام محفوظ ہوتے ہیں۔ یہ نسبت کی برکت ہوتی ہے کہ اللہ والے اپنے علم اور ارادے سے گناہ نہیں کیا کرتے۔ اور اگر لاعلمی میں غیر ارادی طور پر کوئی بھول چوک ہو جائے تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، توبہ واستغفار کرتے ہیں، ان کی نسبت کا نور ان کی لغزشوں کے اثر کو بہا لے جاتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اولیائے کرام محفوظ ہوتے ہیں۔

اللہ رب العزت اپنے اولیاء کو گناہوں کی ذلت سے نکال لیتے ہیں۔ جیسے باپ اگر اپنے بیٹے کو غلط قسم کے لوگوں میں کھڑا دیکھے تو اس کا ذرا بھی جی نہیں چاہتا کہ وہ ان لوگوں میں رہے بلکہ اس کی یہ کوشش ہوگی کہ وہ اسے فوراً اس ماحول سے نکالے۔ بالکل اسی طرح اللہ رب العزت بھی ایسے بندے کو نفس اور شیطان کے

غلبے سے نکال کر اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں کیونکہ اس نے ذکر و عبادت کے ذریعے اپنے پروردگار کو راضی کر لیا ہوتا ہے۔

کبیرہ گناہ سے پاک شخصیت

جب دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد رکھا جانے لگا تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان فرمایا کہ آج میں اس دارالعلوم کا سنگ بنیاد ایک ایسی شخصیت سے رکھواؤں گا جس نے کبیرہ گناہ تو کیا کرنا کبھی کبیرہ گناہ کرنے کا دل میں ارادہ ہی نہیں کیا۔ انہوں نے اس کا افتتاح

حضرت مولانا اصغر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں شاہ حسین احمد سے کروایا جو کہ ''منے شاہ'' کے نام سے مشہور تھے۔ دیکھنے میں ان کا قد چھوٹا تھا لیکن اللہ رب العزت کے ہاں ان کا قد بہت بڑا تھا۔ ان کی زندگی اقتصادی لحاظ سے بہت معمولی سی تھی۔ وہ گھاس کاٹ کر بیچتے تھے اور روزانہ تھوڑے تھوڑے پیسے بچاتے رہتے۔ حتیٰ کہ پورے سال میں اتنے پیسے بچ جاتے کہ وہ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کی دعوت کرتے تھے۔ اساتذہ فرماتے تھے کہ ہم سارا سال ان کی دعوت کے منتظر رہتے کیونکہ ہم جس دن ان کے گھر سے کھانا کھا لیتے اس کے بعد چالیس دن تک ہماری نماز کی حضوری کے اندر اضافہ ہو جاتا تھا۔ سبحان اللہ، اتنا حلال اور پاکیزہ مال تھا۔

فرشتوں کو گناہ لکھنے کا موقع نہیں ملتا

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ اس امت میں ایسے ایسے پرہیزگار اولیاء گزرے ہیں کہ بیس بیس سال تک

گناہ لکھنے والے فرشتوں کو ان کا گناہ لکھنے کا موقع نصیب نہیں ہوا۔ سبحان اللہ
نور بھرے سینے کی برکات ہیں۔

فاحشہ عورت پر نسبت کا اثر

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک بڑا متکبر آدمی تھا۔ اس کے پاس بہت زیادہ مال و دولت بھی تھا اور خوبصورت باندیاں بھی تھیں۔ اسے اپنے شباب اور شراب کے کاموں سے فرصت ہی نہیں ملا کرتی تھی۔ کسی نے اس کے سامنے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی نیکی کا تذکرہ کر دیا۔ وہ کہنے لگا، اچھا، میں ان کی آزمائش کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اپنی باندیوں میں سے جو سب سے زیادہ خوبصورت اور رشک قمر باندی تھی اسے بلایا اور کہا کہ بن سنور کر ان کے پاس جانا اور ان سے ایک مسئلہ پوچھتے ہوئے یکدم اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دینا۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ تمہاری خوبصورتی کو دیکھ کر بھی گناہ سے بچتا ہے یا نہیں بچتا۔

باندی بن سنور کر جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچی۔ وہ ان کے سامنے بیٹھ کر مسئلہ پوچھنے لگی، مسئلہ پوچھتے پوچھتے اس نے یکدم اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا اور خوبصورت چہرے اور سراپا کے ساتھ ان کے سامنے مسکرا دی۔ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر اچانک اس پر پڑ گئی اور آپ کی زبان سے فوراً "اللہ" کا لفظ نکلا۔ یہ اللہ کا لفظ ایسی تاثیر رکھتا تھا کہ اس باندی کے دل کے اندر پیوست ہو گیا۔ اب اس نے شرم کی وجہ سے چہرے پر دوبارہ نقاب لے لیا۔
جب واپس گئی تو اس کے دل کی دنیا بدل چکی تھی۔ وہ مالک سے جا کر کہنے

گی، اب آپ کے ساتھ میرا گزارا نہیں ہوسکتا۔ میں نے اللہ کا لفظ سنا ہے۔ اس لفظ کی وجہ سے میرے دل میں اللہ کی محبت ایسے آئی ہے کہ اب میں اسی کی عبادت میں زندگی گزاردوں گی۔ چنانچہ وہ دن کو روزہ رکھتی اور رات کو عبادت کرتی اور وہ متکبر آدمی اپنے دوستوں میں بیٹھ کر کہتا تھا کہ میں نے جنید بغدادی کا کیا بگاڑا تھا کہ اس نے میری خوبصورت باندی کو کچھ کر دیا ہے: اب وہ میرے کام کی نہیں رہی۔

اللہ تعالیٰ صاحب نسبت حضرات کی فتنوں اور آزمائشوں کے وقت گناہوں سے حفاظت فرمادیتے ہیں۔

مکروہات شرعیہ کا مکروہات طبعیہ بننا

نسبت کی برکت سے انسان کا شریعت پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ احکامات شریعت اس پر بوجھ نہیں بنتے بلکہ اس کے نفس کا تقاضہ بن جاتے ہیں، یعنی اس کو شریعت پر عمل کیے بغیر چین ہی نہیں آتا۔ حضور اکرم ﷺ کا پاک ارشاد ہے:

لا یومن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ

(تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی تمام خواہشات طبعاً اس دین کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لایا ہوں)

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"ذکر کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان کی رگ رگ اور ریشے ریشے سے

گناہوں کا کھوٹ نکل جائے"

بعض مشائخ نے اسی کو "دل کا جاری ہونا" کہا ہے۔ بعض سالک سمجھ لیتے ہیں کہ دل کا جاری ہونا دل کی کوئی ظاہر اُدھڑ کن ہوتی ہے۔ جی ہاں، دل کی اللہ اللہ بھی محسوس ہوتی ہے مگر فقط اللہ اللہ کی کیفیت مطلوب نہیں جب تک کہ اعضاء اس کا ثبوت نہیں دیتے۔ اگر کوئی سالک کہے کہ مجھے اللہ اللہ کی کیفیت تو حاصل ہے مگر وہ اپنے جسم سے شریعت وسنت کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کی اس اللہ اللہ والی کیفیت کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ تصوف کی ابتدا یہ ہے کہ انسان کو اپنے دل سے اللہ اللہ کا ادراک محسوس ہو اور اس کی انتہا یہ ہے کہ اس کے جسم پر اللہ رب العزت کے احکام جاری ہو جائیں۔ گویا اس کا جسم اس کے دل کے قابو میں آ جائے۔ پھر یہ کہا جائے گا کہ اس بندے کا قلب جاری ہو گیا یعنی اس بندے کے قلب کا حکم جسم کے اعضا پر جاری ہو گیا ہے۔

لہٰذا صاحب نسبت انسان جن چیزوں کا شریعت نے حکم کیا ان پر عمل کرنے کی دل سے کوشش کرتا ہے اور جن سے منع کیا وہ ان سے مارے باندھے نہیں بلکہ طبعاً نفرت کرتا ہے مکروہات شرعیہ اس کے لئے مکروہات طبعیہ بن جاتی ہیں۔

عام آدمی اور صاحب نسبت کی عبادت میں فرق

جب کوئی شخص بیمار ہو جائے اور اس کی بھوک اڑ جائے تو ڈاکٹر پھر بھی اسے اچھی غذا کھانے کی تلقین کرتا ہے تا کہ قوت قائم رہے۔ وہ مریض ڈاکٹر کے کہنے پر غذا تو کھاتا ہے لیکن جبراً اور بادل نخواستہ کھاتا ہے۔ اس کے برعکس وہ شخص جو صحت مند ہے اور اس کی بھوک کی اشتہاء قائم ہے وہ بھی غذا کھائے گا لیکن رغبت

کے ساتھ اور غذا سے لطف بھی اٹھائے گا۔ اسی طرح عام آدمی کی عبادت اور صاحب نسبت ولی کی عبادت میں فرق ہے۔ عام آدمی تو عبادت کرتا ہے نفس کو مجبور کرکے اور مارے باندھے ہوئے جب کہ صاحب نسبت عبادت کرتا ہے دل کے تقاضہ کے ساتھ اور اسے عبادت میں مزا بھی آتا ہے۔ اسی صحت کاملہ کی حالت کو نسبت کہتے ہیں۔

مدح وذم برابر ہو جاتی ہے

مسلسل محنت اور مجاہدے سے صاحب نسبت حضرات کے نفس کی اصلاح ہو چکی ہوتی ہے اور ان میں سے انانیت ختم ہو جاتی ہے۔ ان میں اس حد تک عاجزی آجاتی ہے کہ مدح وذم ان کے لئے برابر ہو جاتی ہے۔ کوئی ان کی تعریف کردے تو اس پر خوشی سے پھول نہیں جاتے بلکہ سمجھتے ہیں کہ یہ میرے اللہ کی شان ہے کہ اس نے میرے عیبوں کو لوگوں سے چھپالیا ہے۔ میں تو اس قابل نہیں ہوں۔ اور اگر کوئی مذمت کرے تو اس پر بھی انہیں رنج نہیں ہوتا۔ سمجھتے ہیں کہ میں ہوں ہی اسی قابل۔ پھر ان کا ہر کام اللہ کی رضا کیلئے ہوتا ہے۔ کسی بھی کام میں نہ انہیں لوگوں کی واہ واہ مطلوب ہوتی ہے اور نہ لوگوں کی ملامت کی پرواہ ہوتی ہے۔ گویا کہ وہ اخلاص کے انتہائی درجہ پر فائض ہو جاتے ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ پر نسبت کے اثرات

ہمارے اکابر علماء دیوبند میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو فقہ میں ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ فقیہ امت تھے، جب تعلیم سے فارغ ہوئے تو دل میں خیال

آیا کہ تھانہ بھون جائیں اور حضرت حاجی امداد اللہؒ کے پاس ایک دن رہ کر آئیں
جیسے طلبہ جاتے ہیں دعائیں کروانے کیلئے، ملنے کیلئے، زیارت کیلئے، اب جب
گئے حضرت حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی تو ملاقات کے واپسی کی بعد اجازت
مانگی واپسی کی، حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ میاں رشید احمد آپ کچھ دن
ہمارے پاس بھی رہ جایئے، انہوں نے تھوڑے سے تامل کے بعد عرض کیا کہ
بہت اچھا۔

حاجی صاحب نے خادم سے فرمایا کہ بھائی میاں رشید احمد کی چارپائی ہماری
چارپائی کے قریب ڈال دینا بس اسی میں کام ہو جانا تھا۔ سو گئے، فرماتے ہیں کہ
جب تہجد کا وقت ہوا تو میری آنکھ کھلی میں نے دیکھا کہ کوئی نفلیں پڑھ رہا ہے، کوئی
ذکر واذکار کر رہا ہے، کوئی دعائیں مانگتے ہوئے رو رہا ہے، کوئی سجدے میں رو رہا
ہے، عجیب کیفیت تھی خانقاہ میں کی۔ فرماتے ہیں کہ میرا نفس تو چاہتا تھا کہ
لیٹا رہوں سویا رہوں مگر دل نے کہا رشید احمد ورثۃ الانبیاء میں شمولیت کی تمنا تو
تمہیں بھی ہے اور انبیاء کرام کا خلق تو یہ تھا کہ كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا
يَهْجَعُونَ ، وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ "وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے
اور آخری شب میں استغفار کیا کرتے تھے" کہنے لگے مجھے آیتیں یاد آنی شروع
ہو گئیں، احادیث یاد آنی شروع ہو گئیں حتیٰ کہ بستر نے مجھے اچھال دیا، میں اٹھ
بیٹھا میں نے بھی وضو کیا اور کچھ نفلیں پڑھیں اور اس کے بعد جیسے اور لوگ ذکر کر
رہے تھے میں نے بھی ذکر شروع کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز پڑھ کر حاجی
صاحب کے پاس آیا تاکہ رخصت ہونے کی اجازت مانگ لوں، حضرت حاجی
صاحب نے پوچھا میاں رشید احمد اگر ذکر کرنا ہی ہے تو پھر سیکھ کر کیوں نہیں
کرتے۔ میں نے کہا حضرت سکھا دیجئے! اسی وقت بیعت ہو گئے۔

بیعت ہونے کے بعد میری حالت بدل گئی، میں نے فیصلہ کیا کہ اب چالیس دن یہیں گزاروں گا، حضرت نے بھی رکھ لیا۔ اب ذکر شروع ہو گیا، اذکار بتانے لگ گئے، ایک مہینہ محنت رہی، اپنی چراغ بتی تو پہلے ہی ٹھیک کر آئے تھے، حاجی صاحب نے تو فقط اس کو سلگانا تھا، آگ لگانی تھی، بھڑکانا تھا، ایک مہینہ کے اندر الحمدللہ ان کا کام بن گیا۔ حاجی صاحب نے جب دیکھا کہ اب ان پر ذکر کے اثرات کافی گہرے نظر آتے ہیں تو حاجی صاحب نے امتحان لیا۔ یہ اللہ والے بھی امتحان لیتے ہیں یہ بھی جانچ پڑتال کرتے ہیں، آزماتے ہیں کہ بندے پر ذکر کا اثر ہوا بھی کہ نہیں

ایک مرتبہ حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادیؒ تشریف لائے اور حاجی صاحبؒ کے ساتھ انہوں نے کسی دعوت میں شریک ہونا تھا۔ حاجی صاحبؒ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو بھی ساتھ لے لیا، اب اس گھر میں پہنچے تو دستر خوان پر تکلف کھانوں سے سجا ہوا تھا حاجی صاحبؒ نے بیٹھتے ہی تھوڑی سی دال اور دو روٹی حضرت گنگوہی کے ہاتھ میں دے دی اور کہا میاں رشید احمد وہاں بیٹھ کر کھا لو۔ حاجی صاحب خود تو کھا رہے ہیں مرغے، چرغے اور ان کو دی دال روٹی۔ آج کا مرید ہوتا تو بیعت ہی توڑ دیتا، کہتا پیر صاحب میں عدالت نہیں ہے۔ لیکن وہ تو سمجھتے تھے کہ اللہ والے بڑے دانا ہوتے ہیں حکیم ہوتے ہیں ان کے ہر فعل میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ حضرت گنگوہیؒ دستر خوان کے کونے پر بیٹھ کر کھانے لگ گئے۔ حاجی صاحب کچھ دیر تو بیٹھے کھاتے رہے پھر کچھ دیر کے بعد ایسے فرمانے لگے جیسے کوئی غصے میں بات کرتا ہے۔ فرمایا، میاں رشید احمد! عرض کیا، جی حضرت۔ فرمایا، دل تو چاہتا تھا تجھے اور بھی دور بٹھاؤں یہ تم پر احسان کیا کہ دستر

خوان کے کونے پر بٹھالیا۔ ایک تو دی دال اور اوپر سے احسان کہ دستر خوان کے
کونے پر بٹھالیا۔ یہ الفاظ جب کئی لوگوں کے سامنے کہے جائیں اور وہ بھی کسی
بڑے عالم سے تو نفس زیادہ بھڑکتا ہے۔ اس کے بعد حاجی صاحب نے آپ کے
چہرے کو دیکھا کہ نفس بھڑکتا ہے یا نہیں مگر وہاں تو نفس مٹ چکا تھا، پامال ہو چکا
تھا۔ انہوں نے جب یہ سنا تو چہرے پر بشاشت آ گئی اور کہنے لگے کہ حضرت
آپ نے سچ فرمایا میں تو آپ کے جوتوں میں بیٹھنے کے بھی قابل نہیں تھا، یہ
آپ کا احسان ہے کہ آپ نے دستر خوان کے کونے پر بٹھالیا۔ حاجی صاحب نے
جب دیکھا کہ نفس بھڑکنے کی بجائے چہرے پر بشاشت ہے تو فرمایا الحمدللہ اب
ذکر کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ دعوت کے بعد واپس آ کر حاجی
صاحب نے اجازت و خلافت عطا فرما دی۔ اب جو اجازت دی تو حضرت گنگوہی
رحمۃ اللہ علیہ بڑے حیران۔ کہنے لگے کہ حضرت! مجھے تو اپنے اندر کچھ نظر نہیں آتا۔
حاجی صاحب نے فرمایا، رشید احمد! تمہیں یہ اجازت (نسبت) اسی لئے دی گئی کہ
تمہیں اپنے اندر کچھ نظر نہیں آتا۔ اگر نظر آتا تو یہ کبھی نہ دی جاتی۔ خیر اس کے بعد
فارغ ہوئے اور اپنے گھر آ گئے۔

ایک دو سال پھر گنگوہ میں رہ کر کام کیا تو ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب
رحمۃ اللہ علیہ قدرتاً گنگوہ تشریف لے آئے۔ جب ملاقات ہوئی تو حضرت حاجی
صاحب نے ایک عجیب بات پوچھی جو یاد رکھنے کے قابل ہے اور سونے کی سیاہی
سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ میاں رشید احمد
یہ بتاؤ کہ بیعت ہونے سے پہلے اور بیعت ہونے کے بعد تمہیں اپنے اندر کیا
تبدیلی محسوس ہوئی؟ اصولی سوال تھا۔ جب یہ سوال پوچھا تو حضرت گنگوہی رحمۃ

اللہ علیہ تھوڑی دیر سوچتے رہے۔ پھر فرمانے لگے کہ حضرت! مجھے اپنے اندر تین تبدیلیاں نظر آئیں۔

پہلی تبدیلی تو یہ کہ بیعت ہونے سے پہلے مجھے کئی دفعہ مطالعہ کے دوران اشکال پیش آتے تھے ان کے لئے حاشیہ دیکھنا پڑتا تھا، شروحات دیکھنی پڑتی تھیں، اور کافی ساری محنت کرنی پڑتی تب وہ اشکال دور ہوتے تھے۔ اب جب سے بیعت ہوا ہوں اشکال پیش ہی نہیں آتے، خود بخود رفع ہو جاتے ہیں۔ ذہن میں اللہ تعالیٰ ان کے جوابات ڈال دیتے ہیں۔ تو ایک تبدیلی تو یہ پیش آئی۔

دوسری تبدیلی یہ آئی کہ اب جو بھی شریعت کے احکام ہیں ان پر عمل کرنے کے لئے مجھے نفس کو تیار نہیں کرنا پڑتا، بے ساختگی کے ساتھ میں احکام شریعت پر عمل کرتا رہتا ہوں۔

تیسری تبدیلی یہ پیش آئی کہ دین کے معاملہ میں حق بات کہہ دیتا ہوں۔ اب میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتا۔ جب حضرت حاجی صاحب نے سنا تو فرمایا، الحمد للہ میاں رشید احمد! دین کے تین درجے ہیں۔

دین کا پہلا درجہ علم ہے۔ اور اس علم کا کمال یہ ہے کہ آدمی کو نصوص شرعیہ میں کہیں تعارض نظر نہ آئے۔ اگر یہ کیفیت ہے تو پھر علم کامل ہے۔

دوسرا درجہ عمل ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ مکروہات شرعیہ مکروہات طبعیہ بن جائیں۔ جن چیزوں سے شریعت نے کراہت کی طبیعت بھی ان سے کراہت کرے یہ عمل کا کمال ہے۔

تیسرا درجہ ہے اخلاص ہے کہ انسان خالصتاً لوجہ اللہ عمل کرے حتیٰ کہ ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ رہے، لوگوں کی مدح و ذم انسان کی نظر میں

برابر ہو جائے یہ اخلاص کا کمال ہے۔ مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم میں
کمال عطا فرما دیا، عمل میں بھی عطا کر دیا اور اخلاص میں بھی عطا فرما دیا۔

رہے سلامت تمہاری نسبت

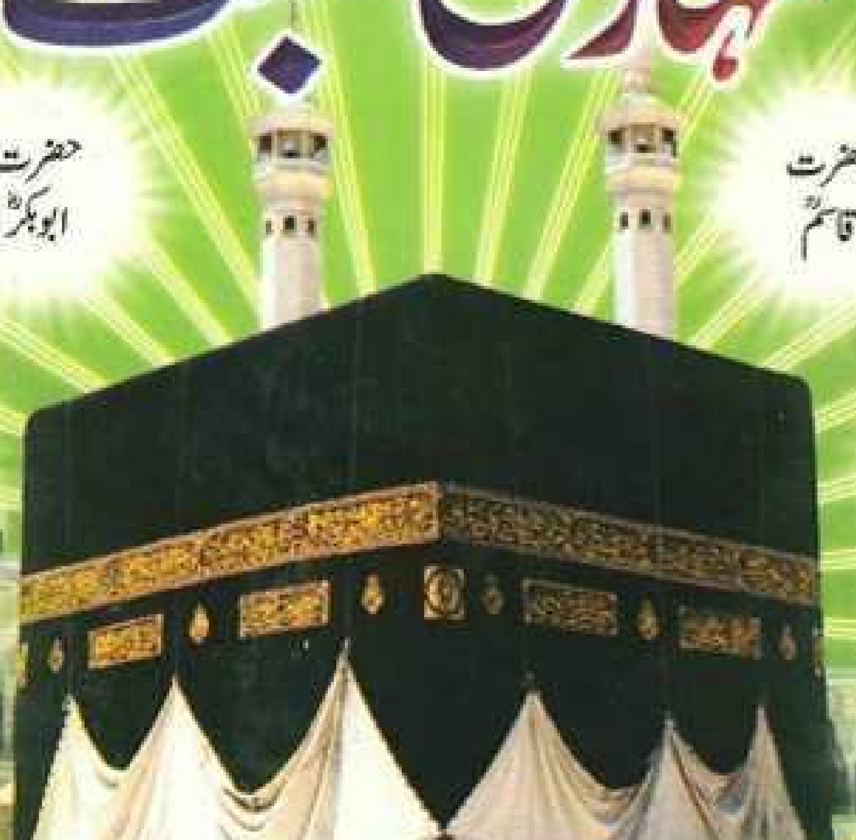

حضرت ابوبکرؓ

حضرت قاسمؒ

حضرت یعقوب چرخیؒ

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ

حضرت بایزید بسطامیؒ

حضرت فضل علی قریشیؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حضرت غلام حبیبؒ

حضرت خواجہ محمد معصومؒ

حضرت عبدالمالک صدیقیؒ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

دارالکتاب دیوبند

باب 5

نسبت کی اقسام

شاہ عبدالعزیزؒ تفسیر عزیزی میں نسبت کی چار قسمیں بیان فرماتے ہیں۔

(۱) نسبت انعکاسی (۲) نسب القائی

(۳) نسبت اصلاحی (۴) نسبت اتحادی

۱ نسبت انعکاسی

پہلی نسبت نسبت انعکاسی کہلاتی ہے۔ یہ سب سے کمزور نسبت ہوتی ہے۔ جب سالک پابندی سے ذکرو شغل کرتا ہے تو زنگ اترنے کی وجہ سے دل میں ایسی صفائی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ایک آئینے کی طرح ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص جب اپنے شیخ کے پاس جاتا ہے تو شیخ کے قلبی انوار و تجلیات کا عکس اس کو اپنے دل پر محسوس ہوتا ہے۔ ان تجلیات کا اثر اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ شیخ کے پاس رہے۔ جب شیخ کی مجلس یا ماحول سے سالک دور ہو جاتا ہے تو یہ اثر بھی جاتا رہتا ہے۔ جب سالک اپنے شیخ کی صحبت میں ہوتا ہے تو شیخ کے قلب کی کیفیات اس

کے دل میں منعکس ہو رہی ہوتی ہیں اور آدمی کو دنیا کی محبت کم معلوم ہوتی ہے،
تعالیٰ کی محبت غالب معلوم ہوتی ہے۔ گناہوں کے خیالات کم ہو جاتے ہیں، نیکی
جذبہ بڑھ جاتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ انعکاسی چیز ہوتی ہے۔ جب شیخ سے ذرا دور
ہو گئے تو رفتہ رفتہ یہ کیفیت ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ اسی لئے بعض سالکین کہتے ہیں
حضرت جب ہم سالانہ اجتماع میں آتے ہیں یا آپ سے خانقاہ میں ملنے آتے
ہیں تو بڑی عجیب کیفیات ہوتی ہیں لیکن واپس گھر جا کر وہ کیفیات نہیں رہتیں
اس کی بنیاد بھی یہی ہے کہ شیخ کی موجودگی میں وہ نسبت منعکس ہو رہی ہوتی ہے
جس کی وجہ سے انسان کے دل پر اس کے اثرات محسوس ہوتے ہیں۔

اس نسبت کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص آگ کے پاس بیٹھے تو اس کو گرمی
محسوس ہوتی ہے لیکن جب آگ کے قریب سے اٹھ کر چلا جائے تو پھر اس کی گرمی
آہستہ آہستہ زائل ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ وہ گرمی اپنی نہیں ہوتی بلکہ وہ عارضی
ہوتی ہے جو دور ہو جاتی ہے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے عطر لگایا ہوا ہو تو جو آدمی اس کے پاس بیٹھ جائے
وہ جب تک بیٹھا رہے گا اس کو عطر کی خوشبو ملتی رہے گی اور جب دور چلا جائے گا
وہ خوشبو بھی آنا بند ہو جائے گی۔ یہ نسبت انعکاسی کہلاتی ہے۔

نسبتِ انعکاسی ایک عارضی نسبت ہوتی ہے جو آئینے کی شبیہ کی طرح اس
وقت تک رہتی ہے جب تک وہ چیز سامنے رہے۔ ضرورت اس بات کی ہوتی ہے
کہ اس کو کیمرے کی فلم کی طرح کیمکل وغیرہ لگا کر فوٹو کی طرح پختہ کر لیا جائے
کہ وہ ہمیشہ قائم رہے۔

۲ نسبت القائی

دوسری قسم کی نسبت کو نسبت القائی کہتے ہیں۔ یہ ایسی نسبت ہے کہ جس کے حصول کیلئے سالک شیخ کی صحبت میں اتنا وقت گزارتا ہے کہ اس نسبت کی کچھ برکات سالک کے دل کے اندر جم جاتی ہیں اور اس کے دل کا حصہ بن جاتی ہیں۔ یہ نسبت پہلی نسبت سے زیادہ قوی ہے۔ اس نسبت کا حامل شیخ کی مجلس سے دور بھی چلا جائے تو اس کی نسبت قائم رہتی ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کہیں آگ جل رہی ہو اور ایک آدمی اس سے اپنا چراغ جلالے تو اب چراغ جلانے والے کے اپنے پاس بھی آگ آ گئی۔ اب یہ چاہے تو اس سے اندھیرے میں روشنی کا کام لے سکتا ہے لیکن یہ نسبت بھی کمزور ہے۔ کیونکہ اس شخص کو چراغ کی بتی اور تیل کا بھی خیال رکھنا پڑے گا اور چراغ کو ہوا کے جھونکوں سے بھی بچانا پڑے گا۔ ورنہ بتی کسی وقت بھی گل ہو سکتی ہے۔ اس لئے یہ نسبت بھی کمزور ہے۔

۳ نسبت اصلاحی

تیسری قسم کی نسبت کو نسبت اصلاحی کہتے ہیں۔ یہ وہ نسبت ہے جو سالک کو اپنے شیخ کی صحبت میں بہت عرصہ رہنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ سالک اس نسبت کے حصول کیلئے اپنے آپ کو شیخ کے سامنے اس طرح پیش کر دیتا ہے کَمَا لْمَيِّتِ بَيْنَ يَدَيِ الْغَسَّالِ جیسے کوئی میت غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ شیخ اس پر جس طرح چاہے روک ٹوک کرے، زجر و توبیخ کرے، اس کے

اوپر سختی کرے، مجاہدہ کروائے۔ یہ کرتا چلا جاتا ہے، ریاضت کی بھٹی میں پکتا ہے جاتا ہے حتی کہ کندن بن جاتا ہے۔ اس کے بعد جو نسبت اس کو حاصل ہوتی ہے اسے نسبت اصلاحی کہتے ہیں۔

اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے کوئی دریا سے ایک نہر نکال کر اپنے باغ میں لے آئے۔ اب اس کو پانی مل گیا۔ یہ جاری پانی کہلاتا ہے۔ اگر اس کے اندر چھوٹی موٹی کوئی نجاست بھی ہے تو یہ جاری پانی اس کی نجاست کو دھو ڈالے گا اور اگر کوئی تنکا ہو تو یہ اس تنکے کو بھی بہا لے جائے گا۔ ہاں کوئی بڑی چٹان اس نہر میں آپڑے تو وہ پانی کے بہاؤ کو روک دے گی۔

یہ نسبت اللہ رب العزت کے ہاں مقبول ہوتی ہے۔ اس نسبت کے حامل حضرات کی گناہوں سے حفاظت ہو جاتی ہے اس نسبت کی برکت سے ایسے حضرات صغائر پر اصرار نہیں کرتے اس لئے کہ صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنے سے وہ گناہ کبیرہ بن جایا کرتے ہیں۔ اور کبیرہ گناہ مثل چٹان کے ہوتے ہیں جو نسبت کے نور کو منقطع کر سکتے ہیں۔ اگر ان سے سہواً کہیں کوئی لغزش ہو بھی جائے تو نسبت کا نور اس کے اثر کو بہا لے جاتا ہے اور توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔

ہمارے اکابرین میں بے شمار ایسی مثالیں ہیں کہ انہوں نے اپنے مشائخ کی خدمت میں کافی عرصہ رہ کر محنت مجاہدے کیے اور بالآخر نسبت اصلاحی حاصل کی۔

حضرت شاہ ابوسعیدؒ اور حصول نسبت

حضرت خواجہ عبدالقدوس گنگوہیؒ سلسلہ چشتیہ کے مشاہیر بزرگوں میں سے ہیں ان کے کئی خلفاء تھے۔ شاہ ابوسعید گنگوہیؒ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے

پوتے تھے۔ وہ جوان ہوئے تو ان کی دادی اماں حیات تھیں۔ انہوں نے کہا کہ بیٹا ایک نعمت تیرے داداجی کے پاس تھی اگر تو چاہتا ہے کہ وہ نعمت تجھے ملے تو ان کے صحبت یافتہ خلفاء کی خدمت میں طلب صادق لے کر جا، تجھے وہ نعمت ملے گی۔

وہ نوجوان آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ دادی اماں نے اسے ایک خلیفہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ جب خلیفہ صاحب کو پتہ چلا کہ میرے شیخ کے پوتے آ رہے ہیں تو وہ جماعت لے کر شہر سے باہر استقبال کے لئے آئے۔ بڑی دھوم دھام کے ساتھ استقبال کیا۔ پھر گھر لے گئے اور خوب خاطر مدارت کی روزانہ انہیں طرح طرح کے کھانے پکا کر کھلائے، ان کو مسند پر بٹھاتے اور خود خادموں کی جگہ پر بیٹھتے۔ تین دن بعد شاہ ابو سعید نے واپسی کی اجازت چاہی تو حضرت نے بہت سے تحائف اور اشرفیاں نذر کیں۔ شاہ ابو سعید نے کہا کہ ان کی تو مجھے حاجت نہیں ہے مجھے تو وہ دولت چاہئے جو آپ ہمارے وہاں سے لائے ہیں۔ حضرت نے جو اتنا سنا تو فرمایا کہ اس کے لئے محنت کرنی پڑے گی۔ نوجوان نے کہا میں حاضر ہوں۔ حضرت نے فرمایا جاؤ شکاری کتوں والے احاطے میں جا کر بیٹھو اور کتوں کے دانے پانی کا خیال کرو۔

الغرض کہ ان کو ریاضت اور مجاہدے کی لائن پر لگا دیا۔ ان کے ذمے شکاری کتے لگا دیئے کہ ان کو نہلانا دھلانا، کھلانا پلانا اور شکار کے وقت ہمارے ساتھ لے کر چلنا ہے۔ وہ نوجوان ہمہ وقت اسی کام میں مشغول رہتا۔ جب کبھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا تو حضرت اس طرف دیکھتے ہی نہیں تھے بلکہ چماروں کی طرح دور بیٹھنے کا حکم دیتے۔ تین چار مہینے جب گزر گئے تو ایک دن شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ آج جب احاطے سے غلاظت اٹھا کر جاؤ تو ذرا ان کے پاس سے

گزرنا۔ چنانچہ وہ جب گزری تو کچھ نجاست شاہ ابوسعید پر بھی گری۔ یہ غصے سے لال پیلے ہو گئے اور کہنے لگے کہ "نہ ہوا گنگوہ ورنہ تجھے مزہ چکھاتا" مقصد یہ کہ غیر ملک ہے اور شیخ کے گھر کی بھنگن ہے اس لئے کچھ کہہ نہیں سکتا۔ بھنگن نے آ کر سارا واقعہ شیخ کو سنایا تو حضرت نے فرمایا ابھی صاحبزادگی کی بو ہے۔ دو ماہ اور گزر گئے تو حضرت نے پھر بھنگن کو کہا کہ آج پھر ویسا ہی کرو۔ چنانچہ بھنگن نے ویسا ہی کیا تو اس مرتبہ انہوں نے کہا تو کچھ نہیں بس تیز نظروں سے بھنگن کو دیکھا بھنگن نے آ کر پھر سارا ماجرا حضرت کو بیان کیا فرمایا ابھی کچھ بو باقی ہے۔ پھر کچھ ماہ بعد بھنگن کو کہا کہ آج پھر ویسا ہی کر بلکہ آج تو گندگی کا ٹوکرا اس کے اوپر پھینک ہی دینا۔ چنانچہ بھنگن نے ایسا ہی کیا۔ لیکن اب شاہ ابوسعید کی میں مٹ چکی تھی چنانچہ گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ مجھ سے ٹھوکر کھا کر گری ہے بیچاری کہیں چوٹ تو نہیں لگ گئی۔ اور پھر خود ہی نجاست اکٹھی کر کے ٹوکرے میں ڈالنا شروع کر دی۔ بھنگن نے جا کر سارا ماجرا حضرت کی خدمت میں عرض کر دیا۔ فرمایا بس اب کام ہو گیا ہے۔ اسی دن خادم کے ہاتھ پیغام بھجوایا کہ کل شکار پر جانا ہے تیار رہنا۔ اس دور میں شکار کو کتوں کے ذریعے سے پکڑا جاتا تھا۔ سدھائے ہوئے کتوں کا شکار شریعت نے حلال کروانا ہے۔ قرآن مجید میں اس کا تذکرہ ہے۔

اگلے دن حضرت شیخ خدام کے ہمراہ جنگل کی طرف شکار کو چلے۔ شاہ ابوسعید بھی کتوں کی زنجیر پکڑے ساتھ ساتھ تھے۔ یہ بیچارے مجاہدے کی وجہ سے وہ کم ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکے تھے۔ جبکہ کتے پلے ہوئے اور تندرست و توانا تھے۔ وہ ان سے سنبھلتے نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے ان کی زنجیر کو اپنی کمر کے ساتھ لپیٹ لیا کہ کتے بھاگیں نہیں۔ جب شکار سامنے آیا اور کتوں نے شکار کو دیکھا تو وہ

بھاگے۔ یہ اکیلے اور کمزور تھے، رسی کو اپنی ہمت سے پکڑا تو سہی مگر ساتھ کھنچتے چلے گئے۔ کتے تیز بھاگے اور یہ کھنچتے کھنچتے گر گئے۔ اب ساتھ گھسٹتے چلے جا رہے ہیں جسم زخموں سے چور چور ہو رہا ہے مگر رسی کو نہ چھوڑا کیوں کہ شیخ نے وہ رسی پکڑائی تھی۔ اب جان تو جا سکتی ہے مگر رسی ہاتھوں سے نہیں چھوٹ سکتی۔ دوسرے خادموں نے بڑی مشکل سے کتوں کو سنبھالا اور ان کو کھڑا کیا۔ اب ان کا جسم لہولہان ہے لیکن یہ ڈر رہے ہیں کہ کہیں شیخ ناراض نہ ہوں کہ ڈیوٹی صحیح ادا نہیں کی۔

شیخ کو اسی رات خواب میں حضرت خواجہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی زیارت ہوئی کہ رنج کے ساتھ فرماتے ہیں۔ ''خلیفہ صاحب! ہم نے تو آپ سے اتنی محنت نہیں کروائی تھی جتنی محنت آپ میری اولاد سے کروا رہے ہیں'' صبح ہوتے ہی انہوں نے شاہ ابوسعید کو بلا کر سینے سے لگایا اور کہا کہ سلسلہ چشتیہ کی نسبت میں ہندوستان سے یہاں لے کر آیا تھا اب تم اسے مجھ سے لے کر ہندوستان جا رہے ہو۔ چنانچہ نسبت کی نعمت دے کر رخصت کیا۔

ایک عجیب مثال

ایک بزرگ نے کسی کو خلافت دینے سے پہلے اپنے مریدین سے کہا کہ جاؤ یہ مرغیاں کسی ایسی جگہ ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔ سب لوگ مرغیاں ذبح کرنے چلے گئے۔ کسی نے درخت کی اوٹ میں ذبح کی، کسی نے دیوار کی اوٹ میں ذبح کی۔ سب ذبح کر کے لے آئے۔ لیکن جن کو خلافت دینا تھی وہ جب واپس آئے تو رو رہے تھے۔ حضرت نے پوچھا، روتے کیوں ہو؟ آپ کے

ہاتھ میں تو مرغی ویسے ہی ہے؟ کہنے لگے، حضرت! آپ نے حکم دیا تھا مگر میں اس پر عمل نہیں کر سکا۔ پوچھا، کیوں عمل نہیں کیا؟ کہنے لگے، حضرت! آپ نے یہ حکم دیا تھا کہ اس کو ایسی جگہ ذبح کروں جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو، لیکن میں جہاں بھی گیا میرا رب مجھے دیکھتا تھا، اس لئے میں اس کو کیسے ذبح کر سکتا تھا۔ فرمایا الحمد للہ، اس معیت کی کیفیت کا تو امتحان لینا تھا۔ اس کے بعد ان کو نسبت عطا فرما دی۔

مرید کا امتحان لینے کا مقصد

اللہ رب العزت نے مشائخ کو باطنی فراست دی ہوئی ہے۔ وہ وقتاً فوقتاً سالک کا امتحان لیتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات سالک کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ کسی بات میں امتحان بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔ وہ بے پرواہی میں اپنا وقت گزار رہا ہوتا ہے۔ اس بات کی طرف بے دھیانی ہوتی ہے۔ مگر شیخ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ نفس کے اندر کیا حالت ہے، نفس کا اژدھا مرا ہے یا نہیں، 'میں' مٹ گئی ہے یا نہیں۔ جب دل کا برتن صاف ہو جاتا ہے اور 'میں' مٹ جاتی ہے تو پھر مشائخ نسبت کا نور اس کے دل میں القاء فرما دیتے ہیں۔ یہ نسبت زیادہ مکمل ہوتی ہے۔

۴ نسبت اتحادی

نسبت کی ایک چوتھی قسم نسبت اتحادی ہے جو سب سے کامل ترین نسبت ہوتی ہے۔ نسبت اتحادی یہ ہوتی ہے کہ منسوب منسوب الیہ کے ساتھ اس حد تک مماثلت حاصل کر لے کہ نقل اصل کی مانند نظر آنے لگے۔ یہ نسبت شیخ کی محبت سے ملتی ہے۔ شیخ کے ساتھ ایسی محبت ہو جائے کہ دل سے آواز نکلے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

شیخ سے اسی محبت کی وجہ سے مرید ہر امر میں شیخ کی اتباع کرتا ہے اور دیوانہ وار اس کی خدمت کرتا ہے۔ اس کی طلب صادق کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے اور اس کو ایسی مضبوط نسبت القاء کی جاتی ہے جسے نسبت اتحادی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو شیخ کے کمالات اس طرح عطا فرما دیتے ہیں کہ وہ سالک شیخ کا نمونہ بن جایا کرتا ہے۔ لوگ اس سالک کو دیکھتے ہیں تو انہیں انکا شیخ یاد آ جاتا ہے۔ اس کا چلنا پھرنا، رفتار گفتار، بیٹھنا اٹھنا حتی کہ اس کا سب کچھ اس کے شیخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس کو نسبت اتحادی کہتے ہیں۔

نسبت اتحادی کی کچھ مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

نانبائی کو نسبت ملنے کا واقعہ

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں رہتے تھے۔ ان کی خانقاہ میں ایک نانبائی حضرت کی خدمت کیا کرتا تھا۔ خصوصاً جب بھی کوئی وقت بے وقت مہمان آ جاتا تو وہ مہمانوں کی خاطر مدارت کے لئے کچھ نہ کچھ لے کر حاضر ہو جاتا، حضرت اس سے بہت خوش تھے۔

ایک مرتبہ حضرت خواجہ صاحب کے یہاں کچھ اہم مہمان آ گئے۔ اس نانبائی نے دیکھا کہ موسم خراب ہے مگر کچھ نیک قسم کے مہمان بے وقت آئے ہیں تو اس نے کھانا پکا کر حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں پیش کیا حضرت خواجہ صاحب نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ حضرت کے یہاں

مہمان آئے ہیں میں ان کے لئے کھانا لایا ہوں قبول فرمالیں۔ حضرت کو بہت مسرت ہوئی اور بے اختیار فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ مجھے اپنے جیسا بنا دیں۔ حضرت نے تھوڑی دیر تامل کر کے فرمایا کہ کچھ اور مانگ لو طباخ نے کہا کہ نہیں حضرت بس یہی کچھ چاہئے۔ متواتر تین مرتبہ جب یہی اصرار کیا تو چونکہ حضرت زبان مبارک سے یہ فرما چکے تھا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس لئے اس کو حجرہ مبارکہ میں لے گئے۔ اندر سے زنجیر لگالی۔ نہ جانے پھر وہاں کیسی توجہ دی کہ آدھ گھنٹہ کے بعد جب حجرہ کھول کر باہر تشریف لائے تو دونوں کی صورت تک ایک ہوگئی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ حضرت خواجہ صاحب تو جیسے حجرہ میں گئے تھے ویسے ہی باہر تشریف لے آئے لیکن وہ طباخ مدہوشی کی حالت میں تھا اور کچھ دیر بعد اسی حالت میں انتقال ہوگیا۔ موت تو آنی ہی تھی اس کا وقت مقرر تھا اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن اسکی خوش قسمتی کہ ساری عمر تو طباخی کی اور موت کے وقت اس نے خواجہ باقی باللہ جیسا بن کر آخرت کے بھی مزے لوٹے۔

امیر خسرو کو نسبت ملنے کا واقعہ

حضرت امیر خسرو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے سچے اور پکے مریدوں میں سے تھے۔ ان کو اپنے شیخ سے انتہاء درجے کا عشق تھا۔ ان کے اسی عشق و محبت کی وجہ سے ان کو اپنے شیخ سے اس قدر اتحاد حاصل ہو چکا تھا کہ شیخ کے دل میں جو بات آتی تھی وہی امیر خسروؒ کے دل میں آجاتی تھی۔ حتیٰ کہ اگر خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بیمار پڑ جاتے تو اس بیماری کی تکلیف حضرت امیر خسروؒ بھی محسوس کیا کرتے تھے۔ ان کی شیخ سے محبت کا ایک عجیب واقعہ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ سے باہر کسی کام سے گئے ہوئے تھے۔ کہ ایک آدمی حضرت کی خدمت میں پہنچا اور ان سے اپنی کسی ضرورت کا سوال کیا۔ اللہ والے کسی کو انکار نہیں کیا کرتے ان کے پاس اور تو کچھ تھا نہیں اسے اپنے جوتے ہی دیدیے۔ وہ جوتے لے کر چل دیا۔ راستہ میں امیر خسرو ملے جو کافی مال و اسباب کے ساتھ واپس آرہے تھے، دیکھتے ہی پہچان گئے کہ جوتے شیخ کے ہیں۔ انہوں نے اس آدمی سے کہا کہ یہ جوتے مجھے دے دو اور ان کی قیمت لے لو۔ وہ بھی سمجھ گیا کہ کوئی دیوانہ ہے۔ اس نے اس کی قیمت اتنی لگائی کہ جتنا مال و اسباب امیر خسرو کے پاس تھا۔ امیر خسرو نے وہ سارا مال دے دیا اور جوتے لے لیے اور ان کو اپنے سر پر رکھ کر شیخ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ شیخ نے امیر خسرو کو اس حال میں دیکھا تو ان کی محبت نے بھی جوش مارا اور آپ کو سینے سے لگا دیا اور باطنی نسبت القا کر دی۔

آنحضرت ﷺ کی نسبت

سینہ سے سینہ ملا کر نسبت ملنے کے واقعات ہمارے مشائخ میں بڑی کثرت سے ملتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ تو فرماتے ہیں کہ ابتدائے وحی کے وقت حضرت جبرئیل کا حضور اقدس ﷺ کو اپنے ساتھ لگا کر بھینچنا بھی نسبت اتحادی پیدا کرنے کے لئے تھا۔ اسی بات سے اندازہ لگائیں کہ جس ہستی کی ابتداء فرشتوں کے سردار حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اتحاد سے ہو رہی ہے اس کی انتہاء کیا ہوگی۔ اگلے ۲۳ برس میں اس نے کتنی ترقی کی ہوگی؟ ۱۳ سال کے بعد یہ حال تھا کہ واقعہ معراج شریف پیش آیا اس میں جبرئیل علیہ السلام ساتویں آسمان پر یہ کہہ کر پیچھے رہ

جاتے ہیں کہ میری تو پرواز یہیں تک تھی اب اگر بال برابر بھی آگے بڑھوں
تجلی باری سے جل جاؤں گا۔ پھر نبی کریم ﷺ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو چھوڑ کر
قاب قوسین تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد اگلی دس سالہ زندگی میں آپ ﷺ کی
ترقیاں ہوئیں ہوگی ہم کیا جانیں؟۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا ارشاد تو یہ
حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بھینچنے سے آپ کو نسبت اتحادیہ حاصل ہوئی اس
الحدیث زکریاؒ فرماتے ہیں:

اس سیہ کار کا خیال ہے کہ یہ سلوک تفصیلی تھا۔ غار حرا میں چھ ماہ تک انقطاع
عن الخلوق اور توجہ الی اللہ سے قلب اطہر میں وہ صفائی اور نور تو پہلے ہی پیدا
ہو چکا تھا جو نسبت انعکاسی کا محل ہوتا ہے اور جبرئیل علی نبینا علیہ الصلوٰۃ و
السلام کی صورت دیکھ کر صفات ملوکیت کا انعکاس تو شروع ہی میں ہو گیا تھا
اور پہلی مرتبہ دبوچنے میں نسبت القائی اور دوسری مرتبہ میں نسبت اصلاحی
اور تیسری مرتبہ میں نسبت اتحادی پیدا ہو کر وہ صفات ملوکیت جس کا
انعکاس ابتدا وہلہ میں ہوا تھا وہ تیسری مرتبہ کے دبوچنے میں طبیعت ثانیہ
بن گیا، اور جس کی ابتداء میں فرشتوں کے خصائل بلکہ سید الملائکہ جبرئیل
کے خصائل طبیعت ثانیہ بن گئے ہوں اس کے ۲۳ سالہ مجاہدات اور تعلق مع
اللہ میں کتنی ترقیات ہوئی ہوں گی اگر اس کی کوئی مثال کہی جا سکتی ہے تو
بس یہی کہ

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین راہم خبر نیست

رہے سلامت تمہاری نسبت

حضرت قاسمؒ

حضرت ابوبکرؓ

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

حضرت یعقوب چرخیؒ

حضرت بایزید بسطامیؒ

حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ

حضرت عبدالمالک صدیقیؒ

حضرت خواجہ محمد معصومؒ

حضرت غلام حبیبؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حضرت فضل علی قریشیؒ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

دارالکتاب دیوبند

باب 6

صدیق اکبرؓ اور نسبت اتحادی

نسبتوں کی جملہ اقسام میں سے سب سے مضبوط اور اعلیٰ نسبت ''نسبت اتحادی'' ہے۔ اس نسبت کی اولین اور بہترین مثال سیدنا صدیق اکبرؓ کی ذات مبارکہ ہے۔ آپؓ کو نبی علیہ السلام کے ساتھ ایک بے مثل اتحاد نصیب تھا۔ آپ نبی کریم ﷺ کے رنگ میں اس قدر رنگے گئے تھے کہ نقل اصل کی مانند ہو گئی تھی۔ بقول شاعر

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

(میں تو بن جاؤں اور تو میں بن جائے، میں جسم بن جاؤں اور تو جان بن جائے تاکہ بعد میں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں اور تھا تو اور ہے)

آپ کی زندگی کے جس گوشے پر بھی نظر ڈالیں اس کی آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک بے نظیر مطابقت دکھائی دیتی تھی۔ آیئے آپؓ کی حیات مبارکہ کے مختلف پہلوؤں کا نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کے ساتھ موازنہ کریں۔ اس سلسلے میں

کچھ تقابلی نکات اور حالات و واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ تمام نکات حضرت مولانا نور الحسن شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی کتاب نبی و صدیق سے اخذ کیے ہیں۔

اخلاق و شمائل و عادات و خصائل

① اخلاق کریمانہ

ابتدائے وحی میں حضرت ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ نے حضور ﷺ کو تسکین و تسلی دیتے ہوئے فرمایا واللہ، اللہ کی قسم اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ آپ صلہ رحمی کرنے والے ہیں وَ تَحْمِلُ الْکَلَّ آپ بے سہاروں کا سہارا بننے والے ہیں۔ وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ اور جن کے پاس کچھ نہ ہو ان کو کما کر دینے والے ہیں۔ وَ تَقْرِیْ الضَّیْفَ آپ مہمان نوازی کرنے والے ہیں۔ وَ تُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ اور اچھی باتوں پر آپ مدد کرنے والے ہیں۔ اس طرح حضرت خدیجہ الکبریٰ نے اپنے آقا کی پانچ صفتیں گنوائیں اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کریں گے۔

مشرکین مکہ کے ایک رئیس ابن الدغنہ نے ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبرؓ کی تعریف میں بالکل یہی الفاظ کہے۔

انک تکسب المعدوم، و تصل الرحم و تحمل الکل و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق (صحیح بخاری: باب کیف کان بدا الوحی)

② مہربان اور رحیم

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے نبی کریم ﷺ کو رؤف اور رحیم کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔

بالمؤمنین رؤف رحیم له (توبہ)

(آپ تو اہل ایمان پر مہربان اور رحیم تھے)

بالکل انہی دو صفات کے ساتھ سیدنا صدیق اکبرؓ بھی مشہور تھے۔ نبی علیہ السلام نے خود آپ کو مہربان اور رحیم فرمایا۔

ابو محجنؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اراف امتی ابو بکر (سب سے زیادہ میری امت پر شفیق ابو بکر ہیں)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

ارحم امتی بامتی ابو بکر

(میری امت میں سب زیادہ میری امت پر رحیم ابو بکر ہیں)

ان روایات سے حضور نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبرؓ کی شان رؤفیت اور رحمت میں مشابہت کا پتہ چلتا ہے۔

③ غیرت مجسم

غیرت بھی صفات حمیدہ میں سے ہے۔ صدیق اکبرؓ نے آنحضرت ﷺ کی اس صفت میں بھی حصہ پایا۔ حدیث مبارکہ ہے انا اغیر واللہ اغیر منی بے شک میں غیور ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیور ہیں۔

صدیق اکبرؓ کے بارے میں فرمایا:

کان اغیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابو بکر (ابن سعد، جلد۳، ص۱۷۶)

(اس امت میں نبی کریم ﷺ کے بعد سب زیادہ غیور حضرت ابو بکرؓ ہیں)

4 شاعری سے بعد

نبی اکرم ﷺ کا دور شعر و شاعری کا دور تھا۔ مگر ہر دو حضرات کو شاعری سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔

نبی کریم ﷺ کے بارے میں قرآن پاک میں فرمایا گیا:

و ما علمنہ الشعر و ما ینبغی لہ (یٰس)

(اور ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور نہ ہی وہ آپ کے شایان شان ہے)

ابن عساکرؒ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا "خدا کی قسم حضرت ابو بکرؓ نے نہ تو اسلام لاتے سے قبل اور نہ بعد میں کبھی شعر کہا"

5 شراب سے اجتناب

شعر و شاعری کی طرح اس دور میں شراب نوشی کا رواج بھی عام تھا۔ مگر رسول اللہ ﷺ اور سیدنا صدیق اکبرؓ دونوں اس سے مجتنب رہے۔

ابن عساکرؒ اور ابو نعیمؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے قبول اسلام سے پہلے ہی شراب کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔ (تاریخ الخلفاء)

6 نظافت اور صفائی پسندی

نبی کریم ﷺ انتہائی نفیف الطبع اور صفائی پسند اور تھے حسب ارشاد

و ثیابک فطهر و الرجز فاهجر (اور اپنے کپڑوں کو پاک کیجئے اور پلیدی کو دور کیجئے) آپ کی صفائی پسندی کا یہ حال تھا کہ غزوہ احد میں شدید درد و تکلیف کے باوجود آپ نے غیر صاف شدہ پانی پینے سے انکار کر دیا۔

حضور ﷺ کی طرح حضرت صدیق اکبرؓ بھی بالطبع صفائی پسند اور نفیف الطبع تھے۔ سفر ہجرت میں ایک منزل پر ایک چرواہا بکریوں کا ریوڑ لئے نظر آیا حضرت ابوبکرؓ نے اس سے دودھ کی فرمائش کی جب دودھ دوہنے کا وقت آیا تو حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں: ''میں نے اس سے کہا کہ بکری کے تھن صاف کر لے پھر کہا اپنے ہاتھ صاف کر لے پھر اس نے برتن میں دودھ دوہا اور میں اس برتن کے منہ پر کپڑا ڈال کر حضور ﷺ کے لئے لے آیا''۔ اس واقعے سے ان کی طبعی نظافت پسندی کا اندازہ ہوتا ہے۔

جوش تبلیغ اور استقامت فی الدین

دعوت و تبلیغ مقام نبوت و منصب رسالت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے جس انداز میں تبلیغ کی اور ان کو اس کے جواب میں جو مشکلات درپیش آئیں اس کی کچھ جھلکیاں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی میں بھی ملتی ہیں۔

1 جس طرح تبلیغ دین اور اشاعت دین میں حضور ﷺ نے جانگداز مصائب اٹھائے حتیٰ کہ طائف کے اشرار نے آپ پر سنگباری کی اور اس حد تک جور و ستم کا نشانہ بنایا کہ آپ کو حضرت زیدؓ (جو اس تبلیغی مہم میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے) اٹھا کر شہر سے باہر ایک باغ میں لے گئے اور پانی پلایا۔ اسی طرح دعوت الیٰ

الاسلام کی پاداش میں مشرکین مکہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس قدر مارا کہ آپ ؓ گویا کچلے گئے، قبیلہ بنی تیم کے لوگ دوڑے دوڑے آئے، مشرکوں کو ہٹایا اور ایک کپڑے میں ڈال کر آپ رضی اللہ عنہ کو گھر اٹھا لائے۔

2 جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشرکین کے نرغے سے نکالا، اور کفار سے ہٹایا گیا اسی طرح ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں عقبہ بن ابی معیط چادر ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا گھونٹ رہا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس لعین کو آپ سے ہٹایا اور آپ کو بچایا۔

3 جس طرح کافروں نے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر مارا کہ آپ بے ہوش ہوگئے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی مشرکین کی مار سے بے ہوش گئے۔

4 جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا اسلام کا شیر دائرہ اسلام میں آیا اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دعا سے حضرت حمزہؓ جیسا اسلام کا شیر دائرہ اسلام میں آیا۔

(جس دن مشرکین مکہ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو تشدد کا نشانہ بنایا اور آپ بیہوش ہوگئے سیدنا امیر حمزہؓ اسی دن دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ گویا آپ دعائے عملی تھی)

5 ہر دو حضرات علیہما السلام کو حد درجے عزم وثبات اور استقامت واستقلال فی الدین حاصل تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کی حقانیت کا اس قدر یقین تھا اور دعوت دین کا عزم اس قدر پختہ تھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں کافروں سے

دین کے لئے لڑتا رہوں گا یہاں تک کہ میری گردن جدا ہو جائے یا اللہ اپنا

دین غالب کرے۔ (رواہ البخاری)

یہی الفاظ آپ ﷺ نے مکہ میں ابوطالب سے کہے اور صلح حدیبیہ کے موقع

پر کفار کے نمائندے سہیل سے کہے۔ (ازالۃ الخفاء مقصد اول فصل سوم)

جب سرداران قریش مل کر آپ کے چچا ابوطالب کے پاس آئے اور ان پر

دباؤ ڈالا کہ یا تو اپنے بھتیجے کو سمجھالو یا خود بیچ سے ہٹ جاؤ۔ اس وقت ابوطالب

نے آپ ﷺ کو سمجھایا کہ جان عم! میرے اوپر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں اٹھا نہ

سکوں۔ لہٰذا تم اس کام سے باز آجاؤ۔ اس وقت آپ نے اپنے چچا سے عزم و

یقین سے بھرپور لہجے میں فرمایا

خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج بائیں ہاتھ پر چاند لا کر رکھ

دیں تاکہ میں اس دعوت اسلام سے دستبردار ہو جاؤں تب بھی میں اس سے

دستبردار نہیں ہوں گا یہاں تک کہ اللہ اپنے دین کو غالب کرے گا یا میں اس راہ

میں جان سے مارا جاؤں۔

عزم وثبات اور استقامت کی یہی جھلک جناب صدیق اکبرؓ کی ذات

میں بھی نظر آتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب عرب کے اکثر

قبائل مرتد ہو گئے اور کہا کہ ہم زکوٰۃ نہ دیں گے تو آپؓ نے ان سے جہاد کا پختہ

ارادہ کر لیا۔ اگرچہ کہ بہت سے صحابہ کرام اس بارے میں متردد تھے لیکن حضرت

ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ زکوٰۃ کے اونٹ تو بڑی چیز ہیں اگر مجھے اونٹ کی

رسی جو دیا کرتے تھے نہ دیں گے تو میں ان سے ضرور جہاد کروں گا۔ حضرت

عمرؓ نے بھی آپ کو یہی مشورہ دیا کہ حالات کا تقاضہ ہے کہ آپ نرمی

فرمائیں۔ فرمایا

اے عمر! تم جاہلیت میں تو بڑے بہادر تھے کیا اسلام میں بزدل ہو گئے۔ وحی منقطع ہو چکی۔ دین پورا ہو گیا، کیا دین میں کمی کی جائے اور میں زندہ رہوں؟ یہ نہیں ہو سکتا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا

"مجھے پرندے اچک لے جائیں تو یہ مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہوگا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے حکم میں کوئی ترمیم کروں"

ابوبکر عیاشؒ کہتے تھے کہ میں نے حضرت ابو حصینؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ "پیغمبروں کے بعد ابوبکرؓ سے افضل کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔ مرتدین سے لڑنے میں انہوں نے وہ کام کیا جو ایک نبی کرتا"

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت و تبلیغ استقامت فی الدین اور عزم و استقلال میں پختگی کے لحاظ سے سیدنا صدیق اکبرؓ کو نبی علیہ السلام کے ساتھ کمال درجے کی مشابہت حاصل تھی۔

ہجرت

اللہ رب العزت نے جناب صدیق اکبرؓ کو سفر ہجرت میں اپنے محبوب رسول اللہ ﷺ کا صاحب کا رفیق اور یار غار بنا کر آپ کو جو فضل و شرف بخشا اس نے آپ کو اصحاب رسول ﷺ کی پوری جماعت میں ممتاز و منفرد بنا دیا۔ کچھ نکات اشتراک ملاحظہ کریں۔

① رفاقت سفر

جس طرح صدیق اکبرؓ نبی اکرم ﷺ کے رفیق تھے اسی طرح رسول کریم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رفیق تھے۔اور یہ رفاقت ومصاحبت اللہ کے حکم سے تھی۔

② ثانی اثنین

غار میں حضور ﷺ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دوسرے تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے دوسرے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے ثانی اثنین اذهما فی الغار.

③ یار غار

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے یار غار ہیں اور حضور ﷺ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یار غار ہیں اور ایسے یار غار کہ ان کی یاری کے مسلمہ وفا و خلوص کی بنا پر یار غار کی مستقل اصطلاح وضع ہوگئی۔

④ اللہ ثالثهما

غار ثور میں جب کفار ہر دو حضرات علیہما السلام کے انتہائی قریب پہنچ گئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا یا ابا بکر ما ظنک با ثنین اللہ ثالثهما متفق علیه (ابوبکر! تیرا ان دو کے بارے میں کیا گمان ہے اللہ جن کا تیسرا ہو)

سبحان اللہ کیا شان ہے یار غار رسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رسول کے ساتھ ملا کر دو کا دوسرا فرمایا تو رسول کریم ﷺ نے دو کے ساتھ اللہ کو ملا کر تین کر دیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان تین میں سے ایک ہوئے۔

5 حزن وملال سے ممانعت

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متعدد جگہوں پر نبی کریم ﷺ کو غم وحزن سے منع فرمایا جیسے ولا تحزن علیھم (آپ ان کا غم نہ کھایئے) ولا یحزنک قولھم (ان کی بات کا غم نہ کریں)

غار ثور میں جب کفار بہت قریب آگئے تو صدیق اکبرؓ کو غم لاحق ہوا کہ کہیں یہ لوگ حضور ﷺ کو نقصان نہ پہنچا دیں لہذا وہ رونے لگے۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا (میرا غم نہ کھاؤ بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے)

6 معیت باری تعالیٰ

ان اللہ معنا سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت کا جو شرف نبی کریم ﷺ کو حاصل تھا وہی شرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی حاصل تھا۔

معیت لفظی

نبی اکرم ﷺ کا صدیق اکبرؓ کو یہ فرمانا کہ" اے ابوبکر تیرا کیا گمان ہے ان دو کے متعلق جن کا تیسرا اللہ ہو" اس میں گویا اللہ تعالیٰ کی ہر دو حضرات کے ساتھ معیت کو لفظوں میں واضح کر دیا۔

معیت معنوی

بعضوں نے کہا ہے کہ اللہ ان دونوں کے ساتھ یا ان دونوں کا تیسرا، لفظاً بھی تھا اور معناً بھی لفظاً یوں کہ حضور ﷺ کو کہا جاتا تھا یا رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر

صدیق ﷛ کو کہا جاتا تھا یا خلیفہ رسول اللہ! اور معنا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ باعتبار مدد و نصرت اور ارشاد و ہدایت کے حضور ﷺ اور صدیق اکبر ﷛ کے ساتھ تھے۔

معیت مستقلہ

پھر اللہ رب العزت کی معیت و مصاحبت وقتی اور ہنگامی نہ تھی بلکہ لفظی معیت ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہر دو حضرات کو حاصل ہے۔ قیامت تک حضور ﷺ کا جو بھی نام لے گا محمد رسول اللہ کہے گا اور صدیق اکبر ﷛ کو خلیفہ رسول اللہ کہا جائے گا۔ یہ شرف باقی حضرات کو حاصل نہیں ہے باقی سب کو امیر المؤمنین ہی کہا جاتا ہے۔

⑦ دونوں کے قتل یا گرفتاری پر انعام

قریش نے اشتہار دیا تھا کہ جو شخص محمد ﷺ یا ابو بکر ﷛ کسی ایک کو گرفتار کر کے لائے گا اسے ایک سو اونٹ انعام دیا جائے گا اور دونوں کو قتل یا گرفتار کر کے لائے گا اسے دو سو اونٹ ملیں گے۔ گویا دونوں کے اوپر برابر کا انعام رکھا ہوا تھا۔

⑧ دونوں حضرات کی خدمت میں تحفہ

حضرت زبیر ﷛ شام سے تجارت کا سامان لے کر آرہے تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ اور حضرت صدیق اکبر ﷛ کی خدمت میں چند بیش قیمت کپڑے پیش کیے۔ (صحیح بخاری، سیرت النبی)

⑨ ایک دوسرے کے ردیف

اس مبارک سفر میں ہر چند کہ ہر دو حضرات کی سواری کیلئے مستقل اپنا اونٹ موجود تھا تاہم اتحاد و تشابہ کا رنگ دیکھئے کہ کبھی ایک اونٹ پر حضور ﷺ آگے سوار ہوتے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسی اونٹ پر ان کے پیچھے اور کبھی ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ پر آگے سوار ہوتے اور حضور ﷺ ان کے پیچھے۔

سبحان اللہ کیا شان ہے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نبی علیہ السلام کے ساتھ یک رنگی کی کہ ہر ایک موقع، مقام اور عمل میں حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ ہیں۔

فکر و ذہن

نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سوچ، فکر اور ذہن میں بھی ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ چند ایک واقعات ملاحظہ ہوں۔

① اسیران بدر کا فیصلہ

حضور ﷺ نے بدر سے واپس مدینہ آکر صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ اسیران جنگ کے معاملے میں کیا کیا جائے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ سب قتل کر دیئے جائیں اور ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو خود قتل کرے نبی کریم ﷺ نے اس رائے کو پسند نہ فرمایا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور کہا یا رسول اللہ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ان کو معاف فرمادیں اور ان سے زرِ فدیہ قبول فرما لیں۔ حضور ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور انہیں معاف فرمادیا اور فدیہ قبول

کرلیا۔اس پر یہ آیت اتری

لو لا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم

(اگر خدا کا تو نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے کیا اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا)(سورۃ انفال)

آنحضرت ﷺ اور جناب صدیق اکبرؓ یہ عتاب ربانی سن کر رونے لگے۔صبح کو حضرت عمرؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور ابو بکرؓ دونوں رو رہے ہیں۔عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ دونوں کیوں رو رہے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیرے ساتھیوں نے جو فدیہ لیا اس پر خدا کی طرف سے جو پیش کیا گیا اس پر روتا ہوں۔

یہاں نبی علیہ السلام اور جناب صدیق اکبرؓ کی فکری ہم آہنگی ملاحظہ ہو کہ دونوں نے ایک ہی فیصلے کو پسند فرمایا اور اس پر اللہ تعالیٰ نے جو ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو اس پر آپ دونوں حضرات کا ردعمل بھی ایک طرح کا تھا۔

② سلب قاتل کا حق

غزوہ حنین میں حضرت ابو بکرؓ کا ایک مشرک سے سخت مقابلہ ہوا بالآخر وہ مشرک واصل جہنم ہوا۔لیکن اس کا سلب ایک اور شخص نے لے لیا۔(جہاد کسی مسلمان کے ہاتھوں کائی کا فر مارا جائے تو مقتول کے بدن پر جو کوئی کپڑا یا سامان ہوتا ہے اسے سلب کہتے ہیں)

ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ میں نے بعد میں دربار نبوی میں یہ سارا قصہ بیان کیا۔اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ صحیح کہتا ہے اس کا سلب میرے پاس

ہے۔ آپ اسے میری طرف سے راضی فرمادیں کہ یہ مجھ سے اپنا حق نہ مانگے۔
اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''نہیں خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ کا ایک شیر اللہ کی طرف سے لڑتا ہے اور رسول اللہ ﷺ اس کا سلب تمہیں عطا فرمادیں''۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر نے سچ کہا اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو سامان دلوادیا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر دو حضرات کی سوچ میں کس قدر ہم آہنگی تھی۔

3 جو ہمیں روکے گا ہم اس سے لڑیں گے

غزوہ حدیبیہ کے موقع پر جب نبی ﷺ عازم مکہ تھے تو انہیں اطلاع ملی کہ قریش نے آپ کے مقابلے کیلئے فوج جمع کی ہوئی ہے۔ اور ان میں مختلف قبائل کے لوگ بھی شامل ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا فرمایا! لوگو! مجھے مشورہ دو تمہاری کیا رائے ہے؟ ان قبائل پر جو قریش کی مدد کو گئے ہوئے ہیں حملہ کر دیا جائے یا اپنا سفر جاری رکھا جائے؟ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

یارسول اللہ! آپ بیت اللہ کی زیارت وطواف کے ارادہ سے نکلے تھے، کسی سے لڑائی قتال کا ارادہ نہیں تھا۔ آپ بیت اللہ ہی کی طرف چلتے رہیں البتہ جو ہمیں روکے گا ہم اس سے لڑیں گے۔

نبی کریم ﷺ نے آپ کی رائے کو پسند کیا اور فرمایا اللہ کا نام لے کر چل پڑو۔

بالکل یہی الفاظ نبی علیہ السلام نے عروہ بن مسعود سفرائے مشرکین سے

حدیبیہ میں ارشاد فرمائے۔ فرمایا:

''ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہم تو صرف بیت اللہ کے طواف کیلئے آئے ہیں جو ہمیں اس سے روکے گا ہم اس سے لڑیں گے''

④ حضرت عمرؓ کے ساتھ مکالمہ

صلح حدیبیہ جب لکھی گئی تو اس موقع پر سفیر قریش سہیل بن عمرہؓ نے جو توہین آمیز رویہ اختیار کیا اس سے تمام صحابہؓ مضطرب اور بے قرار تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ صلح کی جو شرائط تھیں اس سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا تھا جیسے دب کر صلح ہو رہی ہو۔ لہٰذا تمام صحابہ کرامؓ میں غم و اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت عمرؓ تو وفور جوش سے از خود رفتہ ہو گئے اور اسی بے چینی میں دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور نبی ﷺ سے درج ذیل مکالمہ ہوا

حضرت عمرؓ: کیا آپ اللہ کے نبی برحق نہیں ہیں

حضرت محمد ﷺ: ہاں! ہوں!!

حضرت عمرؓ: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟

حضرت محمد ﷺ: ہاں! ہیں!

حضرت عمرؓ: پھر ہم دین میں ذلت کیوں گوارا کریں؟

حضرت محمد ﷺ: بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا اور وہی میرا ناصر و مددگار ہے۔

حضرت عمرؓ: کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے۔

حضرت محمد ﷺ: ہاں! لیکن کیا میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال

کعبۃ اللہ جائیں گے؟

حضرت عمرؓ: نہیں یہ تو نہیں فرمایا تھا'

حضرت محمد ﷺ: بس جب تم بیت اللہ جاؤ گے تو اس کا طواف بھی کرو گے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ اٹھ کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے۔ ان دونوں کے درمیان یہ مکالمہ ہوا۔

حضرت عمرؓ: ابو بکر کیا آپ ﷺ اللہ کے برحق نبی نہیں؟

حضرت ابو بکر صدیقؓ: ہاں! ہیں!

حضرت عمرؓ: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟

حضرت ابو بکر صدیقؓ: ہاں! ہیں!!

حضرت عمرؓ: پھر ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟

حضرت ابو بکر صدیقؓ: بلاشبہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں! اپنے رب کی نافرمانی نہیں کر سکتے اور وہی ان کا ناصر و مددگار ہے۔ پس تم آپ ﷺ کی اطاعت میں مضبوط و ثابت قدم رہو۔ خدا کی قسم آپ حق پر ہیں۔

حضرت عمرؓ: کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ: ہاں لیکن کیا حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اسی سال بیت اللہ جائیں گے؟

حضرت عمرؓ: نہیں!

حضرت ابو بکر صدیقؓ: پس جب تم بیت اللہ جاؤ گے تو اس کا طواف بھی کرو گے۔

سبحان اللہ حضرت عمرؓ کے ہر دو حضرات علیہما السلام کے ساتھ مکالمہ

حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فکر اور سوچ کے ساتھ ساتھ کلمات والفاظ میں بھی کتنی یکسانیت پائی جاتی ہے۔

⑤ قلعہ فتح نہ ہوگا

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ قلعہ، طائف کے محاصرہ کے دوران نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا کہ دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ مجھے دیا گیا لیکن ایک مرغ نے آکر ٹھوکر ماردی اور جو کچھ اس پیالہ میں تھا سب گر گیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ آپ کا ارادہ جو اس قلعہ کے فتح کرنے کا ہے وہ ابھی حاصل نہ ہوگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے دل میں بھی یہی بات ہے کہ یہ ابھی فتح نہیں ہوگا۔ (اصح السیر ص ۳۳۵) یہاں بھی ملاحظہ کریں کہ دونوں حضرات کی سوچ میں کتنی ہم آہنگی ہے۔

اعمال وافعال

نبی کریم ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اعمال وافعال میں بھی حد درجہ تشابہ اور توافق پایا جاتا ہے۔ کچھ مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

① فدک

نبی کریم ﷺ اپنی حیات میں باغ فدک کی آمدن کو بنی ہاشم پر خرچ کیا کرتے تھے۔ ان کے بچوں کو بار بار عطا فرماتے تھے اور اس سے بے نکاحوں کی شادیاں کیا کرتے تھے۔ حضرت سیدہ فاطمہؓ نے ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا کہ

آپ فدک کو ان کیلئے (فاطمہؓ) کیلئے مخصوص فرمادیں لیکن نبی اکرم ﷺ نے انکار فرمادیا۔ (مشکوۃ المصابیح)

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے وصال کے بعد حضرت فاطمہؓ نے ایک آدمی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا اور حضور ﷺ کے ترکہ (خیبر فدک اور اراضی مدینہ) میں سے اپنی میراث کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انکار فرمادیا اور فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے امور و معمولات میں ذرا برابر کمی بیشی نہیں کروں گا۔ اگر میں ایسا کروں تو مجھے خدشہ ہے کہ میں راہ راست سے بھٹک جاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ مسلمانوں پر صدقہ ہوتا ہے۔ آل محمد ﷺ اس مال سے فقط خرچ خوراک لیتے ہیں (صحیح البخاری)

جس طرح سیدہ فاطمہؓ نے حضور ﷺ سے فدک کا مطالبہ کیا تھا اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی فدک کا مطالبہ کیا۔ اور جس طرح حضور ﷺ نے ان کے جواب میں انکار فرمادیا اسی طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی انکار فرمادیا۔ ہر دو حضرات کے عمل میں کس قدر مشابہت ہے۔

② دونوں حضرات سے ایک مطالبہ

طائف سے قبیلہ ثقیف کا ایک وفد نبی علیہ السلام کی خدمت میں قبول اسلام کیلئے حاضر ہوا۔ لیکن ساتھ ہی ایک درخواست کی کہ انہیں نماز معاف کردی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست قبول کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا: اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہیں۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ کے گردونواح کے قبائل نے مسلمانوں
...نے کیلئے اپنی فوجیں اکٹھی کیں اور مدینہ کے قریب پڑاؤ ڈال دیا اور اپنے
...مدینہ روانہ کیے جنہوں نے وہاں پہنچ کر حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو پیغام بھیجا
...وہ نماز ادا کرنے کو تو تیار ہیں البتہ زکوۃ ادا کرنے سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ آپؓ
...نے جواب میں فرمایا کہ "واللہ! میں ان لوگوں سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوۃ
...میں فرق کرتے ہیں"

...عمل کی ہم آہنگی ملاحظہ کریں کہ دونوں حضرات کے سامنے کچھ لوگ دین کا
...ایک رکن معاف کروانا چاہتے تھے۔ لیکن آپ نے انکار فرمادیا۔

⑭ ایک ہی عمال حکومت

مؤرخ ندویؒ رقم طراز ہیں:

عاملوں اور عہدہ داروں کے انتخاب میں ابو بکر ؓ نے ہمیشہ ان لوگوں کو
...ترجیح دی جو عہدہ نبوت میں عامل یا عہدہ دار رہ چکے تھے۔ مثلاً عہد نبوت میں مکہ پر
...عتابؓ بن اسید، طائف پر عثمانؓ بن ابی العاص، صنعا بن مہاجرؓ بن امیہ، حضر موت
...پر زیادؓ بن لبید اور بحرین پر علاءؓ بن الحضرمی مامور تھے اس لئے خلیفہ اول نے بھی
...ان مقامات پر ان ہی لوگوں کو برقرار رکھا۔ (خلفائے راشدین ص ۵۴، ۵۵)

⑮ ایک ہی نظام حکومت

حضور نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبر ؓ کے عہد کا نظام حکومت بھی ایک تھا
...کوئی ایسا ٹیکس لگانے کی اجازت نہ تھی جو عہد رسالت میں نہ تھا اور جو ٹیکس عہد
...رسالت میں تھے انہیں بہر حال وصول کیا جاتا تھا۔

⑤ بنو قضاعہ سے جنگ

(۱) عہد رسالت میں بنو قضاعہ کی شورش دبانے کیلئے نبی اکرم ﷺ نے ان سے جنگ کی اور غزوہ ذات السلاسل پیش آیا۔ عہد صدیقی میں بنو قضاعہ مرتد ہو گئے۔ لہٰذا ان کی سرکوبی کیلئے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی ان سے جنگ کی۔

(۲) حضور ﷺ کے وقت میں بھی اسلامی فوج کے امیر حضرت عمرو بن العاصؓ تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وقت میں بھی حضرت عمرو بن العاصؓ ہی اسلامی لشکر کے امیر تھے۔

(۳) اسلامی فوج کے کوچ کا راستہ بھی ہر دو حضرات کے وقت میں ایک ہی تھا۔

(۴) حضور ﷺ کے وقت میں بھی بنو قضاعہ کو شکست ہوئی تھی اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وقت میں بھی بنو قضاعہ ہی کو شکست فاش ہوئی اور دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

(۵) نبی اکرم ﷺ نے بھی عمرو بن العاص بنو قضاعہ کی مہم کے بعد عمان کا والی بنا کر عمان بھیج دیا۔ صدیق اکبرؓ نے بھی ان کو قضاعہ کی جنگ کے بعد عمان کی ولایت پر واپس بھیج دیا۔ (عمرو بن العاص ص ۵۸ بحوالہ طبری ج ۴ ص ۲۴)

⑥ حضرت خالدؓ بن ولید سے بھی ایک ہی سلوک

عہد رسالت میں ایک جنگ حضرت خالد بن ولیدؓ نے بنی خزیمہ کے قیدیوں کو قتل کرنے میں جلد بازی دکھائی تھی۔ بات نبی اکرم ﷺ تک پہنچی تو آپ کو افسوس ہوا اور آپ نے قیدیوں کی دیت خود ادا کی اور کتے کے پانی پینے والا برتن تک واپس کر دیا۔ اللہ کے حضور حضرت خالدؓ کے اس فعل کیلئے برأت کی دعا کی۔

بھی ان کو قیادت سے معزول نہ فرمایا۔
عہد صدیقی میں بھی ایک جنگ میں جب حضرت خالدؓ پر الزام آیا کہ انہوں نے مالک بن نویرہ کو بغیر کسی معقول وجہ کے قتل کر دیا۔ تو حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت خالد کو معزول کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن آپ نے ان کو اپنے منصب پر برقرار رکھا۔ جس سے آپ کے ہر فعل میں نبی علیہ السلام سے انتہائی مشابہت کا پتہ چلتا ہے۔ (ترجمہ ابوبکر صدیق کامل مصنفہ عباس محمود العقاد ص ۲۲۳/۲۲۴)

❶ ہر دو حضرات علیہما السلام حج کے امیر

حج میں بھی یہاں تک موافقت و مطابقت ہے کہ پہلے سال نہ حضور ﷺ امیر تھے نہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ! دوسرے سال حضور ﷺ بھی خود امیر حج تھے اور دوسرے سال صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی خود۔
حضور ﷺ نے پہلے سال ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور دوسرے سال ۱۰ ہجری میں خود تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی مسند خلافت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد پہلے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور دوسرے سال خود تشریف لے گئے۔

❶ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہر دو حضرات کے کاندھوں پر

ہر دو حضرات علیہما السلام نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے دوش مبارک پر اٹھایا۔
حضرت عقبہ بن حارث سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر جا رہے تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے

دیکھا تو کاندھے پر اٹھالیا اور فرمایا۔ میرا باپ قربان! نبی کریم ﷺ کے ہم شکل ہو علیؓ کے مشابہ نہیں ہو۔ حضرت علیؓ ساتھ تھے سنا تو ہنس پڑے (صحیح بخاری مناقب النبی ﷺ)

یوں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے اس فعل کی متابعت حاصل کرلی کہ آپ ﷺ نے اپنے نواسوں کو کاندھے پر اٹھایا کرتے تھے۔

⑩ حضرت ام ایمنؓ کی ملاقات

علامہ ندویؒ لکھتے ہیں: جن کے حال پر آپ ﷺ کا خاص لطف وکرم رہتا تھا حضرت ابوبکرؓ نے ہمیشہ ان کی تعظیم وتوقیر کا خیال رکھا۔ آنحضرت ﷺ اکثر حضرت ام ایمنؓ کے ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ (خلفائے راشدین ص ۲۶ بحوالہ استیعاب)

⑪ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی عیادت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: حضور ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے محلہ بنوسلمہ میں پیدل تشریف لا کر میری عیادت فرمائی۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر باب یوصیکم اللہ فی اولادکم)

کتنی حیرت انگیز مشابہت ہے کہ اہم ملی وملکی امور سے لے کر معمولی حالات روزمرہ کے واقعات اور عام اعمال میں بھی توافق بلکہ وحدت موجود ہے۔

خویش واقارب

حیرت واستعجاب کا مقام ہے کہ حضور ﷺ اور صدیق اکبر ؓ میں خویش و اقارب آل اولاد سسرال اور داماد کے سلسلے میں بھی کامل توافق اور تشابہ موجود ہے۔

1 حضور ﷺ کے داماد سیدنا عثمان ؓ اور سیدنا حضرت علی ؓ سابقین اولین میں سے ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر ؓ کے داماد سیدنا حضرت زبیر ؓ بھی سابقین اولین میں سے ہیں۔

2 حضور ﷺ کے داماد سیدنا عثمان اور سیدنا علی المرتضیٰ ؓ سادات المہاجرین میں سے ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر ؓ کے داماد سیدنا زبیر ؓ بھی سادات المہاجرین میں سے ہیں۔

3 آنحضرت ﷺ کے داماد سیدنا حضرت عثمان ؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے داماد حضرت زبیر ؓ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

4 حضور ﷺ کے دوسرے داماد حضرت علی ؓ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور سیدنا صدیق اکبر ؓ کے دوسرے داماد خود آنحضور ﷺ ہیں اور ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ بھی عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ (مسند احمد جلد اول ص ۱۸۷ بروایت حضرت سعید بن زیدؓ)

5 حضور ﷺ کی لخت جگر حضرت فاطمہؓ سیدۃ النساء ہیں۔ حدیث میں آیا ہے "اے فاطمہ! کیا تجھے یہ بات پسند نہیں کہ تو اہل جنت یا مؤمنین کی عورتوں کی سردار ہو" (بخاری و مسلم)

اسی طرح صدیق اکبر ؓ کی لخت جگر حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہؓ

افضل النساء ہیں۔ حدیث میں آیا ہے ”تمام عورتوں پر عائشہؓ کی فضیلت ایسے ہے جیسے ثرید تمام کھانوں سے افضل ہے“ (بخاری ومسلم)

6 حضور ﷺ کی لخت جگر سیدہ فاطمہؓ حضور ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ کی لخت جگر حضرت عائشہؓ بھی حضور ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔

7 حضرت محمد ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے گھر میں بڑی عسرت اور تنگ دستی کا عالم تھا۔ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی گھر کے کاموں میں بہت مشقت کرنا پڑتی تھی۔ خود چکی پیستیں، خود ہی پانی کی مشک بھر کر لاتیں، چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئیں تھیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کے گھر میں بھی عسرت اور تنگدستی کا یہی حال تھا۔ اور ان کے گھر میں بھی خادمہ نہ تھیں اور انہیں بھی گھر کے کاموں میں بہت مشقت اٹھانی پڑتی تھی۔ گھوڑے کو چارہ کھلاتیں، ڈول سیتی تھیں، اور آٹا گوندھتی تھیں، پانی بھرتی تھیں، اور ایک فرلانگ سے کھجور کی گٹھلیاں سر پر لاد کر لاتی تھیں۔

8 حضور ﷺ کی لخت جگر حضرت سیدہ زینبؓ پر بوقت ہجرت حملہ کیا گیا۔ آپ ہودج میں اونٹ پر سوار تھیں اور آپ پر تیر پھینکے گئے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی کی لخت جگر سیدہ عائشہؓ کی ذات اقدس پر جنگ جمل میں حملہ کیا گیا۔ آپ بھی اس وقت ہودج میں اپنے اونٹ پر سوار تھیں اور آپ پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی گئی۔

9 حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیویوں کو کبھی آپ سے کوئی شکایت نہیں پیدا

ہوئی البتہ نفقہ میں کمی اور کفایت شعاری کا شکوہ ضرور رہا جس دن ازواج مطہراتؓ آنحضرت ﷺ سے نفقہ بڑھانے کا مطالبہ کیا اتفاق سے اسی دن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہی مطالبہ کر رہی تھیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس بات پر غصہ آگیا اور آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لے گئے تاکہ آپ ﷺ کے سامنے واقعہ بیان کر کے اپنی پریشانی دور کریں۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں بھی یہی حال ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا پہلے سے ہی معاہدہ ہو چکا ہے۔ حالانکہ یہ کوئی باہم معاہدہ نہ تھا بلکہ معاہدہ تھا تو فطرت رسول اور فطرت صدیق میں تھا علیہما السلام۔

(10) نبی کریم ﷺ اور سیدنا صدیق اکبرؓ کے نواسوں میں حیرت انگیز وجوہات تشابہ پائی جاتی ہیں۔

(۱) جس طرح یزید کی بیعت سے نواسہ رسول ﷺ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے انکار کیا اسی طرح نواسہ صدیق رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی انکار کیا۔

(۲) بیعت یزید کے مطالبہ پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ دونوں نے پہلے مہلت طلب کی۔ اس وقت ولید بن عتبہ مدینہ کا حاکم تھا اس نے ہر دو حضرات کو طلب کیا۔ ابن زبیر نے تو ایک دن کی مہلت مانگ لی اور راتوں رات مدینہ سے نکل گئے۔ سیدنا حسینؓ ولید کے پاس چلے گئے اور اس سے مہلت مانگی۔ اگلے دن ولید نے یاد دہانی کیلئے پھر آدمی بھیجا، آپ نے ایک دن کی اور مہلت مانگ لی۔ (سیر الصحابہ)

(۳) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے گئے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی شعبان ۶۰ھ میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ مکہ روانہ ہو گئے۔

(۴) جس طرح نواسہء صدیق اکبر ؓ راتوں رات مدینہ سے مکہ نکل گئے۔ اسی طرح نواسہء رسول حضرت حسین ؓ کشمکش اور پریشانی میں اپنے اہل وعیال اور عزیز واقرباء کو لے کر رات کو نکل کھڑے ہوئے۔

(۵) ہر دو حضرات کے ہاتھ پر لوگوں نے خلافت کی بیعت کی۔

مکہ پہنچ کر حضرت حسین ؓ نے شعب ابی طالب میں قیام کیا۔ لوگ جوق در جوق زیارت کیلئے آنے لگے۔ اہل کوفہ کے خطوط کا تانتا بندھ گیا۔ عمائدین کوفہ نے آکر اصرار کیا کہ آپ جلد از جلد کوفہ تشریف لے چلیں وہاں کی مسند خلافت آپ کیلئے خالی ہے۔ آپ نے پہلے اپنے بھائی مسلم ؓ بن عقیل کو وہاں حالات کا جائزہ لینے کیلئے بھیجا۔ مسلم ؓ وہاں پہنچے تو لوگوں نے مسلم ؓ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور خفیہ طور سے ان کے ہاتھ پر سیدنا حسین ؓ کی بیعت کرنے لگے۔ بیعت کا سلسلہ جاری ہوا تو اٹھارہ ہزار کوفیوں نے ان کے ہاتھ پر نواسہء رسول کی خلافت کی بیعت کی۔

حضرت ابن زبیر ؓ نے تہامہ اور اہل حجاز کو اپنی بیعت کی دعوت دی۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور محمد بن حنفیہ ؓ کے علاوہ باقی تمام لوگوں نے بیعت کرلی، بیعت لینے کے بعد انہوں نے یزید کے عمال کو مکہ سے نکال دیا۔ اور یوں مسند خلافت پر متمکن ہو کر عملاً ۹ برس خلافت کی۔

(۶) اسی سیاست اور خلافت کے سلسلے میں ہر دو حضرات کو جام شہادت نوش کرنا پڑا اور ظالم اعداء ومخالفین نے ہر دو حضرات کو اس دردناک اور الم انگیز طریقے سے شہید کیا جس کے تصور سے انسان لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔

(۷) جس طرح ہزاروں کوفیوں نے حضرت سیدنا حسین ؓ کو باصرار بلوا کر غداری

کی اور ساتھ چھوڑ دیا۔ یا تو مسلم بن عقیلؓ کے ساتھ ۱۸ ہزار آدمی تھے یا سب نے ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑ دیا اور مسلمؓ تن تنہا رہ گئے (سیر الصحابہ ج ۶ ص ۱۶۱)

اسی طرح سیدنا عبداللہ ابن زبیرؓ کے ساتھیوں نے غداری کی اور رفتہ رفتہ دس ہزار آدمی ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ کر حجاج سے مل گئے (ایضاً ۲۸۳)

(۸) جہاں سیدنا حسینؓ کے مقابلے میں شامی تھے وہاں سیدنا ابن زبیرؓ کے مد مقابل بھی شامی تھے۔

(۹) جہاں شامیوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو نرغہ میں لے لیا، وہاں سیدنا عبدا للہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا بھی حجاج نے شدید محاصرہ کر لیا۔

(۱۰) جس طرح سیدنا حسین ﷛ کے مقابلے میں شامیوں کا پورا لشکر تھا، اور ان کے ساتھ گنتی کے چند عزیز و اقربا تھے، اسی طرح سیدنا عبداللہ ابن زبیرؓ کے ساتھ معدودے چند اشخاص تھے اور مقابل میں حجاج شامیوں کی فوج لے آیا تھا۔

(۱۱) جہاں نواسہ رسول سیدنا حسینؓ کی شہادت سے پہلے بھائیوں بھتیجوں اور فرزندوں نے بڑھ کر جام شہادت نوش کیا وہاں نواسہ صدیق اکبر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہما کی شہادت سے پہلے بھائیوں اور فرزندوں نے جان کی قربانی دی

(۱۲) جس طرح نواسہ رسول ﷺ خود سب سے آخر میں شہید ہوئے اسی طرح نواسہ صدیق رضی اللہ عنہ بھی آخر میں شہید ہوئے۔

(۱۳) ساتھیوں اور عزیزوں کے شہید ہو جانے کے باوجود ہر دو حضرات کی شجاعت میں کوئی فرق نہ آیا اور اپنی شہادت سے پہلے ہر دو حضرات شیروں کی طرح اپنے مخالفین سے لڑے اور متعدد اعداء و اشقیاء کو تلوار کے گھاٹ اتار کر

خود جام شہادت نوش فرمایا۔

(۱۴) ہر دو حضرات کے مخالف ہزاروں افراد کا لشکر تھا مگر کسی کو نواسہ رسول ﷺ اور نواسہ صدیق رضی اللہ عنہ کے قریب کی ہمت نہ پڑتی تھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مخالف لشکر کو اگر شمر نے ابھارا تو سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مقابل لشکر کو حجاج نے للکارا۔

(۱۵) جس طرح مالک بن شیر کندی کی تلوار سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے کاسہ سر تک پہنچ گئی اسی طرح ایک شامی کے پتھر سے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا سر کھل گیا۔

(۱۶) جس طرح سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سر اقدس سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور سارا بدن خون کے چھینٹوں سے لال احمر ہو گیا اسی طرح حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے چہرہ سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور داڑھی خون سے تر ہو گئی۔

(۱۷) جس طرح نواسہ رسول ﷺ کا سارا بدن زخموں سے چور ہو چکا تھا اسی طرح نواسۂ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ زخموں سے چور ہو چکے تھے۔

(۱۸) ہر دو حضرات کو شہید کرنے کی کسی ایک شقی میں قطعاً ہمت نہ تھی جہاں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو متعدد ملعونوں نے مل کر تیر تلوار اور نیزہ کے پے در پے وار کر کے شہید کیا وہاں سیدنا ابن زبیرؓ کو شامیوں کے انبوہ کثیر نے نرغہ میں لے کر قتل کر دیا۔

(۱۹) نواسہ نبی ﷺ اور نواسہ صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی اپنی شہادت کے سلسلہ میں جس جرأت و بے باکی اور صبر و ثبات کا مظاہرہ فرمایا اس کی مثال انسانیت کی تاریخ میں کم تر ملے گی۔

(۲۰) ہر دو حضرات کو شقی القلب ظالم اعداء نے شہادت کے بعد بھی معاف نہ کیا۔

(۲۱) ہر دو حضرات کے سر مبارک تن اقدس سے جدا کیے گئے۔ اور لاش کی توہین

کی گئی۔

(۲۲) امام ہمام کو شہید کرنے کے بعد بھی سنگ دل اور خونی شامیوں کا جذبہ عناد فرو نہ ہوا۔ اور شہادت کے بعد وحشی شامیوں نے اس جسد اطہر کو جسے رسول ﷺ نے اپنے جسد مبارک کا ٹکڑا فرمایا تھا گھوڑوں کے ٹاپوں سے پامال کیا۔ اسی طرح سنگ دل اور کینہ توز حجاج کی آتش انتقام ابن زبیرؓ کے خون سے نہ بجھی۔ قتل ہونے کے بعد اس نے سر کٹوا کر عبدالملک کے پاس بھجوا دیا اور لاش بیرون شہر ایک بلند مقام پر سولی پر لٹکوا دی۔

(۲۳) سیدنا حضرت حسینؓ کی نعش دو تین دن بے گور و کفن رہی۔ شہادت کے دوسرے یا تیسرے دن غاضریہ کے باشندوں شہداء کی لاشیں دفن کیں۔ (سیر الصحابہ ص ۲۲۴)

ادھر! ستم رسیدہ ماں نے تجہیز و تکفین کی اجازت مانگی لیکن حجاج نے اس کی بھی اجازت نہ دی۔ (ایضاً ص ۲۸۷)

(۲۴) جس طرح حضرت حسینؓ کا لاشہ بے سر کے دفن کیا گیا اسی طرح ابن زبیر کی نعش بھی سر کے بغیر دفن کیا گئی۔

(۲۵) سیدنا حسینؓ کا سر اقدس وجود مقدس سے جدا کر کے پہلے کربلا سے کوفہ پھر کوفہ سے شام روانہ کیا گیا۔ ابن زبیرؓ کے قتل ہونے کے بعد سر کٹوا کر عبدالملک کے پاس شام بھجوا دیا گیا۔

(۲۶) سیدنا حسینؓ کے شہادت کے بعد جس طرح بنات رسول ﷺ نے جرأت ایمانی کا مظاہرہ کیا اور سیدہ زینب بنت فاطمہؓ نے انتہائی جرأت و دلیری کے ساتھ ظالم و جابر گورنر کوفہ ابن زیاد کو دندان شکن جواب دیے۔

اسی طرح بنت صدیق حضرت اسماءؓ نے سیدنا عبداللہؓ کی شہادت کے سلسلہ میں بے مثال صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا اور بے نظیر بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ظالم وشقی حجاج کے دانت کھٹے کیے۔

اس طرح نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبرؓ میں اس حد تک مطابقت پائی جاتی ہے کہ ان کے سیرت، اخلاق اور کردار سے گزر کر ان کے رشتہ اور خون میں یکسانیت پائی جاتی ہے اور ہر دو حضرات کے اعزہ واقارب کی صفات اور آل اولاد کے حالات وسوانح میں مطابقت بلکہ واقعات کی جزئیات میں بھی وحدت ویک رنگی ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

مناصب و علائق

منصب اور تعلقات کے اعتبار سے بھی نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبرؓ کے درمیان ایسی حیرت انگیز مطابقت پائی جاتی ہے کہ انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ مثلاً

1. حضور نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبرؓ دونوں حضرت عمرؓ کے صاحب (ساتھی) ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ (وفات کے بعد) حضرت عمر بن الخطابؓ چارپائی پر رکھے گئے اور میں لوگوں کے ساتھ ان کے لئے اللہ سے دعا مانگ رہا تھا۔ اچانک ایک شخص میرے پیچھے سے میرے کندھوں پر اپنی کہنیاں رکھ کر کہنے لگا: "اللہ آپ پر رحمت فرمائے، بلاشبہ مجھے امید تھی کہ اللہ آپ کو آپ کے صاحبین کے ساتھ کر دے گا۔ کیونکہ میں اکثر رسول اللہ ﷺ

سے سنا کرتا تھا، آپ فرمایا کرتے تھے۔ ''میں اور ابوبکر و عمر تھے، میں نے اور ابوبکر اور عمر نے کیا، میں اور ابوبکر اور عمر چلے، میں اور عمر داخل ہوئے، میں اور ابوبکر اور عمر باہر رہے''

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے توجہ کی تو وہ علیؓ بن ابی طالب تھے۔ (بخاری و مسلم)

2 حضرت عمر فاروقؓ کو جو شان ملی حضور ﷺ کے صدقہ ملی۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ شان بطفیل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ملی۔ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں

اس حقیر کی رائے میں حضرات شیخین جمیع صحابی رضی اللہ عنہم میں ممتاز شان اور منفرد مقام کے مالک ہیں کوئی ان کا شریک نہیں، نیز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے طفیل اس دولت سے مشرف ہیں۔

3 سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس طرح نبی کریم ﷺ سے فیض پایا اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی تربیت پائی ہے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

خواجہ محمد پارسا قدس سرہ نے رسالہ قدسیہ میں تحقیق کی ہے کہ حضرت امیرؓ نے جس طرح حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوۃ والسلام سے تربیت پائی ہے اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ سے بھی پائی ہے۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول ص ۲۷)

4 ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو تمام لوگوں سے زیادہ محبوب حضور ﷺ

اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عروہؓ کا قول ہے۔

''حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے زیادہ محبوب تھے''

5 ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہؓ سے ہر دو حضرات کو بے حد محبت تھی۔

6 جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے جد امجد ہیں، اسی طرح سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے جد امجد ہیں۔

7 جہاں رب العزت نے اپنی کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صاحبکم فرمایا ہے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو صاحبکم فرمایا ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی چادر کا کنارہ پکڑے ہوئے آئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اما صاحبکم فقد غامر معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے صاحب یعنی حضرت ابوبکر ابھی کسی سے لڑ کر آرہے ہیں۔ (صحیح بخاری مناقب المہاجرینؓ باب فضل ابی بکرؓ)

8 ہر دو حضرات علیہما السلام امت کے مقتدا ہیں۔ حضرت شیبہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے میں ان کے ساتھ تھا، فرمایا ''میرا ارادہ ہے کہ بیت اللہ میں جتنا بھی سونا اور چاندی ہے سب مسلمانوں میں تقسیم کر دوں'' میں نے عرض کیا آپ ایسا نہ کریں۔ فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا '' آپ کے دونوں دوستوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے یہ نہیں کیا، فرمایا وہی دو ایسے ہیں جن کی اقتداء کرنی چاہیے'' (صحیح بخاری کتاب الحج باب کسوۃ الکعبہ)

9 ہر دو حضرات امت مسلمہ کے مقتدا تو ہیں لیکن وحدت کا کمال یہ ہے کہ یک

دت ایک ہی نماز میں دونوں امام ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا مرض شدت اختیار کر گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ابوبکر سے کہہ دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

چنانچہ حضور ﷺ کے اصرار پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دنوں نماز پڑھائی۔ ایک دن حضور ﷺ کو تکلیف میں تخفیف محسوس ہوئی اور آپ دو شخصوں کا سہارا لے کر تشریف لائے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آہٹ پا کر پیچھے ہٹنے لگے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ پیچھے نہ ہوں۔ آپ تشریف لائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بائیں طرف بیٹھ گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر اور حضور ﷺ بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے ہیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی اقتداء کرتے تھے، اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

10 حضور کریم ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی آسمانوں میں مکتوب و مرقوم ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ ابو یعلی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مجھے آسمانوں کی طرف اٹھایا گیا۔ میں کسی آسمان سے نہیں گزرا مگر میں نے اس میں اپنا نام لکھا ہوا دیکھا محمد رسول اللہ ﷺ اور اپنے بعد ابوبکر صدیقؓ لکھا ہوا دیکھا"

(تاریخ الخلفاء فصل فی الاحادیث الواردۃ فی فضلہ (ابی بکر الصدیق)

11 جس طرح حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حضور کریم ﷺ کی مدح و تعریف میں

رطب السان رہتے تھے اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مدح بھی کرتے تھے۔

(12) ہر دو حضرات کی شان میں کفار و مشرکین گستاخیاں کرتے تھے۔ مؤرخ ندویؒ لکھتے ہیں:۔ کعب اور بجیر دو بھائی تھے، ان کے باپ زہیر جاہلیت کے مشاہیر شعرا میں تھے اس لئے شاعری ان دونوں کو ورثا ملی تھی۔

بجیرؓ مشرف باسلام ہو گئے۔ کعب کو ان کے اسلام کی خبر ہوئی تو انہوں نے جوش انتقام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخانہ اشعار کہہ ڈالے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سنے تو آپ کو بڑی تکلیف ہوئی اور آپ نے اعلان کر دیا کہ کعب جہاں ملے اس کا کام تمام کر دیا جائے۔

(13) ہر دو حضرات جہاں مشرکین مکہ کے ظلم و تشدد کا ہدف و نشانہ بنے، وہاں زبان و بیان سے بھی ہر دو حضرات کو ستایا گیا اگر کفار و مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہا و یقولون انه لمجنون (پارہ ۲۹ سورۃ القلم)

(14) تو انہی کفار و مشرکین نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی مجنوں کہا قالو ھذا ابن ابی قحافه لمجنون (ترجمہ از لزالۃ الخفاء مقصد اول فصل سوم تفسیر آیات خلافت)

(15) کفار و مشرکین مکہ کے ہر دو حضرات علیہما السلام پر ظلم و جور حد سے بڑھ گئے۔ حتیٰ کہ مکہ کی وسیع و عریض زمین ان پر تنگ کر دی گئی۔ اور ظالم قوم نے وطن عزیز سے ہر دو حضرات کو نکال دیا۔ جب مکہ مکرمہ میں اعلائے کلمۃ اللہ کی کوئی صورت باقی نہ رہی اور اسلام کی دعوت و تبلیغ کا راستہ مسدود ہو گیا۔ تو مجبوراً اشاعت دین کے مقصد اعلیٰ کے پیش نظر ہر دو حضرات نے سرداران قریش کا جوار

قبول کیا۔اور سرداران قریش کی پناہ وحمایت منظور کی۔

آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کی وفات کے بعد مکہ والوں نے آپ ﷺ کو نکال دیا تو آپ دعوت دین کی خاطر طائف چلے گئے۔لیکن جب طائف والوں نے بھی آپ کو سخت تکالیف پہنچائیں تو آپ مکہ واپس ہوئے اور سردار مطعم بن عدی کو پناہ کے لئے کہا۔اس نے آپ کو پناہ دی اور اپنے بیٹوں کو آپ کی حفاظت کا حکم دیا یوں آپ مکہ تشریف لائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات میں آتا ہے۔کہ آپ اہل مکہ کے مظالم سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کے ارادے سے روانہ ہوئے راستہ میں قبیلہ قارہ کے سردار ابن ابی الدغنہ سے ملاقات ہوگئی۔اس نے آپ کو ہجرت سے روکا اور اپنی پناہ میں مکہ واپس لے آیا۔

تو مکہ سے نکلنا اور پھر کسی کی پناہ میں واپس آنا۔یہاں بھی ہر دو حضرت علیہما السلام میں مطابقت ہے۔

(14) اہل مکہ نے جب نبی اکرم ﷺ کے خاندان کا بائیکاٹ کر دیا تو حضور ﷺ اپنے چچا ابو طالب اور سارے خاندان کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہوئے۔وہاں تین سال کی طویل مدت انتہائی مصائب میں گزری۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھلا کسی کام میں نبی علیہ السلام کی متابعت کے بغیر کیسے رہ سکتے تھے،وہ بھی از خود اس مصیبت میں شریک ہوگئے۔اور تین سال حضور ﷺ کے ساتھ ہی گزار دیئے۔

ارشاداتِ قرآنی والقاباتِ ربانی

حضرت نبی کریم ﷺ اور حضرت صدیق اکبر ؓ میں باہمی توافق وتشابہ اور مطابقت ووحدت کی انتہا یہ ہے کہ ارشادات قرآنی والقابات ربانی میں بھی اس کی جھلک موجود ہے مثلاً

① اتقیٰ واکرم

ہر دو حضرات کو اتقی اور اکرم کا اعلیٰ لقب دیا گیا، ''ترمذی طبرانی ابن مردویہ ابو نعیم اور بیہقی نے (دلائل میں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا۔

وانا اتقی ولد ادم واکرمھم علی اللہ تعالیٰ ولا فخر

میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اولاد آدم سے اتقی (پرہیز گار) اور اکرم (معزز) ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے (یعنی یہ تحدیث نعمت ہے)

ادھر قرآن کریم میں سیدنا صدیق اکبر ؓ کو اتقی فرمایا جا رہا ہے۔ اور آپ اکرم بھی ہیں۔

وسیجنبھا الاتقی ○ الذی یؤتی مالہ یتزکی ○

اور جہنم سے اتقی (پرہیزگار) صاف بچا دیا جائے گا جو اپنا مال اس غرض سے دیتا ہے کہ پاک ہو جائے۔ (الیل)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ آیت کے الفاظ عام ہیں مگر اس کا سبب حضرت ابوبکر ؓ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے

حضرت بلالؓ وغیرہ کو خرید کر اللہ کیلئے آزاد کر دیا تھا۔ (تفسیر بیان القرآن)

تو اس آیت میں حضرت ابو بکر صدیق ﷛ کو اتقی فرمادیا گیا ہے اور دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے۔

"ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (حجرات)

(بلاشبہ اللہ کے نزدیک تمہارا اکرم (معزز) وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ اتقی (پرہیزگار) ہے۔ تو حضرت ابو بکرؓ اتقی ہیں اور اکرم بھی ہوئے)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ابن جریرؒ نے عامر ﷛ بن عبد اللہ بن زبیرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیات ابو بکر ﷛ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

③ بشارت رضا ربی

اللہ رب العزت نے ہر دو حضرات کو اپنی رضاء کی بشارت دی ہے۔ حضور ﷺ سے ارشاد فرمایا گیا **ولسوف یعطیک ربک فترضی**

اور عنقریب آپکا پروردگار آپ کو دنیا و آخرت میں بکثرت نعمتیں دیگا۔ سو آپ راضی ہو جائیں گے (پارہ ۳۰ سورہ الضحیٰ)

اور اس سے متصل پہلی سورۃ میں سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا گیا **ولسوف یرضیٰ**

اور یہ شخص عنقریب راضی ہو جائے گا (سورۃ الیل)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ ان آیات کا نزول سیدنا صدیق اکبر ﷛ کی شان میں ہوا۔

③ محبت ومحبوب الٰہی

قرآن پاک میں آیا ہے

یا ایھاالذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ

اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے پھر گیا اپنے دین سے، پس اللہ تعالیٰ جلد ہی ایک قوم لے آئے گا جو اس سے محبت کرے گی اور اللہ ان سے محبت کرے گا۔ (تاریخ الخلفاء)

امام بیہقیؒ کہتے ہیں حسن بصریؒ نے اس آیت کے بارے میں ارشاد فرمایا خدا کی قسم! وہ ابوبکر اور ان کے اصحاب ہیں، جب عرب مرتد ہو گئے تو ابوبکر اور ان کے ساتھیوں نے ان سے جہاد کیا اور ان کو اسلام کی طرف پھیر لائے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی اس آیت کا مورد یہی بیان کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے زیر سایہ اور ان کے حکم سے جہاد کرنے والے اللہ تعالیٰ کو اسی طرح محبوب ہیں جس طرح نبی علیہ السلام کی اتباع کرنے والے۔ جن کے متعلق ارشاد ربانی ہے

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران)

آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے

تو حضور ﷺ کی اتباع کی طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اتباع بھی محبوبیت خدا کی موجب ہے۔

④ آپس میں رحیم، کفار پر سخت

اسی آیت قتال میں اصحاب صدیق ؓ کی شان میں آیا ہے

اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکافرین (مائدہ)

وہ مسلمانوں پر نرم دل ہوں گے اور کافروں پر سخت ہوں گے۔

اصحاب رسول ﷺ کی شان میں آیا ہے

محمد رسول اللہ و الذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینھم

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت اور آپس میں نرم دل ہیں (فتح)

وحدت و یک رنگی کا کمال ملاحظہ ہو کہ اصحاب و متبعین میں بھی وحدت و یک رنگی پیدا ہو گئی اور دونوں کے اوصاف ایک سے ہو گئے۔

⑤ ملامت سے بے خوف و بے نیاز

اسی آیت قتال مرتدین میں ارشاد ہوتا ہے

ولا یخافون لومة لائم (پارہ ٦)

اور وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے

اسی طرح حضرت عبادہؓ بن صامت سے ایک حدیث مروی ہے جس میں انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے جن باتوں پر نبی علیہ السلام سے بیعت کی ایک ان میں تھی لا نخاف فی اللہ لومة لائم کہ ہم اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کریں گے۔

تو گویا ہر دو حضرات علیہما السلام کے ساتھی کسی اللہ کی خاطر کی ملامت سے بے

خوف و بے نیاز تھے۔

⑥ فضل الٰہی کے مورد خاص

نبی علیہ السلام اور صدیق اکبر دونوں پر اللہ کا خاص فضل ہے۔

آیت قتال مرتدین میں مجاہدین صدیق اکبرؓ کے اوصاف بیان فرمانے کے بعد رب العزت ارشاد فرماتے ہیں **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء** (مائدہ) یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہیں عطا فرمادیں

حضور ﷺ کی بعثت اور شان نبوت کا ذکر فرمانے کے بعد اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء (جمعہ)**

غور فرمائیں کہ ارشاد ربانی کے الفاظ ہر دو حضرات کے لئے بالکل ایک ہیں۔

⑦ لاتحزن

ہر دو حضرات کو لاتحزن کے دلآویز خطاب سے نوازا گیا۔

حضور ﷺ سے ارشاد فرمایا گیا

ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون ٥ (نحل)

(اور ان کا غم نہ کھایئے اور یہ جو مکر جاتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہوں)

ادھر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بھی ارشاد فرمایا گیا

اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا (توبہ)

(جب رسول ﷺ اپنے رفیق سے فرمارہے تھے کہ تم میرا غم نہ کھاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے)

8 ثانی اثنین

ہر دو حضرات کو ثانی اثنین کا لقب ملا۔

اسی آیت ہجرت میں حضور ﷺ کو ثانی اثنین کے لقب سے ملقب فرمایا گیا۔

اذ اخرجه الذین کفروا ثانی اثنین اذھما فی الغار (توبہ)

جب کہ یہی لقب یار غار صدیق اکبرؓ کا بھی ہے۔

تو حضرات نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبرؓ کے مابین ارشادات الٰہی و القابات ربانی میں بھی مطابقت و مشابہت بلکہ وحدت و ہم آہنگی موجود ہے

مرض وفات

جو مرض ہر دو حضرات علیہما السلام کی وفات کا باعث بنی اس میں بھی حیرت انگیز مطابقت اور تشابہ پایا جاتا ہے۔

1 نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دونوں حضرات کی بیماری اور وفات میں زہر کا دخل اور اثر تھا۔

2 ہر دو حضرات علیہما السلام کو یہ زہر یہود نے دیا تھا۔

3 اور ہر دو حضرات علیہما السلام کو یہ زہر کھانے میں دیا گیا تھا۔

4 جس کھانے میں زہر دیا گیا وہ ہر دو حضرات علیہما السلام کو بطور ہدیہ پیش کیا گیا۔

5 پھر یہ زہر زود اثر نہ تھا بلکہ ہر دو حضرات پر ایک مدت کے بعد اس نے اثر کیا۔

6 ہر دو حضرات علیہما السلام کے ساتھ زہریلے کھانے میں دوسرا آدمی بھی شریک تھا۔ اس پر زہر نے فوراً اثر کیا اور وہ انتقال کر گیا۔

7 چونکہ ان حضرات علیہما السلام کی وفات مقدسہ کا اصل سبب زہر تھا۔ اس لئے در حقیقت ان کی وفات شہادت سے ہوئی۔ گو بظاہر جام شہادت نوش نہیں فرمایا۔ اس طرح شہادت کے شرف سے بھی مشرف ہو گئے۔ لیکن شہادت کی ظاہری تکلیف وتوہین سے بھی بچ گئے رب العزت نے اپنے ان خاص الخاص محبوب ومکرم بندوں کو خاک وخون میں تڑپانا گوارا نہ فرمایا۔

8 ہر دو حضرات علیہما السلام کی مرض وفات کی ظاہری نوعیت یہ تھی کہ بخار ہوا۔

9 یہ بخار دو ہفتے رہا۔ اسی طرح ہر دو حضرات کی مدت علالت تقریباً دو ہفتے بنتی ہے۔

10 ہر دو حضرات علیہما السلام کا بخار نہایت شدید تھا۔

11 ہر دو حضرات علیہما السلام کی بیماری اس قدر شدید تھی اور بخار اس درجہ تیز تھا کہ غشی کے دورے پڑ جاتے تھے۔

12 اور اسی تکلیف سے آخری ایام مرض میں مسجد تک تشریف لے جانا مشکل ہو گیا اور ہر دو حضرات علیہما السلام نے امامت صلوٰۃ کے لئے دوسرے آدمی کو حکم دیا۔ ہر دو حضرات علیہما السلام نے جس صاحب کو حکم دے کر اپنے مصلی پر کھڑا کیا۔ وہ بعد میں قوم وملت کا مستقل امام بنا، یعنی حضور ﷺ کے قائم مقام صدیق اکبرؓ اور صدیق اکبرؓ کے قائم مقام حضرت عمرؓ منصب خلافت پر فائز ہوئے۔

13 ہر دو حضرات علیہما السلام پر بے حد ضعف ونقاہت طاری تھی۔

14 ہر دو حضرات علیہما السلام کو سہارے کے بغیر چلنا بلکہ کھڑا ہونا بھی مشکل تھا۔ باوجود شدید ضعف ونقاہت کے ہر دو حضرات علیہما السلام نے آخر وقت مسجد نبوی میں جھانکا۔

15 اہل مسجد ان حضرات علیہما السلام کے جلوۂ جمال اور ارشاد سے مسرور و مشرف ہوئے۔

16 ہر چند کہ علاج معالجہ سنت کے خلاف نہیں مگر طبعاً حضور کریم ﷺ صدیق اکبرؓ دونوں کو دوا نوشی گوارا نہ تھی۔

17 نبی اکرم اور صدیق اکبرؓ کی حیات طیبہ کا لمحہ لمحہ خدمت دین میں صرف ہوا۔ حتیٰ کہ عالم نزع میں بھی ہر دو حضرات علیہما السلام برابر اس مقدس فرض کی سرانجامی میں مصروف و منہمک رہے۔

18 ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ ہر دو حضرات علیہما السلام نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں باطل کے مقابلے میں اسلامی لشکروں کی روانگی کا حکم فرمایا۔

19 پھر جہاں حضور ﷺ نے باوجود بے حد نقاہت و تکلیف کے حضرت اسامہؓ کو شرف ملاقات بخشا، وہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حد درجہ ضعف و نقاہت کے باوجود مثنیٰ شیبانیؓ کو اپنے پاس بلوالیا اور حالات سنے۔

20 پھر جس طرح حضور ﷺ کے مامور جیش حضرت اسامہؓ کی روانگی خلیفہ رسول ﷺ سیدنا صدیق اکبرؓ کے ہاتھوں نفاذ پذیر ہوئی۔

اسی طرح حضرت مثنیٰؓ کی مدد کے لئے جیشؓ کی روانگی خلیفہ صدیقؓ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں عمل میں آئی۔

عالم نزع

1 ہر دو حضرات کی وفات کے وقت شدت کی تکلیف پیش آئی۔

2 ہر دو حضرات علیہما السلام کی وفات کے وقت ان کی صاحبزادیاں ان کے

پاس موجود تھیں۔

نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی لخت جگر سیدہ فاطمہؓ آپ ﷺ کے پاس موجود تھیں۔ اور سیدنا صدیق اکبرؓ کی وفات کے وقت ان کی لخت جگر حضرت عائشہؓ سرہانے موجود تھیں اور ہر دو نے اپنے جذبات غم والم کا اظہار فرمایا۔

3 روایات سے پتہ چلتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے آخری لمحات میں جو کلمات ارشاد فرمائے وہ کچھ یوں ہیں

مع الذین انعمت علیھم من النبیین و الصدیقین و الشھداء و الصالحین

الٰہی! مجھے ان حضرات کی معیت عطا فرما جن پر آپ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء (متفق علیہ)

طبقات ابن سعد میں ایک روایت یوں ہے کہ آپ نے فرمایا

مع الرفیق الاعلیٰ فی الجنۃ مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین و الصدیقین و الشھداء و الصالحین و حسن اولئک رفیقا

آخر میں یہ دعا کی اللھم الرفیق الاعلیٰ

سیدنا صدیق اکبرؓ سے آخر میں یہ دعا منقول ہے۔

توفنی مسلما والحقنی با الصالحین

(اے میرے پروردگار مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دینا اور مرنے کے بعد مجھے صالحین کے ساتھ ملا دینا)

وفات

1 دونوں حضرات علیہما السلام کا یوم وفات ایک ہی ہے۔ یعنی دوشنبہ

2 ہر دو حضرات علیہما السلام کی وفات پر پورے مدینہ میں غم و اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں پر کرب وتاسف کی ایک جیسی کیفیت طاری تھی۔

3 تجہیز و تکفین میں بھی کامل وحدت تھی ہر دو حضرات علیہما السلام کو تین کپڑوں میں دفن کیا گیا اور ہر دو حضرات کا جنازہ بھی ایک ہی چارپائی پر رکھا گیا۔

4 ہر دو حضرات کی تدفین رات کو عمل میں آئی۔

5 ہر دو حضرات علیہما السلام ایک ہی بقعہ مبارک میں "روضۃ من ریاض الجنۃ" میں قیامت تک استراحت فرما ہیں۔

6 ہر دو حضرات علیہما السلام کی مدت حیات ایک ہی ہے۔ یعنی تریسٹھ برس ہے۔

7 ہر دو حضرات علیہما السلام نے جب وفات پائی تو میراث میں کچھ بھی نہ چھوڑا۔ اور نہ ہی کسی چیز کی وصیت فرمائی۔

8 ہر دو حضرات علیہما السلام نے جس طرح ذاتی میراث میں کچھ نہ چھوڑا اسی طرح بیت المال میں بھی کچھ نہ چھوڑا۔ جو کچھ آتا تھا مسلمانوں پر خرچ کر دیتے تھے۔

9 جس طرح رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ صدیق اکبر حضور ﷺ کے بعد افضل الامت ہیں اسی طرح صدیق اکبرؓ کے خلیفہ فاروق اعظمؓ صدیق اکبرؓ کے بعد افضل الامت ہیں۔

کمال مشابہت

بیان کردہ ان حالات وواقعات سے یہ معلوم ہو گیا کہ صدیق اکبرؓ کی ذات مبارک کو نبی علیہ السلام سے کس قدر کمال شباہت نصیب تھی۔ لیکن کیا یہ محض اتفاقات تھے جن کو تاریخ سے اخذ کر لیا گیا؟ نہیں ان کی نبی علیہ السلام کے ساتھ اس مشابہت کو ان کو دیکھنے والے بھی محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

ہجرت کے موقع پر نبی اکرم ﷺ صدیق اکبرؓ کو لے کر مدینہ طیبہ پہنچے ہیں۔ اہل مدینہ کے دیدو دانش رکھنے والے لوگ سامنے کھڑے دیکھ رہے ہیں کہ مہمان آ رہے ہیں۔ انہوں نے اس وقت سیدنا صدیق اکبرؓ کو اللہ کا پیغمبر سمجھ کر سلام کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ صدیق اکبرؓ مصافحہ کرتے رہے تاکہ میرے محبوب ﷺ کی تھکاوٹ میں مزید اضافہ نہ ہو۔ جب سب حضرات مصافحہ کر کے بیٹھ چکے اس وقت سورج نکل آیا۔ اس وقت لوگوں نے دیکھا کہ جس کو وہ نبی سمجھ رہے تھے انہوں نے اپنی چادر اٹھائی اور اپنے ساتھی کے سر پر بچھا دی۔ دنیا کو پھر پتہ چلا کہ تابع کون ہے اور متبوع کون ہے، نبی کون ہے اور امتی کون ہے۔ قربان جائیں صدیق اکبرؓ آپ کی اتباع سنت پر کہ آپ کے سامنے اتنے لوگ موجود تھے مگر وہ آقا اور غلام میں فرق نہ کر سکے۔ گفتار میں، کردار میں، رفتار میں، اور لباس میں اتنی مشابہت تھی، نقل اپنے آپ کو اصل کے اتنا قریب کر چکی تھی کہ کسی کو فرق کا پتہ ہی نہ چلا۔

آپ کی نبی علیہ السلام کے ساتھ اس مناسبت ومشابہت کا اعتراف تو جلیل القدر صحابہ بھی کیا کرتے تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ انتقال فرما گئے تو ان

ایک چادر اوڑھا دی گئی۔ حضرت علیؓ تشریف لائے اور انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور فرمانے لگے

اے ابوبکر! آپ رسول خدا ﷺ کے دوست تھے اور سیرت و عادت راست روی و مہربانی اور فضل و بزرگی میں رسول خدا ﷺ کے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

خود نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ بر سر منبر فرمایا کہ اے لوگو! ابوبکر وہ ہیں جنہوں نے زندگی بھر مجھے مغموم نہیں کیا۔ مطلب یہ کہ ان کے اعمال و افعال ہمیشہ نبی کریم ﷺ کے مزاج اور سوچ کے موافق رہے۔

صدیق اکبر کا عشق رسول ﷺ

سوچنے کی بات ہے کہ صدیق اکبرؓ کو نبی علیہ السلام سے یہ کمال تشابہ اور اتحاد و اتفاق کیسے حاصل ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ انتہا درجہ کا عشق تھا۔ ان کی سوچ فکر، اور مزاج پر نبی علیہ السلام کا عشق حاوی ہو چکا تھا۔ اسی عشق رسول ﷺ کی وجہ سے ان کی فطرت حضور ﷺ کی فطرت کے قریب تر ہو گئی تھی۔ ان کے باطن کی تاریں کچھ اس طرح سے حضور ﷺ کے باطن سے مل گئی تھیں کہ جو افعال بھی ان کی ذات سے نکلتے تھے اس پر عشق رسول ﷺ کی چھاپ لگ جاتی تھی۔ ان کے عشق رسول ﷺ کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ

ایک محفل میں اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تین چیزیں محبوب ہیں۔ جب سیدنا صدیق اکبرؓ نے سنا تو تڑپ کر بولے، اے اللہ کے محبوب ﷺ

! مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کونسی؟ عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! ایک آپ ﷺ کے چہرے انور کو دیکھتے رہنا اور دوسرا آپ ﷺ پر اپنا مال خرچ کرنا اور تیسرا یہ کہ میری بیٹی آپ کے نکاح میں ہے۔ سبحان اللہ، انہوں نے تین باتیں کہیں اور دیکھیں کہ تینوں کا مرکز اور محور محبوب ﷺ کی ذات اقدس بن رہی ہے۔ مرشد کی ذات بن رہی ہے۔ محبت شیخ کا اس سے اعلیٰ کوئی اور مقام نہیں ہو سکتا جو سیدنا صدیق اکبرؓ کو نصیب تھا۔

عشق رسول ﷺ کا نتیجہ

سیدنا صدیق اکبرؓ کے اس عشق رسول ﷺ کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات سے ایک ایسی مناسبت حاصل ہو گئی کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا مَا صَبَّ اللّٰهُ فِي صَدْرِي اللہ نے میرے سینے میں جو کچھ ڈالا اِلَّا وَ قَدْ صَبَبْتُهُ فِي صَدْرِ اَبِي بَكْرٍ میں نے اس سب کچھ کو ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا ہے۔ یہ ہوتی ہے نسبت اتحادی۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کی انتہا درجے کی محبت رسول ﷺ اور اتباع رسول ﷺ کی وجہ سے ان کے اندر ایسی استعداد پیدا ہو چکی تھی کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے علوم نبوت کو ان کے سینے میں القا فرما دیا۔

سیدنا عمر ابن الخطابؓ نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ حضور نبی کریم ﷺ پر بارش ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ کے جہاں قدم مبارک ہیں وہاں ابوبکر صدیق کا سر ہے۔ بارش کا جو پانی نبی اکرم ﷺ پر آ رہا ہے وہ سارے کا سارا ابوبکر صدیق پر آ رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے آپ کو بھی قریب کھڑے دیکھا۔ عمر ابن

الخطاب کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق سے چھینٹے اڑ کر میرے اوپر پڑ رہے ہیں اور میں بھی بھیگا چلا جا رہا ہوں۔ صبح اٹھے اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! میں نے رات خواب میں یہ چیزیں دیکھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، عمر! یہ علوم نبوت تھے جو بارش کی طرح میرے اوپر برس رہے تھے، صدیقؓ کو چونکہ میرے ساتھ کمال مناسبت نصیب ہے اس لئے وہ مجھ سے سب سے زیادہ کمالات پا رہا ہے اور اس کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے تم بھی ان علوم کو حاصل کر رہے ہو۔

عارف ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ اسرار و لطائف بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عنہما نبوت محمد کے بار کے حامل ہیں۔

ایک اور جگہ پر فرماتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو گویا رسول اللہ ﷺ کے ہم منزل ہیں اور فرق ہے تو صرف اوپر اور نیچے کا (یعنی حضور ﷺ بالائی منزل میں ہیں اور ابوبکر صدیق اس محل کی نچلی منزل میں ہیں)

صدیقی نسبت

نبی اکرم ﷺ سے علوم نبوت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حاصل کیے اور علوم ولایت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حاصل کیے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جس کسی نے تربیت اور فیض پایا انہوں نے ان سے انہی علوم نبوت کا فیض حاصل کیا۔ تو اس طرح ایک سلسلہ طریقت آگے چلا جس کو شروع میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نسبت

سے صدیقی سلسلہ کہتے تھے اور ان کی نسبت کو صدیقی نسبت کہتے تھے۔ بعد ازاں ایک جلیل القدر شیخ حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبند بخاریؒ کے سلسلہ میں آنے سے یہ سلسلہ نقشبندیہ مشہور ہو گیا۔ تو سلسلہ نقشبندیہ کے سرخیل اور امام حضرت صدیق اکبرؓ ہیں۔

دستور عمل

سالکین طریقت کیلئے جناب صدیق اکبرؓ کی زندگی ایک روشن مثال ہے۔ ہر وہ سالک جو اس سلسلہ کی نسبت کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کو چاہئے کہ ایک تو وہ اپنے شیخ سے محبت اور کمال مناسبت پیدا کرے۔ دوسرا ہر ہر عمل و فعل میں اتباع سنت کا اہتمام کرے۔ کیونکہ سلسلہ کے امام سیدنا صدیق اکبرؓ نے اس نسبت کو اسی طریقہ سے حاصل کیا۔ اور یہی ان کے متوسلین اور پیروکاروں کیلئے دستور عمل ہے۔ جو کوئی بھی اس دستور عمل کو اپنائے گا وہ اس نسبت کے نور سے فیض یاب ہو گا۔

رہے سلامت تمہاری نسبت

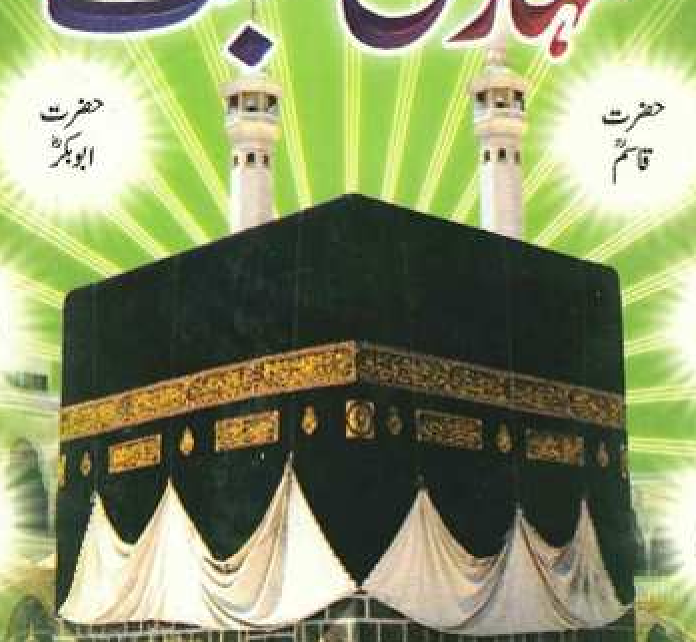

حضرت ابوبکرؓ

حضرت قاسمؒ

حضرت یعقوب چرخیؒ

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ

حضرت بایزید بسطامیؒ

حضرت فضل علی قریشیؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حضرت غلام حبیبؒ

حضرت خواجہ محمد معصومؒ

حضرت عبدالمالک صدیقیؒ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

دارالکتاب دیوبند

باب 7

نورنسبت کا حصول

اللہ تعالیٰ نے نورنسبت کے حصول کی استعداد اور صلاحیت ہر انسان میں رکھی ہے۔ ہر شخص اس کو حاصل کرسکتا ہے لیکن طلب اور محنت اس کے لئے شرط ہے۔ نبوت تو عطائی چیز ہے لیکن نورنسبت ایک کسبی چیز ہے۔ جو بندہ بھی صدق دل سے اس کے لئے محنت کرے، اسے حاصل کرسکتا ہے۔ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾

''جو بندہ بھی ہمارے لئے محنت کرتا ہے اسے، ہم اپنے راستے دکھادیتے ہیں''

معلوم ہوا کہ جو بندہ بھی نورنسبت کے حصول کی تمنا رکھتا ہے اوراس کے لئے کوشش کرتا ہے وہ محروم نہیں رہتا۔ اولیائے کرام اور مشائخ عظام اس کے حصول کے لئے ہماری رہنمائی فرماتے ہیں۔ کچھ ذرائع ایسے ہیں جن کو اختیار کرنے سے اس نعمت کا حصول جلدی اور آسان ہو جاتا ہے۔ اور کچھ رکاوٹیں ایسی ہیں جو اس کے حاصل ہونے میں مانع رہتی ہیں۔ طالبین کی راہنمائی کے لئے دونوں کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن ان اوامر ونواہی کے اختیار کرنے سے پہلے بھی ایک چیز ہے جو حصول نسبت کے لئے ضروری ہے وہ ہے ''طلب صادق''۔

طلب صادق اور ہمت:

حصولِ نسبت کے لئے سب سے پہلے طلب صادق اور ہمت کا ہونا ضروری ہے کہ ہر کام سے پہلے اس کا مضبوط داعیہ پیدا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

طلب صادق مرکب ہے دو حروف سے ''طلب'' اور ''صادق''۔ ایک تو طلب ہو اور وہ بھی صادق ہو۔ سب سے پہلا کام طلب ہے کہ کسی چیز کی پہلے طلب ہوتی ہے پھر کوشش ہوتی ہے اور پھر حصول ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا تو بغیر طلب کے نہیں مل سکتی، خدا طلبی اور بلا طلبی یہ کیسے ممکن ہے؟ یاد رکھیں دنیا کی سب چیزیں بغیر طلب کے مل سکتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بغیر طلب کے نہیں مل سکتے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

﴿ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴾ (ھود:۲۸)

''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم ہدایت کو تمہارے اوپر منڈھ دیں جب کہ تم اسے نہ چاہتے ہو''

لہٰذا سب سے پہلے بندے میں حصولِ نسبت کی طلب ہونی چاہئے۔

پھر یہ کہ طلب ''صادق'' ہونی چاہیے۔ صادق سے مراد طلب میں خلوصِ نیت ہو۔ طالب خالص اللہ کی رضا حاصل کرنے کی نیت رکھتا ہو اور اس کی نیت میں کسی قسم کا جلی یا خفی فتور واقع نہ ہو۔ جیسے ایک طالب علم کسی بزرگ کے پاس کافی عرصہ تک رہا اور اسے فائدہ نہ ہوا۔ ایک دن اس نے اپنے شیخ سے شکایت کی کہ حضرت میں آپ کے پاس مدتوں رہا لیکن میرے قلب کی حالت درست نہیں ہوئی۔ شیخ نے دریافت فرمایا کہ درستگی سے تمہارا کیا مقصود ہے؟ اس نے جواب دیا کہ حضرت! جو نعمت آپ سے ملے گی اسے دوسروں تک پہنچاؤں گا۔ شیخ نے فرمایا بس اسی نیت کی ہی تو ساری خرابی ہے کہ تم نے پہلے ہی پیر بننے کی ٹھان رکھی ہے تمہیں فائدہ کیا ہو؟ اس بیہودہ

خیال کو دل سے نکال دو اور یہ نیت کرو کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے اور بندگی بجا لانے کا طریقہ آ جائے۔

طلب صادق کے ساتھ ہمت بھی ضروری ہے۔ ہمت سے مراد مضبوط قوت ارادی ہے یعنی مصمم ارادہ۔ اب ایک شخص تمنا تو بہت رکھتا ہو لیکن کچھ کرنے کی ہمت ہی نہ کرتا ہو تو خالی تمنا سے تو کچھ نہیں بن سکتا۔ نسبت مع اللہ جیسی مہتم بالشان چیز کے حصول کے لئے بہت ہی مستقل مزاجی کی ضرورت ہے۔ بندہ لوہے کا لنگوٹ باندھ کر محنت اور مجاہدے میں لگ جائے کہ یہ انسان کے ذمے ہے البتہ نتیجہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ بزرگوں نے یہ لکھا ہے کہ ''جب تک سالک ہالک نہ بنے اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا''، یعنی اس میں اتنی جواں ہمتی ہو کہ وہ اس کام میں اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے در پے ہو جائے۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ ''تصوف اضطراب کا دوسرا نام ہے اضطراب نہ رہا تو تصوف نہ رہا'' یعنی انسان کو ہر وقت ایک فکر مضطرب کرتی رہے کہ میرا ہر ہر لمحہ اللہ کی یاد اور اللہ کے حکموں کے مطابق گزر جائے جو وقت اس کا اس اضطراب سے خالی گزرا گویا وہ تصوف کی پٹڑی سے اتر گیا۔

ایک دفعہ ایک صاحب حضرت عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئے۔ ان کی خانقاہ پر کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ ہر وقت ذکر اذکار، نماز، تلاوت اور مراقبات میں مشغول ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر انہوں نے اپنے احباب میں ذکر کیا کہ یہ چکی تو ہم سے نہ پیسی جائے گی۔ حضرت اس سے مطلع ہو گئے یا کسی نے عرض کر دیا تو ان کی اصلاح کے لئے محفل میں فرمانے لگے کہ دوست یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے حصے کی پڑیا بنی بنائی رکھی ہے مل جائے گی، جیب میں ڈال کر واپس آ جائیں گے مگر یہاں بغیر محنت کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر ان کو اطلاع ملی کہ

فلاں صاحب یہاں کی شب و روز کی محنت کو دیکھ کر گھبراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اتنی محنت کون کرے۔ آپ نے پھر دوبارہ بڑے جوش سے فرمایا

''اگر کوئی گھر آپ کو ایسا معلوم ہو جہاں دو روٹیاں پکی پکائی مل جاتی ہوں تو میں بھی ٹوکری پکڑ کر آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں تاکہ کچھ حاصل کرسکوں۔ دوست بار بار چکی پیسنی کی شکایت کرتے ہیں، میں تو کہتا ہوں کہ چکی پیسنے کا مرحلہ تو بہت دیر بعد کی بات ہے پہلے تو زمین کو جوتنا ہے، اچھا بھلا بیج گھر سے نکال کر کھیت میں بکھیرنا ہے پھر پانی لگانا ہے، اور جب پک جائے تو اب کاٹنا ہے، گاہنا ہے اور غلہ بھوسہ سے الگ کرنا ہے اس کے بعد چکی پیسنے کی باری آتی ہے۔ چکی پیس کر آٹا بنانے کے بعد اسے مشقت سے گوندھنا بھی ہے اور پھر اسے پکانے کا انتظام بھی کرنا ہے۔ پکنے کے بعد اب روٹی کو توڑ کر منہ میں لے جانے اور نگلنے کی مشقت بھی کرنی ہے ان ساری کوششوں کے بعد اگر ہضم ہو جائے تو محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے ورنہ قے ہو کر باہر بھی آسکتا ہے۔''

کسی دوست نے عرض کیا کہ حضرت! ماں بچے پر کتنی شفیق ہوتی ہے کہ سوئے ہوئے بچے کو اٹھا کر دودھ پلاتی ہے، مشائخ تو ماؤں سے بھی زیادہ شفیق ہوتے ہیں ان سے تو اس قسم کی امیدیں باندھی جاسکتی ہیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ بھئی ماں کا کام تو اتنا ہی ہوتا ہے کہ چھاتی بچہ کے منہ میں ڈال دے اب اگر بچے میں ہی اتنی اہلیت نہ ہو کہ وہ ہونٹ ہلا کر اسے چوس لے اور اپنے پیٹ میں ڈال لے تو اس میں ماں کا کیا قصور ہے یا اس کی شفقت میں کیا کمی ہے؟

معلوم ہوا کہ طلب صادق اور ہمت اس راستے کی اولین شرط ہے۔ کم ہمتی اور سستی کا علاج کسی پیر کے پاس نہیں ہے۔ بقول حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سستی کا علاج

چستی ہے۔ نقشبندی نسبت تو ایسی اقرب نسبت ہے کہ مشائخ نے لکھا ہے کہ اس میں سوائے سالک کی اپنی سستی کے اور کوئی چیز رکاوٹ ہے ہی نہیں۔

عوام میں اکثر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ اہل دل حضرات تصرف کر کے جس کو بھی باطنی دولت سے نوازنا چاہیں نواز سکتے ہیں یہ خام خیالی ہے۔ بزرگان دین کے بارے میں جو اس قسم کے واقعات کتابوں میں منقول ہیں ہم ان کی صحت کا انکار نہیں کرتے۔ بعض اوقات کوئی صاحب باطن اپنی یا طالب کی کسی خاص کیفیت کی بناء پر جو بعض اوقات مجاہدے کے قائم مقام بن جاتی ہے باذن خداوندی کسی کو باطنی نسبت یا کوئی حال عطا کر دیتے ہیں لیکن یہ واقعات نادر ہیں اور عمومی ضابطہ نہیں ہیں۔ عمومی ضابطہ یہی ہے کہ بندے کو محنت و کوشش کرنی پڑتی ہے۔ شیخ کی توجہ اس کی معاون اور راہنما بنتی ہے۔

باطن کی صفائی:

اس نعمت کے حاصل کرنے کا عزم بالجزم جب کر لیا تو اگلا مرحلہ ہے کہ اپنے باطن کو صاف کیا جائے۔ اس باطن کی صفائی کے دو عوامل ہیں۔ ایک تو یہ کہ پہلے سے موجود گندگی سے اس کو پاک کیا جائے اور دوسرا یہ کہ مزید ہر قسم کی آلائشوں کے آنے سے اس کو بچایا جائے۔ پہلے سے موجود گندگی کو دھونے کے لئے ہم حصول نسبت کے ذرائع کو اختیار کرتے ہیں۔ اور مزید آلائشوں سے حفاظت کے لئے اس کی رکاوٹوں سے ہم خبر دار رہتے ہیں۔ جب ان دونوں باتوں کا انتظام کر لیں گے تو پھر نسبت کا نور ہمارے اندر جگمگانے لگے گا۔

حصول نسبت کے ذرائع

ہر سالک جو نسبت حاصل کرنے کی تمنا رکھتا ہے اسے چاہئے کہ مندرجہ ذیل باتوں پر پابندی سے عمل کرنے کی کوشش کرے۔ اللہ رب العزت سے امید ہے کہ وہ جلد ہی اپنی مراد کو پہنچے گا۔

(۱) وضو پر مداومت

پاکیزگی اور طہارت اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ (البقرة:۲۲۲)

''بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''دین کی بنیاد پاکی پر ہے''۔

اور یہ بھی فرمایا کہ ''طہارت نصف ایمان ہے''۔ (مشکوٰۃ)

نسبت کا نور حاصل کرنے کیلئے شرط اول پاکیزگی ہے۔ تصوف وسلوک کی ساری محنت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ باطن کو پاک صاف کیا جائے۔ لیکن اس کی ابتدا ظاہر کی پاکیزگی سے ہوتی ہے۔ جو سالک جس قدر ظاہری طہارت کا اہتمام کرے گا اس کا عکس اس کے باطن پر پڑے گا جس سے باطن کی صفائی کا معاملہ آسان ہو جائے گا۔ اسی لئے مشائخ طریقت سالکین کو ہمیشہ باوضو رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام بھی مومنین کو ہمیشہ باوضو رہنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا:

من دوام علی الوضو مات شهيدا (شامی)

''جو وضو پر مداومت اختیار کرتا ہے اس کی موت شہادت کی موت ہے''

ایک اور جگہ پر فرمایا:

''استقامت و پختگی اختیار کرو اور کاہل نہ بنو اور جان لو کہ تمہارے اعمال میں سب سے بہتر نماز ہے اور وضو کی محافظت بجز مؤمن کے اور کوئی نہیں کرتا''

ایک اور جگہ پر فرمایا: ((الوضوء سلاح المؤمن)) وضو مؤمن کا ہتھیار ہے۔

مزید فرمایا کہ وضو پر وضو کرنا نورٌ علیٰ نور ہے۔

نبی علیہ السلام ہر وقت باوضو رہتے تھے۔ بلکہ آپ ﷺ تو وضو کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے تیمم فرمایا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ سامنے پانی موجود ہے، آپ وہاں جا کر وضو فرمالیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ معلوم نہیں وہاں تک پہنچ پاؤں گا یا نہیں (یعنی موت نہ آجائے) اس لئے میں نے پہلے تیمم کر لیا۔ (مشکوۃ: ص ۴۵۰)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تم اپنے قلبی احوال پر نظر ڈالو تو تمہیں وضو سے پہلے اور وضو کے بعد کی حالت میں واضح فرق نظر آئے گا۔ اور یہ بات بار بار مشاہدہ کی گئی کہ جو سالک بھی اپنے سونے جاگنے، کھانے پینے اور معمولات شب و روز میں وضو کا اہتمام کرتا ہے، اس کی قلبی کیفیات میں بہت جلد ترقی ہوتی ہے۔ وضو کی برکت سے ایک نور اور سکینہ اس کے دل پر نازل ہوتی ہے جو مؤمن کو جمعیت قلب عطا کرتی ہے اور وساوس شیطانیہ سے بچنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ اسی لئے تو وضو کو مؤمن کا ہتھیار کہا گیا ہے۔

حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کو تلقین فرماتے تھے کہ ہر وقت باوضو رہنے کی مشق کریں۔ ایک مرتبہ آپ مطبخ میں تشریف لائے تو مہمانوں کے سامنے دسترخوان بچھایا جا چکا تھا۔ آپ نے سب کو مخاطب کر کے فرمایا ''فقیرو! ایک

بات دل کے کانوں سے سنو، جو کھانا تمہارے سامنے رکھا گیا ہے اس کی فصل جب کاشت کی گئی تو وضو کے ساتھ، پھر جب اس کو پانی لگایا گیا تو وضو کے ساتھ، اس کو کاٹا گیا تو وضو کے ساتھ، گندم کو بھوسے سے جدا کیا گیا تو وضو کے ساتھ، پھر گندم کو چکی میں پیس کر آٹا بنایا گیا تو وضو کے ساتھ، پھر اس آٹے کو گوندھا گیا وضو کے ساتھ، پھر اس کی روٹی پکائی گئی وضو کے ساتھ، وہ روٹی آپ کے سامنے دسترخوان پر رکھی گئی وضو کے ساتھ، کاش کہ آپ لوگ بھی اس کو وضو سے کھا لیتے۔

۲ دوامِ ذکر (وقوفِ قلبی)

ظاہری طہارت کے ساتھ دل کی طہارت بھی ضروری ہے۔ ہمارا مقصود اللہ سے تعلق بنانا اور اللہ کو دل میں بسانا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کسی ایسے دل میں آنا پسند نہیں کرتے جو گندخانہ بنا ہوا ہے۔ لہٰذا دل کی صفائی ضروری ہے تاکہ دل ذکر اللہ سے منور ہو جائے اور اس میں معرفتِ الٰہی کی استعداد پیدا ہو جائے۔ اس کیلئے وقوفِ قلبی کی مشق بتائی جاتی ہے۔ وقوفِ قلبی یہ ہے کہ ہر گھڑی ہر آن یہ رکھنا ہے دھیان کہ میرا دل کر رہا ہے اللہ اللہ اللہ۔

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں

﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ﴾ (النساء:۱۰۳)

''اللہ کو یاد کرو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے''

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد طالبین اور محبین پر ہر حال میں فرض ہے۔

وقوفِ قلبی میں اسی بات کی مشق کی جاتی ہے کہ انسان کا کوئی لمحہ بھی اللہ کی یاد سے غفلت میں نہ گزرے۔ انسان کی فطرت تو یہ ہے کہ دل ہر وقت کسی نہ کسی سوچ اور فکر میں ہوتا ہے۔ وقوفِ قلبی میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ لایعنی سوچوں سے دل کو ہٹا

کر یادالٰہی میں لگایا جائے۔ شروع میں یہ کام ذرا مشکل لگتا ہے لیکن مسلسل توجہ اور محنت سے آسان ہو جاتا ہے۔ پھر تو یہ حال ہو جاتا ہے کہ انسان تو کام کاج میں مصروف ہوتا ہے لیکن دل اللہ کی یاد میں مشغول ہوتا ہے۔ اسے کہتے ہیں دست بکار دل بیار۔(ہاتھ کام کاج کی طرف دل اپنے یار کی طرف)

جب ذکر کی کثرت کی جاتی ہے تو ذکر دل میں قرار پکڑ جاتا ہے اس کے بعد انسان کو اللہ تعالیٰ کا ایک دائمی حضور نصیب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ جو میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ہم نشین ہوتا ہوں۔تو ایسے شخص کی روحانی ترقی کا کیا عالم ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی نصیب ہو جائے۔ وہ شخص اللہ کے ذکر سے غذا اور قوت پاتا ہے اور قربِ الٰہی کے سفر پر ہر آن گامزن رہتا ہے۔ حتیٰ کہ واصل باللہ ہو کر ایک حیات جاوداں سے شرف یاب ہو جاتا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ وقوف قلبی بارگاہ حضرت حق تک پہنچنے کا چور دروازہ ہے۔ جو سالکین اس کیلئے کوشش کرتے ہیں اور اپنے دل کی مسلسل نگہداشت کرتے ہیں وہ بہت جلد نسبت کے نور سے شرف یاب ہو جاتے ہیں۔

③ اسباق کی پابندی

سالک جب کسی شیخ سے بیعت ہوتا ہے تو شیخ اسے کچھ اسباق و معمولات بتاتے ہیں جن پر باقاعدگی سے عمل کرنے سے سالک وصول الی اللہ کی منزلیں طے کرنے لگتا ہے۔ اس کی زندگی میں خود بخود ایک اسلامی، ایمانی اور قرآنی انقلاب آ ہو جاتا ہے۔ محبت الٰہی اس طرح انگ انگ میں سما جاتی ہے کہ آنکھ کا دیکھنا، زبان کا بولنا اور پاؤں کا چلنا بدل جاتا ہے۔ سالک یوں محسوس کرتا ہے کہ میرے اوپر منافقت اور دو رنگی کا غلاف چڑھا ہوا تھا جو اتر گیا ہے اور اندر سے ایک سچا اور سچا انسان نکل آیا ہے۔

اگر وہ باقاعدگی سے شیخ کی دی گئی ہدایات کے مطابق ان اسباق کو کرتا رہے تو بہت جلد نسبت کی نعمت حاصل کر لیتا ہے۔

سالکین کو چاہئے کہ وہ اسباق کو باقاعدگی سے کرتے رہیں اور کسی بھی صورت میں معمولات کا ناغہ نہ کریں تاکہ بیعت وارادت کا جو مقصد ہے وہ حاصل ہو جائے۔ اللہ جزائے خیر دے ہمارے مشائخ کو کہ انہوں نے اسباق کا ایسا نصاب بنا دیا ہے کہ ہر ہر سبق پر سالک کی خاص باطنی کیفیات کو عروج نصیب ہوتا ہے حتیٰ کہ ایک وقت آتا ہے کہ وہ صاحب نسبت بن جاتا ہے۔

بعض سالکین برسوں کسی شیخ کے ساتھ منسلک رہتے ہیں لیکن نسبت کا نور حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ وجہ یہ ہوتی ہے کہ اسباق کی پابندی نہیں ہوتی۔ دنیا کا ہر کام کریں گے لیکن اسباق و معمولات کیلئے ان کے پاس فرصت نہیں ہوتی۔ ان اسباق کو معمولی نہ سمجھیں بلکہ ان کی اہمیت کو سمجھیں۔ ان کا فائدہ مند ہونا ایسا ہی یقینی ہے جیسے دو اور دو چار ہونے کا یقین ہے۔ دنیا کے کروڑوں انسانوں نے ان کو آزمایا اور انہیں مجرب پایا ہے۔ اب اگر کوئی اسباق کی پابندی ہی نہ کرے اور شکایت کرے کہ ہمیں بیعت سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تو اس میں شیخ کا کیا قصور ہے؟ اس کی مثال تو ایسے مریض کی سی ہے جو کسی بہت بڑے ڈاکٹر سے نسخہ تو لکھوا لے لیکن جیب میں ڈالے پھرے اور استعمال نہ کرے۔ بھلا جیب میں رکھا ہوا نسخہ کیسے فائدہ دے سکتا ہے جب تک کہ اسے استعمال نہ کیا جائے۔ اس لئے ان اسباق کو اس طرح اپنے اوپر لازم کر لیں جیسے روزانہ غذا کھانا لازم ہے۔ غذا کھانے سے بدن کو قوت ملتی ہے تو ان اسباق سے روح کو قوت ملتی ہے۔

④ مجاہدہ نفس

نفس انسانی خواہشات ولذات کا دلدادہ ہوتا ہے۔ یہ یہی چاہتا ہے کہ عیش و

عشرت میں پڑا رہے اور خواہشات کے پیچھے لگا رہے۔ اگر اس کی خواہشات بلا روک ٹوک پوری ہوتی رہیں تو نفس تو موٹا اور قوی ہو جاتا ہے لیکن روح کمزور ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے انسان عالم امر کے انوارات کو جذب کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مشائخ تصوف سالکین کو مجاہدات اور ریاضات کی بھٹی سے گزارتے ہیں تاکہ رذائلِ نفس کی اصلاح ہو جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ (الاعلیٰ: ۱۴)

''تحقیق فلاح پا گیا وہ جس نے اپنا (نفس کا) تزکیہ کیا''

ایک اور جگہ پر فرمایا

﴿وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى o فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى o﴾ (النزعت: ۴۰،۴۱)

''اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا، پس اس کا ٹھکانہ جنت ہے''

جس طرح کوئی مریض کسی ڈاکٹر کے پاس علاج کروانے جائے تو ڈاکٹر اسے دوا بھی دیتا ہے اور کچھ چیزوں سے پرہیز بھی بتاتا ہے۔ اگر مریض دوا تو استعمال کرے لیکن پرہیز نہ کرے تو شفا کا ملنا مشکل ہے۔ اسی طرح ایک سالک کیلئے ذکر اذکار اور اسباق و معمولات مثل دوا کے ہیں اور مجاہدات نفس مثل پرہیز کے ہیں۔ اگر وہ اسباق تو کرتا رہے لیکن پرہیز نہ کرے تو نسبت کا حصول دشوار ہوگا۔ جس طرح مریض کو پرہیز میں ڈاکٹر بعض ایسی غذائیں بھی روک دیتا ہے جو ایک تندرست آدمی کیلئے قوت بخش اور مفید ہوتی ہیں۔ اسی طرح سالک کو شیخ بعض اوقات مجاہدہ نفس کے طور پر بعض ایسی مباح چیزوں سے بھی روک دیتا ہے جو اگرچہ شریعت میں حلال اور جائز ہوتی ہیں۔

مجاہدہ نفس کی چار قسمیں ہیں

(۱) قلت طعام (۲) قلت منام (۳) قلت کلام (۴) قلت اختلاط مع الانام

۱ قلت طعام

قلت طعام کا مطلب ہے کم کھانا۔ کم کھانا اور بھوکا رہنا نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے اور اولیائے امت کا شعار رہا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

''تفکر کرنا نصف عبادت ہے اور کم کھانا پوری عبادت ہے''

ایک اور جگہ پر فرمایا:

''اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ افضل وہ ہے جو بہت تفکر کرے اور بہت بھوکا رہے اور اللہ کا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو بہت کھائے پیے اور زیادہ سوئے''

اور فرمایا کہ ''جو شخص پیٹ بھر لیتا ہے اسے آسمان کی بلندی کی طرف راستہ نصیب نہیں ہوتا''۔ اور فرمایا کہ ''زیادہ کھاپی کر اپنے دل کو مردہ نہ بناؤ اس لئے کہ دل کھیت کی مانند ہے اور زیادہ پانی سے بھی کھیت مرجھا جاتا ہے''

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شکم سیری کی نسبت بھوکا رہنا زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور فائدہ اس کا یہ ہے کہ دل روحانی طور پر تروتازہ رہتا ہے اور انواراتِ الٰہیہ کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اولیائے امت قرب الٰہی کے حصول کیلئے اپنے پیٹ کو ہلکا پھلکا رکھتے تھے۔ اور اس سلسلے میں ان کے مجاہدات اس قدر عجیب ہیں کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ آج کل چونکہ عام طور پر لوگوں کے قوٰی کمزور ہیں لہٰذا سالکین کو متقدمین کی طرز پر بھوکا رہنے کی ہدایت نہیں کی جاتی بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ زیادہ کھا اور زیادہ محنت کر، لیکن اس کھانے میں مندرجہ ذیل ہدایات کا خیال رکھیں:

1. اعتدال کے ساتھ کھائیں، نہ تو اتنا کم کھائیں کہ کمزوری ہو اور نہ اتنا زیادہ

کھائیں کہ ڈکاریں ہی آتی رہیں۔

۲ اس وقت کھائیں جب خوب بھوک لگ جائے اور ابھی بھوک کچھ باقی ہو تو ہاتھ کھینچ لیں۔

۳ کھانے کیلئے وہ چیزیں استعمال کرلیں جو بدن کو قوت دینے والی ہوں تا کہ طاعات پر قدرت حاصل ہو سکے۔ محض لذتِ ذہن کیلئے مت کھائیں۔

۴ چٹور پن چھوڑ دیں، مطلب یہ کہ چٹ پٹی اور فضول چیزیں محض تفریحاً نہ کھائیں۔

۵ کھانا کھاتے وقت وقوف قلبی کا بہت خیال رکھیں اور کھانے کے بعد اللہ کے آگے روئیں کہ یا اللہ میں مجبور تھا۔ تا کہ اللہ تعالیٰ اس کھانے میں آپ کو معذوروں میں شمار کریں اور مؤاخذہ نہ فرمائیں۔

﴿۲﴾ قلت منام:

قلت منام کا مطلب ہے کم سونا۔ زیادہ سونا انسان کی غفلت اور بے فکری کو ظاہر کرتا ہے۔ حکماء کہتے ہیں کہ زیادہ سونے میں زیادتیٔ غفلت، قلتِ عقل، نقصان ذہن اور قساوت قلب پائی جاتی ہے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ زیادہ سونے سے عمر کم ہو جاتی ہے۔ فرض کریں جو بندہ دن رات میں آٹھ گھنٹے سوتا ہے اور اس کی عمر اگر ساٹھ سال ہے تو گویا بیس سال اس نے سونے میں ضائع کر دیئے اور اس کی عمر چالیس سال رہ گئی۔ اسی لئے نیند کو موت کی بہن کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں بھی بندے پر ایک عارضی غفلت طاری ہو جاتی ہے۔

نیند کم کرنے اور زیادہ جاگنے سے ملکوت آسمانی کے مکشوفات ہوتے ہیں۔ بعض علما فرماتے ہیں کہ طویل شب بیداری کے بعد غلبہ نیند میں مکاشفہ، مشاہدہ اور قربت اور ورود حاصل ہوتا ہے۔ اور ابدال کی صفت یہ ہے کہ ان کا کھانا فاقہ، ان کی نیند غلبہ اور ان کا کلام ضرورت ہے۔

بہر حال اولیائے امت نے تقلیل منام میں بھی خوب مجاہدہ کیا۔ کسی نے چالیس سال عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی، کسی نے چالیس سال کے بعد اپنا بستر ہی لپیٹ دیا، کسی نے ٹانگیں سیدھی کر کے لیٹنا ہی چھوڑ دیا۔ یہ سب مجاہدے برحق ہیں اور اہل ہمم نے اس میں اپنی اپنی ہمتیں دکھائی ہیں ﴿فليتنافس المتنافسون﴾ (المطففین:۲۶) لیکن آج کل مشائخ اس درجے کے مجاہدوں کی تلقین نہیں کرتے بلکہ ہدایت کرتے ہیں کہ اعتدال سے کام لیں اور جاگنے میں اپنی بدنی ضروریات کو بھی ملحوظ رکھیں اور سنت کا التزام کریں۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل ہدایت پر عمل کریں،

1. باوضو سوئیں
2. دن کو قیلولہ کی عادت ڈالیں
3. رات کو جلد سو جائیں
4. نصف، تہائی یا آخری رات اٹھ کر تہجد پڑھیں۔
5. اپنی بدنی صحت اور مصروفیات کے مطابق نیند کے وقت میں کمی بیشی کریں۔ چوبیس گھنٹوں میں اوسطاً پانچ سے چھ گھنٹے کی نیند سالک کیلئے کافی ہے۔

﴿۳﴾ قلت کلام وقلت اختلاط:

قلت کلام یعنی خاموشی عقل کو روشن کرتی ہے اور حکمت سکھاتی ہے اور تقویٰ پیدا کرتی ہے۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ بندے کو تاویل صحیح اور علم قوی عطا فرماتے ہیں۔

قلت اختلاط یعنی خلوت دل کو مخلوق سے فارغ کرتی ہے اور فکر کو خالق کے لئے جمع کرتی ہے اور عزم کو ثابت قدمی عطا کرتی ہے۔ کیونکہ لوگوں سے میل جول میں عزم کمزور اور فکر میں انتشار اور نیت میں کھوٹ پیدا ہوتا ہے۔

قلت طعام اور قلت منام کے مجاہدے میں تو سالکین کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ اپنی صحت کے پیش نظر اس میں زیادتی نہ کریں لیکن قلت کلام اور قلت اختلاط کے

مجاہدے کو البتہ خوب اختیار کریں کیونکہ اس میں صحت پر اثر نہیں پڑتا البتہ نفس پر بہت اثر پڑتا ہے جو کہ مطلوب ہے۔تمام فضول قسم کی محفلیں اور دوستیاں ترک کر دیں اور اپنے مقصود کی طرف یکسو ہو جائیں۔مصاحبت اگرچہ شرعاً جائز بھی ہو پھر بھی ایک مبتدی سالک کیلئے خطرناک ہے کیونکہ وہ اس کو اس کے مقصود سے دور کرنے والی ہے۔جب سالک اس درجے تک پہنچ جائے کہ ''خلوت در انجمن'' کا حال اس پر صادق آنے لگے تو پھر البتہ خطرہ نہیں رہتا۔

یہ یاد رکھیں کہ کلام اور اختلاط میں قلت تو ہو ترک نہ ہو۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گفتگو اور مصاحبت جس سے اخروی فائدہ ہو اس کو اختیار کریں اور لایعنی کو چھوڑ دیں۔اس سے انسان وہ تمام خانگی اور معاشرتی ذمہ داریاں ادا کر سکے گا جو اس پر فرض و واجب ہوتی ہیں۔

⑤ عاجزی وانکساری

نسبت حاصل کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ یہ ہے کہ بندہ عاجزی وانکساری کو اختیار کرے۔مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (مشکوٰۃ) جو جتنا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کیلئے مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرماتا ہے۔کسی نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ تصوف کیا ہے؟ فرمایا اپنے آپ کو مٹا دینے کا نام تصوف ہے۔

تصوف کا سب سے پہلا سبق یہی ہے کہ بندہ اپنے آپ کو مٹائے اور جھکائے۔

شیخ سعدی نے فرمایا:

مرا پیر دانائے مرشد شہاب
دو اندر ز فرمود بر روئے آب

یکے آں کہ برخویش خود بیں مباش
دگر آں کہ برغیر بدبیں مباش

(میرے شیخ ومرشد شہاب نے دولفظوں میں پوری بات کا خلاصہ سمجھا دیا۔ یہ کہ تم اپنے آپ پر خود بین نہ ہونا اور کسی دوسرے پر بدبین نہ ہونا)

حضرت مجددالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ سالک اس وقت تک واصل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے آپ کو خسیس کتے سے بھی بدتر نہ سمجھے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کتا اپنے مالک کا زیادہ وفادار ہوتا ہے جبکہ ہم اتنے وفادار نہیں ہیں۔ کتا تو روکھی سوکھی کھاتا ہے اور پھر رات کو جاگ کر پہرا دیتا ہے۔ جب کہ ہم مالک کی ہزار نعمت کھاتے ہیں، ساری رات بستر پر سوتے ہیں اور پھر بھی شکر نہیں کرتے۔

انسان اپنی حیثیت کو پہچانے۔ جس قدر اس پر اپنی اوقات واضح ہوگی اتنا ہی اس کے اندر سے ''میں'' ختم ہوگی اور دید قصور نصیب ہوگی۔ سالک جب اپنی ہستی کو مٹا دے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انوار و برکات کی بارش ہونے لگے گی۔ جس طرح پانی ہمیشہ بلندی سے پستی کی طرف بہتا ہے اس طرح نسبت کے کمالات اسی شخص کو ملتے ہیں جو نے اپنے آپ کو جھکایا ہوتا ہے۔ جو جس قدر اپنے آپ کو جھکائے گا اسی قدر نور نسبت کا بہاؤ اس کے دل کی طرف امڈتا چلا آئے گا۔

؎ تواضع کا طریقہ سیکھ لو لوگو صراحی سے
کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

اپنے آپ کو مٹانے کی بہترین مثال تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ملتی ہے۔ محبوب دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو صدیقیت کی بشارت دیتے ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں ان کے تذکرہ فرماتے ہیں۔ احد سے کہتے ہیں کہ احد! تو کیوں ہلتا ہے؟ تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق رضی اللہ عنہ ہے اور دو شہید ہیں۔ اپنی حیات مبارکہ میں ان کو مصلے پر کھڑا

فرماتے ہیں، ہجرت کے وقت رفیق سفر بناتے ہیں مگر اس سب کچھ کے باوجود سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ جب اپنے آپ پر نظر ڈالتے تو کانپ اٹھتے تھے ،رو پڑتے اور رو رو کر کہتے ،کاش! میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا، کاش! میں کسی مؤمن کے بدن کا بال ہوتا، کاش! میں کوئی پرندہ ہوتا، کاش! میں گھاس کا کوئی تنکا ہوتا جسے کوئی جانور ہی کھالیتا۔ ان کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ نبی علیہ السلام نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا

((مَنْ اَرَادَ اَنْ یَنْظُرَ اِلٰی مَیِّتٍ یَمْشِیْ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی اِبْنِ اَبِیْ قُحَافَۃَ))

(جو شخص چاہے کہ زمین کے اوپر چلتی ہوئی کسی لاش کو دیکھے تو اس کو چاہیے کہ وہ ابو قحافہ کے بیٹے ابوبکر صدیق کو دیکھ لے)

سبحان اللہ، پھر اللہ رب العزت نے ان کو غار میں اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کی بشارتیں دیں۔ کیونکہ خواہشات ختم ہو گئی تھیں، ہوائے نفسانی کا نام ونشان نہ رہا تھا، حقیقت انسانیت نصیب ہو چکی تھی۔ وہ زندہ تو تھے مگر دنیا میں نہیں تھے بلکہ ان کے دل و دماغ عرش کے اوپر پہنچے ہوئے تھے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اہلِ شہر نے کہا کہ کافی دن ہوئے ہیں بارش نہیں ہوئی، لگتا ہے کہ شہر میں کوئی ایسا گناہگار ہے کہ جس کے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے رحمت کی بارش کو روکا ہوا ہے۔ فرمایا کہ ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ میں نے دل میں سوچا کہ بایزید! اب تمہیں اس شہر میں رہنے کا کوئی حق نہیں، تم ہی وہ گنہگار ہو جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں کو روکا ہوا ہے۔ میں اپنے آپ کو پورے اہل شہر میں سے سب سے کمتر سمجھ کر شہر سے باہر نکل گیا۔ میرے مالک نے میری عاجزی کو قبول کر کے مجھے ابدال کا مقام عطا فرما دیا۔

سبحان اللہ۔ معلوم یہ ہوا کہ جو جتنا اپنے آپ کو مٹائے گا اتنا بڑا مقام پائے گا۔

⑥ اتباع سنت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (ال عمران:۳۱)

''آپ فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا''

ہر عاشق صادق کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کے ہاں قبولیت پا جائے اور اسے محبوب کا التفات نصیب ہو جائے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ جل شانہ نے اپنے چاہنے والوں اور طالبوں کو ایک عجیب دل افروز بشارت سنا دی۔ فرمایا کہ اگر تم مجھے چاہتے ہو تو نبی علیہ السلام کی اتباع کرو ان کی سنتوں کو اختیار کر لو میں تمہیں اپنا محبوب بنا لوں گا۔ ایک طالب کے لئے کس قدر اعزاز کی بات ہے کہ وہ طالب سے مطلوب بن جائے۔ اللہ رب العزت کی محبوب ترین ذات ایک ہی ہے اور وہ آنحضرت ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری کائنات ان کی خاطر ہی تخلیق کی۔ ان کے نام کے ڈنکے زمین آسمان میں بجا دیئے۔ قرآن میں جگہ جگہ پر ان کی تعریف بیان کی گئی۔ ان کے نام کی، ان کی زلفوں کی، ان کے شہر کی قسمیں کھائی گئیں۔ بھلا محبت کی ایسی مثال کہاں ملے گی۔ عشاق کیلئے تو معاملہ بہت ہی آسان ہو گیا۔ ان کو پتہ چل گیا کہ ہمارے معبود کی پسند کا ماڈل اور نمونہ کونسا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے آپ کو اسی نمونے میں ڈھال کر بڑی آسانی سے محبوب حقیقی کا وصل حاصل کر سکتے ہیں۔

اسی لئے ہمارے مشائخ ہمیں اتباع سنت کی بہت تاکید کرتے ہیں۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ نے کہا کہ ہمارے سلسلہ میں حصول نسبت میں کامیابی کا مدار دو

چیزوں پر ہے۔(۱)رابطہ شیخ (۲)اتباع سنت

جو جس قدر سنت پر عمل کرنے والا ہوگا اسی قدر اس میں محبوبیت زیادہ ہوگی۔ عارفین یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی ہر ہر سنت کے ساتھ اللہ رب العزت کی رضا منسلک ہے جو جس قدر ان سنتوں پر عمل کرتا جائے گا اسی قدر اللہ کی رضا اور محبت کو پا لے گا۔ سلف صالحین کے حالات زندگی کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اکابرین کس قدر اتباع سنت کا اہتمام کرتے تھے۔ ہمیں بھی چاہئے کہ ہم نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی ہر ہر سنت پر انتہائی محبت کے ساتھ عمل کریں۔ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک ہم محبوب ﷺ کی سنتوں کو لاگو کردیں اور ان کی ہر ہر ادا کو عمل میں لے آئیں۔ جو جس قدر ان کے نمونے کی کامیاب نقل اتارے گا وہ اتنا ہی زیادہ اللہ رب العزت کا محبوب بن جائے گا۔

⑦ رابطہ شیخ

ایک سالک کے لئے شیخ کامل کا ہونا نہایت ضروری ہے تا کہ اس کے راستے کا رفیق بنے اور اس کو اس راہ کی اونچ نیچ سمجھائے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾ (المائدہ:۳۵)

''اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو''

اب یہ اللہ اور بندے کے درمیان وسیلہ کون ہوسکتا ہے۔اس کے بارے میں بھی بتا دیا فرمایا

﴿وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾ (لقمان:۱۵)

''ان کی پیروی کرو جو میری طرف رجوع کر چکے ہوں''

یہ رجوع کرنے والے کون ہو سکتے ہیں ان کی علامت بھی ایک حدیث پاک

میں بیان کردی گئی نبی علیہ السلام نے فرمایا: ((اَلَّذِیْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللّٰہ)) جب تم ان کو دیکھو تو اللہ یاد آجائے۔ اللہ یاد آجانے کے مطلب یہ نہیں کہ زبان اللہ اللہ کرنے لگے، اگرچہ کبھی یوں بھی ہو جاتا ہے۔ اللہ یاد آنے کا مطلب یہ ہے کہ توجہ الی اللہ ہو جاتی ہے۔ اور یہی حقیقی ذکر ہے۔

ذکر اللہ اولیاء اللہ کا حال ہوتا ہے ان کا دیکھنا سننا اور بولنا ہر کام اللہ کی رضا اور محبت میں ہوتا ہے۔ اس لئے وہ بظاہر خاموش بھی ہوں تو باطن میں خاموش نہیں ہوتے۔ لہٰذا اس حال کے ذکر کی وجہ سے ان کو معیت خداوندی حاصل ہوتی ہے۔ اور جو کوئی سالک اس معیت الٰہی رکھنے والے شیخ کامل کی طرف محبت سے توجہ کرنے والا ہو تو اس میں بھی توجہ الی اللہ کا پیدا ہو جانا یقینی ہے۔ اس لئے بزرگوں نے یہ کہا کہ رابطہ شیخ بہت جلد اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے۔ شیخ کی توجہ اور ان کے اخلاص کی برکت سے دل غفلت سے پاک ہو جاتا ہے اور شیخ کی محبت کی کشش سے مشاہدہ الٰہی کے انوار دل میں چمکنے لگتے ہیں۔

رابطہ شیخ کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ سالک شیطان کی دخل اندازی سے بچ جاتا ہے اور سکون و عافیت سے راستہ طے ہوتا ہے۔ ورنہ اگر کوئی چاہے کہ فقط ذاتی محنت مجاہدے سے وصول الی اللہ کی منزل کو پالے تو اکثر اوقات اسے ایسے احوال پیش آنے لگتے ہیں کہ وہ آسانی سے نفس و شیطان کے مکر و فریب کا شکار ہو جاتا ہے۔

سالک کو چاہئے کہ جس کو اپنا شیخ بنائے بس پھر اپنا آپ اس کے حوالے کر دے۔ اور یوں ہو جائے جیسے کَالْمَيِّتُ بَيْنَ يَدَيِ الْغَسَّالِ جیسے مردہ غسل دینے والے کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ یعنی اپنی خواہش اور ارادے کو شیخ کے مرضی میں گم کر دے۔ مرید کی شیخ کے سامنے سپردگی جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر اس کا شیخ سے روحانی رابطہ قوی ہوگا جس سے شیخ کے باطنی کمالات سالک کو خود بخود منتقل ہونا شروع

ہو جائیں گے۔ رابطہ شیخ کے لئے ضروری ہے کہ مرید کثرت سے شیخ کے خدمت میں آنا جانا رکھے، اپنی زندگی کے تمام امور شیخ کے مشورے سے اور شیخ کی ہدایات کے روشنی میں سرانجام دے اور شیخ کی عادات و اطوار کو کلی طور پر اپنانے کی کوشش کرے۔

رابطہء شیخ کا تمام تر اصل اصول محبت شیخ ہے۔ شیخ سے والہانہ محبت ہی شیخ سے روحانی فائدے کا سبب بنتی ہے۔ محبت میں جس قدر کمی ہوگی اتنا ہی استفادہ بھی کم ہوگا۔ نبی علیہ السلام کو صحابہ نے بھی دیکھا محبت کی نظر تھی اس لئے صحابیت کا درجہ پا گئے۔ ابوجہل نے بھی دیکھا لیکن عداوت کی نظر تھی مردود ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس قدر والہانہ محبت تھی وہ بے مثال تھی۔ اپنی اسی محبت کی وجہ سے وہ صحابہ میں سب سے افضل قرار پائے اور صدیق کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔ معلوم یہ ہوا کہ محبت شیخ سے ہی مقامات ملا کرتے ہیں۔ شیخ کی محبت مقدمہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت مقدمہ ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کا۔

جس شیخ کی وجہ سے محبت الٰہی جیسی نعمت حاصل ہو اس سے محبت کرنا ضروری ہے۔ وہ سالک جو شیخ کی محبت میں کمال حاصل کر چکا ہو اسے تصوف کی اصطلاح میں ''فنافی الشیخ'' کہتے ہیں۔ فنافی الشیخ ہونے کے لئے اپنے شیخ کو دیکھیں کیسے اٹھتا ہے، کیسے بیٹھتا ہے، کیسے بولتا ہے۔ ہر معاملے میں شیخ کو دیکھیں کہ وہ کام کیسے کرتا ہے اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ شیخ اور مرید کے درمیان اتنی ظاہری و باطنی مماثلت ہو جائے کہ دونوں کی سوچ ایک ہو جائے تب بات بنتی ہے۔ اس سے فنافی الشیخ کا مرتبہ آسانی سے نصیب ہو جائے گا۔ کیونکہ شیخ سنت پر عمل کرتا ہے اسی لئے بندے کو اس کی برکت سے فنافی الرسول اور فنافی اللہ تک پہنچنا نصیب ہو جاتا ہے۔ اس طرح بندے کو اعلیٰ ترین نسبت نسبتِ اتحادی نصیب ہوتی ہے۔

فنافی الشیخ اور فنافی الرسول کا عجیب واقعہ:

محبوب العلماء والصلحاء حضرت عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''تجلیات'' میں لکھتے ہیں کہ کبھی کبھی میرے اوپر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا کہ نبی اکرم ﷺ اپنی گود کشادہ فرمائے ہوئے ہیں اور میں اس میں گر جاتا ہوں۔ ایک دن مجھے موقع ملا تو میں نے اپنی یہ کیفیت اپنے شیخ حضرت پیر فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گوش گزار کر دی۔ جس وقت میں یہ کیفیت بتا رہا تھا تو میرے ساتھ ہی میرے پیر بھائی مولانا نورالحسن صاحب بھی بیٹھے تھے۔ وہ یہ سن کر وہیں بیٹھے بیٹھے کہنے لگے کہ میں پہلے تو آپ کا پیر بھائی تھا اب میں آپ کا غلام ہو گیا ہوں۔ کیونکہ اتنی مبارک کیفیت مجھے تو حاصل نہیں ہے۔ اس پر حضرت شیخ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا کہ ان کو ربط شیخ حاصل ہے تم رابطہ شیخ میں رسوخ حاصل کر لو تو تمہیں بھی یہ کیفیت حاصل ہو جائے گی...... یہ ہوتی رابطہ شیخ کی برکت کہ اس کی وجہ سے سالک کو فنافی الرسول کا مقام نصیب ہو جاتا ہے۔

ہمارے اکابر کا اپنے مشائخ سے انداز محبت عجیب تھا۔ حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنی محبت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ میں تو ایک پالتو مینڈھے کی طرح اپنے شیخ کے پیچھے پیچھے رہتا تھا۔ فرماتے تھے کبھی کبھی سوتے سوتے اٹھ بیٹھتا اور ایک عجیب دیوانگی کی کیفیت میں کہنے لگتا ''ہٹ جائیں میرے شیخ آنے والے ہیں''

حضرت مولانا عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سنا کہ ایک مرتبہ انہوں نے ایک نہایت قیمتی دستی بیگ بازار سے خریدا تا کہ وہ اس میں شیخ کی رفع حاجت میں وٹوانی کیلئے استعمال ہونے والے مٹی کے ڈھیلوں کو رکھا کریں۔ وہ ان ڈھیلوں کو اپنے پاس رکھتے اور جب شیخ تقاضا کیلئے جاتے تو ان کی خدمت میں پیش کیا کرتے۔ کبھی کبھی وہ جوش محبت میں ان ڈھیلوں کو اپنی گالوں سے رگڑ رگڑ کر صاف

اور گول کیا کرتے تھے۔ تاکہ شیخ کو استعمال میں آسانی رہے۔

شیخ سے مرید کی محبت دراصل اس کی طلب کو ظاہر کرتی ہے۔ اور اسی طلب پر شیخ کی توجہات ملا کرتی ہیں۔ اگر مرید میں طلب نہ ہو تو محض شیخ کی توجہ کچھ اثر نہیں کرتی۔ بعض اوقات شیخ تو مرید پر پوری توجہ دیتے ہیں لیکن مرید اپنی بے طلبی اور غفلت کی وجہ سے توجہ کو قبول نہیں کرتا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی ہو تو وہی برتن بھرے گا جو سیدھا پڑا ہو گا۔ اگر برتن ہی الٹا پڑا ہو گا تو وہ تو خالی ہی رہے گا۔ آئیے اپنے دل کا برتن سیدھا کر لیں اور اسے ہمہ تن شیخ کی طرف متوجہ کر لیں، رحمت ہی رحمت ہو جائے گی اور دل نور نسبت سے سیراب ہو جائے گا۔ یاد رکھیں! سلسلہ نقشبندیہ میں نو حصے سلوک شیخ کی توجہ اور صحبت سے طے ہوتا ہے اور ایک حصہ اپنی محنت سے طے ہوتا ہے۔

حصول نسبت کی رکاوٹیں

درج ذیل رکاوٹیں ایسی ہیں جو نسبت کے حصول میں مانع ہو جاتی ہیں۔ طالب ہوشیار کو چاہئے کہ وہ ان سے خبردار رہے اور ان سے بچنے کی پوری کوشش کرے۔

① معصیت

معصیت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو کہتے ہیں۔ ہر وہ کام جو اللہ رب العزت کی رضا کے خلاف ہے معصیت میں داخل ہے۔ معصیت کا علم ہمیں شریعت سے ہوتا ہے۔ ہر معصیت میں ایک ظلمت ہوتی ہے جس کا اثر انسان کے قلب پر پڑتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک داغ لگ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو داغ مٹ جاتا ہے اگر توبہ نہیں کرتا اور مزید گناہ کرتا رہتا ہے تو

داغ بڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے (مشکوٰۃ)۔ پتہ یہ چلا کہ معصیت سے دل کا نور جاتا رہتا ہے۔ اس لئے معصیت یا گناہ نسبت کا نور حاصل کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اسی لئے حکماء نے یہ کہا ہے کہ نیکی کرو نہ کرو گناہ نہ کرو۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اتق المحارم تکن اعبد الناس گناہوں سے بچ جاؤ تم سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔

تصوف وسلوک کی محنت کرنے سے گناہوں سے طبعاً نفرت ہو جاتی ہے۔ اور جو بندہ معصیت کو قطعی طور پر ترک کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنا مقرب بنا لیتے ہیں۔

معاصی کا علم ہمیں شریعت سے ہوتا ہے۔ علمائے کرام ہمیں بتاتے ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، یہ جائز ہے اور یہ ناجائز ہے۔ شریعت میں کچھ گناہوں کو صغیرہ کہا گیا اور کچھ کو کبیرہ کہا گیا۔ لیکن عارفین کے نزدیک ہر گناہ کبیرہ ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ تم یہ نہ دیکھو کہ کونسا گناہ صغیرہ ہے اور کونسا کبیرہ ہے بلکہ یہ دیکھو کہ تم کس عظمت والے پروردگار کی نافرمانی کر رہے ہو۔ تو اللہ والے اللہ رب العزت کی جلالت شان سے ڈرتے ہیں، ان کے نزدیک چھوٹی سے چھوٹی معصیت بھی بہت بڑی ہوتی ہے کیونکہ وہ محبوب کے اعراض کا باعث بن سکتی ہے۔

گناہوں کا وبال:

گناہ کا سب سے پہلا وبال جو بندہ پر پڑتا ہے وہ یہ ہے بندہ اللہ تعالیٰ کے جوار رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں جب شجر ممنوعہ کا پھل کھایا تو انہیں اوپر سے آواز آئی کہ تم دونوں میرے جوار رحمت سے دور ہو جاؤ۔ میری جوار رحمت میں وہ نہیں رہ سکتا جو میری نافرمانی کرے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے روتے ہوئے حضرت حواء سے فرمایا کہ یہ گناہ کا پہلا وبال ہے جو ہم پر مسلط کیا گیا ہے۔

گناہ کا دوسرا وبال یہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ لعنت کوئی چہرے کی سیاہی کا نام نہیں ہے بلکہ لعنت یہ ہے کہ بندہ ایک گناہ سے دوسرے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر سے نیکیوں اور طاعات کا موقع نہیں ملتا۔

گناہ کا تیسرا وبال یہ ہے کہ رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ جس کا ایک معنی علما نے یہ لیا ہے کہ طاعات کی لذت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ صلحا اور اہل علم کی صحبت کیلئے اس کے دل میں انشراح پیدا نہیں ہوتا۔

اللہ رب العزت ہمیں گناہوں سے پاک سچی اور سُچی زندگی نصیب فرمادیں۔

۲ دل آزاری

نسبت کے حصول میں دوسری بڑی رکاوٹ کسی کو ایذاء دینا اور کسی کا دل دکھانا ہے۔ کسی کو ناحق ایذا پہنچانے والا اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ ترا مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ جس طرح ہم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی ہمارے گھر کے کسی فرد کا دل دکھائے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنی مخلوق کی دل آزاری کو قطعاً پسند نہیں فرماتے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آکر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ فلاں ایک عورت ہے جو نماز، روزہ، صدقہ کثرت سے کرتی ہے لیکن وہ اپنے پڑوسیوں سے بدزبانی کرتی ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ عورت دوزخ میں جائے گی۔ پھر اس شخص نے عرض کیا کہ ایک عورت ہے وہ نفل روزے، نمازیں اور صدقات کم ادا کرتی ہے لیکن دوسروں کو اپنی زبان سے ایذا نہیں دیتی، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ عورت جنت میں جانے والی ہے۔ (مشکوٰۃ)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دل آزاری کس قدر بری چیز ہے کہ دوسروں سے بدزبانی کرنے اور ایذا دینے والے کی نفلی ء ا.تیں بھی اس کے کام نہیں آتیں۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی سالک ذکر اذکار اور عبادت و ریاضت کثرت سے کرتا ہو لیکن وہ دوسروں کو ایذا پہنچانے والا ہو تو وہ سمجھ لے کہ اس کی تمام طاعات بے کار ہیں اور انہیں اللہ کے ہاں شرف قبولیت حاصل نہیں ہے

اس کے برعکس جو آدمی دوسروں کو راحت پہنچانے والا اور دوسروں کے دل کو خوش کرنے والا ہے، دوسروں کی خوشی اور را کی خاطر کیے گئے اس کے تھوڑے سے عمل سے اللہ رب العزت اتنے خوش ہو جاتے ہیں کہ برسوں کے محنت مجاہدے بھی اس درجے کو نہیں پہنچتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے میرے کسی امتی کی حاجت پوری کی تا کہ اس کا دل خوش کرے اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا (مشکوۃ)۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے کسی مؤمن کے دل کو خوش کیا تعالیٰ اس خوشی سے ایک فرشتہ پیدا فرماتے ہیں۔ وہ فرشتہ قیامت تک اللہ تعالیٰ ں حمد و ثنا بیان کرتا رہتا ہے اور اس کے ذکر کا ثواب اس بندے کے نامہء اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ان کے پاس کھڑے ہو گئے۔ فرمایا کہ کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ تم میں سے اچھا کون ہے اور برا کون ہے؟ سب خاموش رہے۔ آپ نے یہ سوال تین مرتبہ دوہرایا۔ پھر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور بتائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بہترین وہ ہے جس سے لوگ خیر کی امید رکھتے ہوں اور شر سے اطمینان رکھتے ہوں۔ اور بدترین شخص وہ ہے جس سے لوگ خیر کی توقع نہیں رکھتے اور اس کے شر سے

خوف کھاتے ہوں۔

ابوداؤد شریف کی ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام طواف فرمارہے تھے۔طواف کرتے ہوئے آپ نے کعبہ کی طرف دیکھا اور فرمایا، اے کعبہ! تجھے اللہ تعالیٰ نے بڑی شان عطا کی ہے لیکن حُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ اَرْجَحُ مِنْ حُرْمَةِ الْكَعْبَةِ (ابن ماجہ) مؤمن کا احترام اللہ کے نزدیک تیرے احترام سے زیادہ ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ نے مؤمن کو ایک مقام عطا کیا ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ ہم کعبہ کی طرف تو منہ کر کے سجدے کریں اور کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر دعائیں بھی مانگیں اور بوسے بھی دیں، لیکن مؤمن سے نفرت کریں، اسے ایذا پہنچائیں اور اس کی بدخواہی کریں تو پھر ہمارا ایمان کیسا ہوگا؟

اسی لئے اللہ والے اس بات کا بہت خیال کرتے ہیں کہ کسی کو ان سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔وہ اپنوں پرایوں سب کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔وہ تکالیف اور رنج کو اپنی جان پر سہہ لیتے ہیں لیکن دوسروں کے دل کو ٹھیس پہنچانے سے گریزاں رہتے ہیں۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا
دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے می شود ایں مقام
کہ با دوستاں ہست پیکار جنگ

’’کہ اللہ والوں کے بارے میں ہم نے سنا کہ وہ تو دشمنوں کے دلوں کو بھی تنگ نہیں کیا کرتے تھے، تجھے یہ مقام کہاں سے نصیب ہوا کہ تو اپنوں سے برسرِ پیکار ہے‘‘

اللہ والوں کی شان تو یہ ہے کہ جانوروں سے بھی خیر خواہی کرتے ہیں اور ان کو ایذاء پہنچانے سے گریز کرتے ہیں۔ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

رات کو تہجد کیلئے اٹھے۔ سخت سردی تھی آپ نے وضو کر کے تہجد کے نوافل ادا فرمائے اس کے بعد دوبارا سونے کیلئے اپنے بستر کی طرف آئے کہ تہجد بین النومین کی سنت ادا ہو سکے۔ دیکھا تو ایک بلی جو سخت سردی کی وجہ سے ٹھٹھری ہوئی تھی آپ کے بستر کو گوشہ عافیت سمجھتے ہوئے آ کر لیٹ گئی تھی۔ آپ کے دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ آپ بلی کو بستر سے اٹھا کر خود وہاں لیٹ جائیں چنانچہ آپ نے بقیہ تمام رات بستر سے باہر ہی سخت سردی میں گزار دی اور بلی کو بے آرام نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ ہمدردی اتنی پسند آئی کہ آپ کے دل پر الہام کیا کہ آپ نے بلی کے ساتھ جو معاملہ کیا ہے اسکی وجہ سے ہم نے آپ کو قیوم زمان بنا دیا ہے۔

تو دیکھا! مخلوق خدا کے ساتھ خیر خواہی کرنے سے بندے کا درجہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر بڑھ جاتا ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے ((اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ)) (مشکوۃ) تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

جب ہم مخلوق پر رحمت کا معاملہ رکھیں گے تو اللہ کی رحمت کے امیدوار بنیں گے اور اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اپنے انوار رحمت سے بھر دیں گے۔

③ عجب و تکبر

جب کوئی سالک نسبت کے حصول کے لئے ذکر اذکار اور محنت مجاہدے کرتا ہے۔ تو اس کے باطن میں نورانیت آجانے سے اس کی ذوقی اور وجدانی کیفیات میں ترقی ہونے لگتی ہے۔ اگر سالک ہوشیار نہ ہو اور نفس و شیطان کی مکاریوں سے بے خبر

ہوتو وہ عجب وتکبر کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ عجب وتکبر کامیابی کی راہ میں حائل ایک ایسی خفیہ رکاوٹ ہے جس کا عام طور پر سالک کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ وہ اعمال بھی کرتا رہتا ہے لیکن ساتھ ساتھ اس کا یہ مرض بھی بڑھتا رہتا ہے۔ شیطان اس کے اعمال کو مرصع کر کے اس کے آگے پیش کرتا ہے اور اسے یہ باور کراتا ہے کہ جتنا تو نیک ہے اتنا کوئی نہیں ہے۔ سارے ہی غافل ہیں لیکن تو ذاکر وشاغل ہے۔ اس کا یہ بھی گمان ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ تباہ وبرباد ہونے والے ہیں مغفرت تو بس ہماری ہی ہونی ہے۔ کبھی وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرے فلاں دشمن پر جو مصیبت آئی ہے اسے میری بددعا لگی ہے۔ گویا وہ اپنے آپ کو ولی کامل سمجھتا ہے۔ الغرض کہ اس کے نفس میں عجب وتکبر کے عجیب و غریب احساسات فروغ پانے لگتے ہیں اور انہی باتوں کی وجہ سے نہ صرف اس کی ترقی رک جاتی ہے بلکہ تنزلی شروع ہو جاتی ہے۔

ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے کسی شخص کی تعریف کر رہے تھے۔ اتفاق سے وہ بھی آ گیا۔ تو صحابہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یہ وہی شخص ہے جس کی ہم تعریف کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس شخص میں نفاق کی علامت دیکھ رہا ہوں۔ لوگوں کو تعجب ہوا جب وہ قریب آیا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ سچ بتاؤ کہ کبھی تمہارے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اس قوم میں تم سے بہتر کوئی نہیں اس نے اقرار کیا کہ جی آتا ہے۔

تو اسی واقعہ سے اندازہ لگائیں کہ اگر دل میں اس قسم کے خیالات آتے ہیں تو سمجھ لیں کہ عمل خالص نہیں ہے اور دل میں نفاق بھرا ہوا ہے۔ سالک کو چاہئے کہ عمل کرتا بھی رہے اور ڈرتا بھی رہے۔ وہ یہ سمجھے کہ عظمت الٰہی کے آگے میرے یہ اعمال کچھ بھی نہیں ہیں۔ اور ہم نہیں جانتے کہ اللہ کے ہاں ہمارے اعمال مقبول بھی ہیں یا نہیں۔ دوسرا یہ کہ جو تھوڑے بہت اعمال ہم کرتے بھی ہیں تو اس میں ہمارا کیا کمال

ہے۔ یہ تو اللہ رب العزت کی مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں توفیق دے دی ورنہ کوئی ہم اس کے مستحق تو نہیں تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (النور:۲۱)

''اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں سے کسی کو کبھی گناہ سے پاک نہ کرتا اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے''

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے فضل کے بغیر کوئی شخص بھی نجات نہیں پائے گا، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ بھی؟ تو فرمایا ہاں میں بھی۔ اللہ کی رحمت سے ہر کوئی نجات پائے گا اور میں بھی اس کی رحمت کا محتاج ہوں۔ جب سب کچھ اللہ کے فضل سے ہے تو پھر عجب و ناز کیسا؟ بلکہ یہ خوف ہونا چاہئے کہ ہم سے ان اعمال کی توفیق سلب نہ کر لی جائے۔ عزازیل تمام فرشتوں سے زیادہ عبادت گزار تھا لیکن جب اس نے تکبر کیا تو ہمیشہ کے لئے پھٹکار دیا گیا اور اس کی تمام عبادات دھری کی دھری رہ گئیں۔ بلعم باعور بنی اسرائیل کا بہت بڑا عبادت گزار شخص تھا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی کا ظہور ہوا تو اس کی سینکڑوں سال کی عبادت کو رد کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ والے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کو اس کی اطاعت میں صرف کرتے ہیں اور پھر بھی لرزاں و ترساں رہتے ہیں اور بے اختیار پکارتے ہیں کہ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ، مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ کہ ہم آپ کی عبادت کا حق ادا نہیں کر سکے اور ہم آپ کی معرفت کا حق ادا نہیں کر سکے۔

۴ ناجنس کی صحبت

کسی بھی ایسے شخص کی صحبت جس کے عقائد، مسلک، مشرب اور طریقہ شیخ کی

تعلیمات کے خلاف یا نا موافق ہوں ناجنس کی صحبت کہلاتی ہے۔اس قسم کے افراد کے پاس اپنا اکثر وقت گزارنے اور ان سے محبت کا تعلق رکھنے سے ان کے باطن کا اثر سالک کے باطن پر پڑتا ہے جس سے فیضان نسبت میں تکدر پیدا ہوتا ہے جو حصول نسبت میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔لہٰذا ناجنس کی صحبت سے دور رہنا ہی بہتر ہوتا ہے۔

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبت زاغ

ناجنس کی اقسام تو بہت سی ہیں چند ایک بطور مثال درج ذیل ہیں۔

١ ہر وہ شخص جو کہ عقائد کے فساد میں مبتلا ہو مثلاً شرک و بدعات کا مرتکب ہوتا ہو یا صحابہ اہل بیت کی تحقیر و تنقیص کرتا ہو۔

٢ ایسے عامل قسم کے لوگ جو تعویذ گنڈے، عملیات سحر اور علم نجوم وغیرہ کے شغل میں مبتلا ہوں۔

٣ ہر وہ شخص جو سالک کے سلسلہ نسبت کے مشائخ سے تھوڑی سی بھی بدعقیدگی اور سوء ظنی رکھتا ہو۔ ناجنس میں شامل ہے اور اس کی صحبت روحانی طور پر نقصان دہ ہے۔

٤ ایسے افراد جو اگرچہ ہم مسلک و ہم عقیدہ ہوں لیکن کسی اور طریقہ محنت کے داعی ہوں جو شیخ کے تعلیم کردہ طریقہ سے مختلف ہو۔ان کی صحبت رکھنے سے سالک کی توجہ کے قبلے میں فرق پڑے گا جو قلبی انتشار کا باعث بن سکتا ہے۔

٥ ایسے غافل لوگ جنہوں نے لذات دنیا کو ہی اپنا مقصود بنا رکھا ہو۔اور ان کی تمام تر فکر و کاوش کا محور دنیاوی سود و زیاں ہی ہو۔ان سے تعلق رکھنے میں اگر دین کی دعوت یا مصلحت پیش نظر ہو تو ٹھیک ہے ورنہ وہ بھی ناجنس کی صحبت میں ہی شامل ہیں۔

ناجنس کی صحبت ایسے ہی خطرناک ہوتی ہے جیسے سانپ خطرناک ہوتا ہے۔

حضرت عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تہجد میں جب توجہات ڈالتا ہوں تو بعض لوگوں کی طرف توجہ جاتی ہے اور ان کے دل اس کو وصول نہیں کرتے تو مجھے آواز آتی ہے کہ ان کے دل میں ہمارے لئے کوئی جگہ نہیں۔ جب ذرا غور کیا تو پتہ چلا کہ یہ وہ لوگ تھے جو بدعقیدہ لوگوں کی صحبت میں بیٹھتے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم تھے۔ ان کا بھائی قریب الموت تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے پوری قوت کے ساتھ توجہ ڈالی مگر اثرات ظاہر نہیں ہوئے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے کہ کیا بات ہے ان پر اثرات کیوں نہیں ہوئے؟ الہام ہوا کہ یہ شخص کفار سے محبت رکھتا ہے۔ اگر گناہگار ہوتا تو ہم تمہاری توجہ کی وجہ سے اس پر مہربانی فرما دیتے مگر کفار کی محبت کی نحوست کو تو جہنم کی آگ ہی دور کرے گی۔

⑤ شیخ کی بے ادبی

جس طرح حصول نسبت میں سب سے زیادہ اہمیت رابطہ شیخ اور محبت شیخ کو حاصل ہے اسی طرح نسبت کے حصول میں حائل رکاوٹوں میں سالک کیلئے سب سے بڑی رکاوٹ اور ابتلاء شیخ کی بے ادبی ہے۔ آداب شیخ کے معاملہ میں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○﴾ (الحجرات: ۱، ۲)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی علیہ السلام کی آواز سے اونچا نہ کرو جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو''

مفسرین نے ان آیات کے شان نزول میں لکھا کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں کسی بات پر بحث کرنے لگے اور ان کی آوازیں ذرا بلند ہو گئیں تو ان کی تنبیہ کیلئے اللہ رب العزت نے یہ آیات اتاریں۔مفسرین نے یہاں پر یہ نکتہ نکالا ہے کہ ان آیات میں لوگوں کو بارگاہ رسالت کے کچھ آداب سکھائے گئے۔ مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ان آداب کا اطلاق ان سالکین پر بھی ہوتا ہے جو کسی شیخ سے بیعت ہوں اور ان سے تربیت لے رہے ہوں۔شیخ چونکہ نائب رسول ہوتا ہے اور نبی علیہ السلام کی نیابت میں اپنے مریدوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ دکھاتا ہے لہٰذا شیخ کی حیثیت سالک کیلئے وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحابہ کرام کیلئے تھی۔اس بات سے آداب شیخ کی اہمیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔اور ان کی بے ادبی کا وبال بھی سمجھ میں آتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ﴿اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَلَا كِنْ لَّا تَشْعُرُوْن﴾ کہ تمہارے اعمال ضائع کردیئے جائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔

تو اس میں سالکین طریقت کیلئے بہت بڑی تنبیہ ہے۔حالات و واقعات یہ بتاتے ہیں کہ جس کسی نے بھی اپنے شیخ کی بے ادبی کی وہ ضرور بالضرور کسی ابتلا میں مبتلا ہو جاتا ہے۔اور اگر اس پر متنبہ نہ ہو تو ہمیشہ کی ذلت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ لہٰذا وہ دوست جن کو مشائخ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اور ان کی صحبت اٹھانے کی سعادت نصیب ہے۔ان کو چاہئے کہ آداب شیخ کے معاملہ میں بہت احتیاط کریں اور ان کے سامنے اور ان کے پیچھے بھی چھوٹے چھوٹے آداب کی رعایت کریں۔آداب شیخ مشائخ کی کتب میں کثرت سے منقول ہیں ان کو بار بار پڑھا کریں اور ان کا

استحضار رکھا کریں۔

شیخ کی بے ادبی دو قسم کی ہوتی ہے۔

(۱) عملی بے ادبی (۲) اعتقادی بے ادبی

عملی بے ادبی:

عملی بے ادبی سے مراد یہ ہے کہ مرید سے اپنے قول سے یا عمل سے واقعتاً شیخ کی بے ادبی سرزد ہو۔ مثلاً ان کی بات کو کاٹنا۔ ان کے سامنے اونچا بولنا۔ ان کے سامنے یوں نمایاں اور اونچا ہو کر بیٹھنا جو بظاہر خلاف ادب معلوم ہو وغیرہ وغیرہ۔

واقعہ: علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ پر واقعہ لکھا ہے کہ کسی جگہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے۔ آپ ذرا آرام حاصل کرنے کیلئے ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گئے۔ ان کے سامنے ایک درویش بیٹھا تھا۔ اس نے بھی ٹانگیں پھیلا لیں یوں کہ ٹانگیں شیخ کی طرف تھیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کچھ دیر اس درویش کی طرف دیکھتے رہے اور پھر اپنی ٹانگیں سمیٹ لیں۔ اس فقیر نے بھی اپنی ٹانگیں پیچھے سمیٹنا چاہیں لیکن وہ ان کو پھر نہ ہٹا سکا وہیں مفلوج ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مشائخ کی بے ادبی سے محفوظ فرمائے۔

واقعہ: کسی شیخ کا ایک مرید تھا۔ ایک مرتبہ اس پر انقباض کی کیفیت طاری ہوئی اور اس کی ذوق شوق والی تمام کیفیات ختم ہو گئیں۔ کافی عرصہ وہ پریشان رہا کہ اس پر ایک عجیب وحشت کی حالت طاری تھی۔ وہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو اپنی حالت بتائی۔ شیخ نے فرمایا تم اپنے اعمال پر غور کرو کوئی ایسی حرکت تو نہیں ہوئی جس پر یہ عتاب ہوا ہو۔ اس نے کافی غور کیا اور پھر شیخ سے عرض کیا کہ کوئی ایسی بات میرے علم میں تو نہیں آ رہی۔ شیخ نے پھر فرمایا کہ نہیں تم دوبارہ غور کرو، کوئی نہ کوئی عمل

تم سے ایسا ہوا ہے جس کا یہ وبال ہے۔ کافی دیر سوچ سوچ کر اس کے دل میں یہ آیا کہ اور تو کوئی ایسا عمل نہیں ہوا سوائے اس کے کہ ایک مرتبہ شیخ کا عصا کہیں پڑا ہوا تھا اور وہ اس کے اوپر سے گزر گیا تھا۔ بس جب اس نے اس بات پر اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر توبہ کی اور پھر شیخ سے توجہات لیں تو اس کی وہ حالت ختم ہوگئی اور انشراح قلب حاصل ہوگیا۔

اعتقادی بے ادبی:

بے ادبی کی دوسری قسم اعتقادی بے ادبی ہے کہ شیخ کے پاس بھی رہتے ہیں لیکن بداعتقادی اور سوءظنی کا مرض ساتھ لگا رہتا ہے۔ وہ شیخ کی فراست اور انقیاد پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ ان کے قول وفعل کو اپنی عقل کے ترازو میں تولتے رہتے ہیں۔ ظرف اپنا کم ہوتا ہے کہ شیخ کی باتوں کی حکمت کو سمجھ نہیں سکتے لیکن ان کو خامی شیخ میں نظر آرہی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے ایسے شخص کو شیخ سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔

؎ میری ہر نظر تیری منتظر
تیری ہر نظر میرا امتحاں

سالوں گزر جاتے ہیں شیخ سے بیعت ہوئے لیکن روحانی اعتبار سے وہیں کھڑے رہتے ہیں جہاں سے ابتدا کی تھی۔ شیطان کی بھی یہی کوشش ہوتی ہے کہ ان کو بدعقیدگی کے مرض میں مبتلا رکھے تاکہ کمال اتباع سے ان کو فائدہ نہ ہوجائے۔ اور پھر شکایت بھی ان کو شیخ سے ہوتی ہے کہ ان کی خدمت سے ہمیں فائدہ نہیں ہوا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ شیخ سے تعلق رکھنے میں ایک والہانہ انداز ہو کہ جو کچھ شیخ نے کہہ دیا بس وہی حرفِ آخر ہے۔ حتیٰ کہ اسے کسی معاملے میں صاف پتہ چلے کہ اس میں حضرت شیخ سے غلطی واقع ہوئی ہے تو وہ پھر بھی یہی سمجھے کہ میری نظر اور میری عقل کا دھوکا ہے ورنہ شیخ حق پر ہیں۔ اور ایسے کئی واقعات ہوتے ہیں کہ فی الواقع شیخ کا خطا

پر ہونا معلوم ہوتا ہے اور بعد میں شیخ کا حق پر ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔ لہٰذا سالک کو شیخ کے معاملے میں اپنی عقل کو چھوڑ کر ان پر اعتماد کرنا چاہئے اور ان کی خطا کو بھی صواب ہی سمجھنا چاہئے۔

تکدّرِ شیخ:

شیخ کی بے ادبی میں سے سب سے زیادہ خطرناک وہ بے ادبی ہے جس پر شیخ مطلع ہوجائے اور اس کے دل میں مرید کیلئے تکدر اور ناراضگی پیدا ہوجائے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس راہ میں معصیت اتنی مضر نہیں ہوتی جتنی بے ادبی مضر ہوتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ معصیت کا تعلق تو اللہ تعالیٰ سے ہے اور چونکہ وہ تاثر اور انفعال سے پاک ہیں اس لئے توبہ سے فوراً معافی ہوجاتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے ویسا ہی تعلق پیدا ہوجاتا ہے۔ بخلاف اس کے بے ادبی کا تعلق شیخ سے ہے اور وہ چونکہ بشر ہے اس لئے طالب کی بے ادبی سے اس کے قلب میں کدورت پیدا ہوجاتی ہے جو فیض کے جاری ہونے میں مانع ہوجاتی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مثال یوں دی ہے کہ اگر کسی چھت کے پرنالہ کے مخرج میں مٹی ٹھونس دی جائے تو آسمان سے پانی برسے گا تو چھت پر تو وہ صاف شفاف ہوگا لیکن جب میزاب سے نکل کر نیچے پہنچے گا تو بالکل گدلا اور میلا ہوگا۔ اسی طرح شیخ کے قلب پر جو ملاءِ اعلیٰ سے انوارات وفیوضات نازل ہورہے ہوتے ہیں وہ ایسے طالب پر جس نے شیخ کے قلب کو مکدر کر رکھا ہے مکدر صورت میں ہی پہنچیں گے۔ جس سے اس کا قلب پاک صاف ہونے کی بجائے اور زیادہ مکدر ہوجاتا ہے۔ اور قلب کے مکدر ہونے سے انشراحِ قلب جاتا رہتا ہے۔ انشراحِ قلبی کے زوال سے طالب میں بے ذوقی پیدا ہوتی ہے جو کوتاہی اعمال کا سبب بن جاتی ہے۔ یوں آہستہ آہستہ طالب اپنی اصل پٹڑی سے اتر کر شیطان کے راستے پر چل نکلتا ہے۔ اس لئے

شیخ کی ناراضگی سے بہت ڈرنا چاہئے اور اگر خدانخواستہ کبھی دانستہ یا نادانستہ طور پر کوئی ایسی بات ہو جائے تو اس کا ازالہ کرنے میں دیر نہ لگائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تمام رکاوٹوں پر قابو پانے کی توفیق نصیب فرمادیں آمین

حصول نسبت کے واقعات

حضرت شاہ بھیک رحمۃ اللہ علیہ کو نسبت ملنے کا واقعہ:

حضرت شاہ غلام بھیک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے کہ وہ اپنے شیخ شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کے عاشق تھے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ قدس سرہ خدام کے اصرار پر اپنے گاؤں سہارنپور تشریف لائے اور شاہ غلام بھیک رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ شیخ تو دعوت کے کام پر نکلے ہوئے ہیں اور پیچھے گھر میں کچھ نہیں ہے۔ شیخ کی جہاں دعوت ہوتی شاہ غلام بھیک رحمۃ اللہ علیہ دعوت کرنے والے سے یہ طے کر لیتے کہ دو آدمیوں کا مزید کھانا دینا پڑے گا اور روزانہ عشاء کی نماز حضرت کے ساتھ پڑھ کر حضرت کو لٹا کر دو آدمیوں کا کھانا لے کر پیدل انبہٹہ جو سہارنپور سے ۱۶ میل کے فاصلے پر ہے تشریف لے جاتے اور اماں جی کو کھانا دے کر فوراً واپس ہوتے حتیٰ کہ تہجد کے وقت حضرت کی خدمت میں آجاتے۔ چند روز بعد حضرت انبہٹہ پہنچے تو اہلیہ سے پوچھا کس طرح گزری تو ان کو اس سوال پر بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس مرتبہ تو آپ روزانہ کھانا بھیجا کرتے تھے۔ پھر گزر کا سوال کیسا؟ مزید استفسار پر بتایا کہ دو گھڑی رات گزرنے پر شاہ بھیک روزانہ کھانا دے کر جایا کرتے تھے۔ شیخ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور آکر شاہ بھیک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تو انہوں نے صورت حال عرض کر دی اور کہا کہ اماں جی اور صاحبزادے صاحب تو فاقہ کریں اور بھیک اپنا پیٹ بھرے اس کی غیرت نے گوارا نہ کیا۔ شیخ کو اس جواب پر مسرت ہوئی اور یہ فرمایا کہ تو

نے میرے توکل میں تو ضرور فرق ڈالا مگر خدمت کا حق ادا کر دیا۔ اس کے بعد بھیک رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی چھاتی سے لگالیا اور روحانی نعمت جو کچھ دینی تھی وہ عطا فرمادی۔

پھتو سے سائیں فتح علی تک:

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ سائیں فتح علی کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ایک آدمی پھتو نامی بالکل ان پڑھ جاہل تھا۔ اسے قرآن پاک بھی پڑھنا نہیں آتا تھا مگر حضرت کے ساتھ جب بیعت کی تو گویا بک گیا۔ اپنے آپ کو شیخ کے سپرد کر دیا، حضرت کی خدمت میں رہنے لگ گیا۔ حضرت وہاں پر کئی ایکڑ زمین ملی ہوئی تھی۔ پھتو کہنے لگا، حضرت! اگر پہاڑ کو فلاں جگہ سے کاٹ دیا جائے تو یہ پانی رخ بدل لے گا اور آپ کی زمین کارآمد بن جائے گی۔ حضرت نے فرمایا: یہ تو بہت مشکل کام ہے۔ کہنے لگا: حضرت! بس اجازت دے دیجئے۔ حضرت نے جب پھتو کی طلب سچی دیکھی تو اجازت دے دی۔ چنانچہ پھتو نے کدال ہاتھ میں لی اور وہاں جا کر چٹانوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ لوگ آ کر پوچھتے: پھتو! کیا کر رہے ہو؟ وہ کہتا: پہاڑ کاٹ کر دریا کا رخ موڑنا چاہتا ہوں۔ لوگ ہنس کے چل دیتے اور کہتے کہ لوگ ایسے ہی کہتے ہیں کہ بیوقوف مر گئے ہیں: دیکھو! وہ سامنے موجود ہے۔ پھتو کسی کی بات پر کان نہ دھرتا، بس اپنے کام میں لگا رہتا۔ میرے دوستو! پہاڑوں کو توڑنا آسان نہیں ہوتا، دریاؤں کا رخ موڑنا آسان نہیں ہوتا، مگر جب عشق کا جذبہ ساتھ شامل ہوتا ہے تو پھر پہاڑ بھی موم بن جایا کرتے ہیں۔ پھر اللہ رب العزت راستے نکال دیا کرتے ہیں۔

ہر ضرب تیشہ ساغر کیف وصال دوست

''تیشے کی ہر ضرب ایسی ہوتی ہے جیسا کہ وہ دوست کے وصل کا جام پی رہا ہو''

وہ تیشے مار رہا تھا اور محبت کی لذتیں اٹھا رہا تھا۔ ایک وقت آیا کہ پہاڑ کا حصہ

کٹ گیا۔ دریا کا رخ بدلا اور حضرت کی زمین قابلِ کاشت بن گئی۔

اس واقعہ کے کچھ دن بعد حضرت نے مکانات بنوانے تھے کیونکہ خانقاہ پر مہمانوں کی آمدورفت زیادہ تھی اور رہائش کا انتظام کم تھا۔ چنانچہ مستری کام پر لگا دیئے گئے۔ مستری تو دوپہر کے وقت آرام کرتے مگر پھتو سوچتا کہ مستری اٹھیں گے اور میں اس وقت گارا بناؤں گا تو اس سے تو وقت ضائع ہو جائے گا۔ مستری تو انتظا میں بیٹھے رہیں گے اور کام تو میرے حضرت کا ہے۔ چنانچہ جب مستری سو جاتے اس وقت پھتو گارا بنایا کرتا تھا اور کسی کو پتہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ جی ہاں، محبت اظہا نہیں چاہتی، محبت تو اخفا چاہتی ہے۔

وہ جن کا عشق صادق ہے وہ کب فریاد کرتے ہیں
لبوں پر مہر خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

چنانچہ پھتو اسی طرح گارا بناتا رہا۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک دن دوپہ کے وقت اٹھے، بالکونی سے باہر دیکھا، دھوپ کی وجہ سے سب لوگ سوئے ہو۔ تھے۔ اکیلا عاشق گارا بنا رہا تھا۔ پسینے میں شرابور مگر عشق و محبت کے ساتھ وہ اپنی کسّی چلا رہا تھا۔ حضرت نے جب دیکھا تو آپ کو طلب صادق نظر آئی۔ چنانچہ ایک آدمی کو بھیج کہ پھتو کو بلا کر لاؤ۔ اس آدمی نے جب جا کر کہا تو پھتو ڈر گیا کہ شاید مجھ سے کوئ کوتاہی ہوئی ہے۔ کہنے لگا: اچھا میں ابھی ذرا بدن دھولوں اور کپڑے بدل لوں پھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہوں۔ حضرت کو پتہ چلا تو فرمایا: نہیں اسے کہو کہ اسی حالت میں میرے پاس آئے۔ چنانچہ پھتو اسی حالت میں آپ پاس آیا۔ آپ نے اسی وقت سینے سے لگایا اور نسبت کو القا فرما دیا۔

اب پھتو رونے بیٹھ گیا۔ کہنے لگا، حضرت! میں تو جاہل مطلق ہوں، مجھے بالکل کچھ نہیں آتا، قرآن بھی پڑھا ہوا نہیں ہوں اور آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تجھے خلافت دے دی مگر میں تو اس کا مستحق نہیں ہوں۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے

فرمایا، نعمت دینا اللہ کا کام۔اس نے دل میں ڈالا اس لئے ہم اب اسے روک نہیں سکتے تھے۔ہم نے دیکھا کہ برتن صاف ہے لہذا ہم نے نعمت برتن میں ڈال دی۔اب اللہ تعالیٰ خود مہربانی فرمائے گا۔

خیر پھتو کو نسبت ملی تو نسبت نے اپنے پھل پھول نکالنے شروع کر دیے۔اس نے قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیا۔کچھ اور وقت گزرا تو سائیں فتح علی بن گیا، حتی کہ بڑے بڑے علماء اس سے بیعت ہونے لگ گئے۔حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے حج کیا۔اسی دوران میں سائیں فتح علی بھی مکہ مکرمہ میں تھے۔مدرسہ صولتیہ میں علما کا مجمع تھا۔میں نے دیکھا کہ علما تو زمین پر چٹائیاں بچھا کر سوئے ہوئے ہیں جبکہ انکے درمیان میں سائیں فتح علی رحمۃ اللہ علیہ کیلئے چارپائی بچھائی تھی۔یہ نعمت ایسی چیز ہے کہ یہ پھتو کو سائیں فتح علی بنا دیا کرتی ہے۔

حضرت عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کو نسبت ملنے کا واقعہ:

حضرت عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے نسبت ملنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں چنی گوٹھ ریاست بہاولپور میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔حضرت اپنی جماعت کے ہمراہ شہر کے نواح میں تشریف لے گئے۔اچانک ان پر نہ جانے کیا کیفیت طاری ہوئی کہ دفعتاً اٹھے اور استغراق کی حالت میں جنگل کی طرف دوڑنے لگے اور ساتھ ہی مجھے آوازیں بھی دیتے جا رہے تھے۔میں چونکہ آبادی میں تھا، لہٰذا حضرت کے خدام مجھے ڈھونڈنے کیلئے نکلے۔میرے ایک پیر بھائی حضرت مولانا عبدالغفار صاحب مجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے مجھ تک پہنچے اور کہا کہ جلدی چلو شیخ کی تو یہ حالت ہے۔میں جلدی سے شیخ کی خدمت میں پہنچا۔حضرت پر ابھی وہی کیفیت طاری تھی میں نے عرض کیا: حضرت میں حاضر ہوں۔حضرت شیخ نے تبسم فرمایا اور فرمایا: آ گئے؟ میں نے

کہا: جی حضرت۔ پھر حضرت نے وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور دعا فرمائی اور اپنے نعلین مبارک میری طرف بڑھائے کہ ان کو پہن لے۔ میں بے ادبی کے خوف سے ڈرا کہ اپنا گندا پاؤں حضرت کے نعلین میں کیسے ڈالوں۔ حضرت نے تین بار اصرار فرمایا۔ میں نے دل ہی دل میں دعا کی کہ یا اللہ! حضرت شیخ کے قلب میں القا فرمادے کہ میں ان کے فرمان پر گویا کہ عمل کر چکا لیکن عملاً یہ گستاخی نہیں کر سکتا۔ میری دعا قبول ہوئی۔ حضرت نے تیسری دفعہ کے بعد دوبارہ اصرار نہ فرمایا اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ تیرا پاؤں اور میرا پاؤں برابر ہیں۔ یہ فرماتے ہوئے حضرت نے نعلین پہن لیے۔

حضرت عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ احمد پور رکنے کا تھا لیکن مجھے محسوس ہوا کہ حضرت مجھے فقیر پور ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ فرمایا کہ راستہ میں بہت سا بوجھ اٹھانا ہے کون ہے جو میرے ساتھ چلے گا؟ میں حیران تھا کہ کونسا ایسا بوجھ ہے جو اٹھانا ہے۔ بہرحال پوری جماعت میں سے حاجی کریم بخش، مولانا عبدالغفار صاحب اور میں نے ساتھ چلنے کے لئے اپنے نام پیش کیے۔ راستے میں ایک مقام پر جب کہ حضرت گھوڑے پر سوار تھے اور میں حضرت کے دائیں جانب ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ کونسا سبق کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا ''مراقبہ معیت''۔ حضرت نے مراقبہ معیت کی کچھ تفصیلات بیان فرمائیں اور مزید فرمایا کہ ولی کی انتہا مراقبہ معیت تک ہے اس سے آگے انبیاء علیہم السلام کے مقامات شروع ہوتے ہیں اور پھر دفعتاً مجھے نسبت القا فرمائی۔ میرے اوپر ایک کیفیت طاری ہوئی جیسے میرے سر پر اور وجود پر بوجھل سامان رکھ دیا گیا ہو۔ میں گرنے لگا کہ اچانک میرا ہاتھ گھوڑی کی خرجین پر پڑا اور میں لڑھکتا اور گھسٹتا ہوا کافی دور تک چلا گیا، پھر میں سنبھل گیا اور چلنے کے قابل ہوا۔ میرے بعد حضرت نے بائیں جانب مولانا عبدالغفار صاحب اور حاجی کریم بخش صاحب سے ان کے اسباق کے بارے

میں پوچھا، ان کے اسباق مجھ سے پیچھے تھے۔ حضرت نے ان کو بھی نسبت القا فرمائی لیکن ان کی وہ حالت نہ ہوئی جیسے میری ہوئی تھی۔

علی پور سے گزر کر ہم حضرت کے مقام فقیر پور شریف پہنچ گئے۔ حضرت اپنے دولت خانہ سے دو عمامے لائے اور حاجی کریم بخش صاحب سے فرمایا کہ یہ عمامہ جو میرے ہاتھ میں ہے یہ میرا استعمال شدہ ہے اور دوسرا نیا ہے، تمہیں کونسا پسند ہے۔ حاجی کریم بخش صاحب نے مستعمل عمامے کو پسند کیا۔ حضرت نے وہ ان کو دے دیا اور نیا عمامہ مولانا عبدالغفار صاحب کو عطا کر دیا۔ میرے متعلق فرمایا کہ اس کو میں نعلین پہلے ہی دے چکا ہوں۔ اس وقت مجھ پر یہ راز کھلا کہ نعلین مبارک دینے اور جنگل میں دوڑنے کا کیا راز تھا۔ ایسی کیفیت اس سے قبل نہیں دیکھی تھی۔ مولوی نور بخش صاحب پر گریہ طاری ہو گیا۔ میں نے پوچھا، آپ کیوں روتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہم تو جملہ خلفا تو یونہی رہے، حضرت نے تمہیں نعلین مبارک عطا فرما دیئے اور قدم بقدم چلنے کی سعادت سے مشرف فرمایا۔

آمدم بر سر مطلب

میرے دوستو! نسبت کی نعمت بڑی چیز ہے اس کے حصول کے لئے کوشش کیجئے اور اپنے سینوں کو اس کے لئے پاک کر لیجئے۔ ایک صاحب اسم اعظم سیکھنا چاہتے تھے۔ لہٰذا اس نے اپنے شیخ سے کہا، حضرت! مجھے اسم اعظم سکھا دیجئے۔ شیخ نے ان کو ایک برتن میں کوئی چیز بند کر کے دی اور فرمایا کہ اسے فلاں جگہ پہنچا دو مگر تم اسے کھول کر نہ دیکھنا۔ وہ برتن لے کر چلا گیا۔ راستے میں اسے خیال آیا کہ دیکھ لیتا ہوں اس میں کیا کچھ ہے۔ جب کھولا تو دیکھا کہ اس میں چوہا تھا، جیسے ہی اس نے ڈھکنا اتارا وہ بھاگ گیا۔ جب وہاں برتن پہنچایا تو وہ خالی تھا۔ شیخ نے پوچھا کیا بنا؟ کہنے لگے

حضرت! میں نے تو صرف برتن دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ یہ سن کر شیخ نے فرمایا: جب تم ایک چھوٹی سی چیز کی حفاظت نہیں کر سکتے تو اسم اعظم کی حفاظت کیسے کرو گے؟

پس مشائخ کرام نسبت کا نور بھی اس آدمی کے دل میں القاء فرماتے ہیں جو اس کی حفاظت کرنے اور لاج رکھنے کے قابل ہو۔

نسبت کیلئے برتن کی صفائی:

ہر بندہ چاہتا ہے کہ مجھے نسبت ملے مگر اس نسبت کے لئے برتن تو صاف کر لیں۔ اگر آپ کے ہاتھ میں کوئی نجاست لگا ہوا پیالہ دے کر کہے کہ جی مجھے اس میں دودھ ڈال دیجئے تو یقیناً آپ کی غیرت اس بات کو گوارا نہیں کرے گی کہ اس ناپاک برتن میں آپ دودھ ڈالیں۔ آپ کہیں گے کہ یہ آداب کے خلاف ہے۔ جس طرح نجاست والے برتن میں دودھ نہیں ڈال سکتے بالکل اسی طرح گناہوں والے سینے میں نسبتوں کو القاء نہیں کر سکتے۔ دل کے اندر پہلے طلب پیدا کرنا پڑتی ہے پھر اللہ رب العزت مہربانی فرما دیتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی رحمت جوش میں آتی ہے اور انسان کے دل کے برتن کو بھر دیا کرتی ہے۔ یاد رکھئے کہ جس گھر کے اندر کوئی تصویر لگی ہوئی ہو اس گھر کے اندر رحمت کا کوئی فرشتہ نہیں آتا، جس دل میں کسی غیر کی تصویر ہو بھلا اس دل کے اندر اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے آئے گی۔ اس لیے دلوں کو پاک کر لیجئے۔ آپ کا کام دلوں کو صاف کرنا ہے اور رب کریم کا کام نسبت کو القا کر دینا ہے۔

شیخ ڈاکیے کی مانند ہوتا ہے:

اگر آپ سینہ صاف کر لیں گے تو آپ کے شیخ نسبت القا کرنے سے رک نہیں سکیں گے۔ اور اگر کوئی شیخ کسی کو اس کا اہل پانے کے باوجود نسبت القا نہیں کرے گا تو اس شیخ کی اپنی نسبت سلب کر لی جائے گی۔ کتنی بار ایسا ہوا کہ بعض مشائخ نے اشارہ

ہونے پر بھی آگے نسبت منتقل نہ کی تو ان کو خواب میں بتایا گیا کہ یہ امانت ہے تمہارے گھر کی کوئی چیز نہیں ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کر دو۔ لہذا یہ نسبت ایک امانت ہے اور شیخ ڈاکیے کی مانند ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے دل کے برتن کو محنت، طلب، عاجزی، انکساری اور للٰہیت سے بھرنا ہے، پھر اللہ تعالیٰ شیخ کے دل میں وہ کیفیت ڈال دیتے ہیں جس سے بندے کے سینے میں نسبت کا نور القاء ہو جاتا ہے۔ اس سے سینے روشن ہو جاتے ہیں اور پوری دنیا اس کی برکتیں دیکھتی ہے۔

لمحۂ فکریہ:

آج نسبت کے طلبگار تو کئی ہیں مگر نسبت کیلئے سینوں کو تیار کرنے والے بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ پوری دنیا میں پھر کر دیکھئے آپ کو کوئی بندہ بھی اس طرح کا نظر نہیں آئے گا۔ سب میں خواہش پرستی، نفس پرستی، اور ہوا پرستی رہ گئی ہے اور خدا پرستی سے غافل ہو کر دنیا کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔

بتوں کو توڑ تخیل کے ہوں کہ پتھر کے

جب تک ان بتوں کو نہیں توڑیں گے اس وقت تک نسبت کا نور نصیب نہیں ہوگا۔ آج تو جن دلوں پر بھی نظر ڈالی جاتی ہے وہاں دنیا بھری نظر آتی ہے بلکہ وہاں دنیا جمی ہوئی نظر آتی ہے۔

؎ حال دل جس سے میں کہتا کوئی ایسا نہ ملا
بت کے بندے تو ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مشائخ سے جڑے رہنے کی توفیق نصیب فرمائے اور ہم سب کو نسبت کا نور عطا فرما دے۔ آمین ثمہ آمین

رہے سلامت تمہاری نسبت

حضرت قاسمؒ

حضرت ابوبکرؓ

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

حضرت یعقوب چرخیؒ

حضرت بایزید بسطامیؒ

حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ

حضرت عبدالمالک صدیقیؒ

حضرت خواجہ محمد معصومؒ

حضرت غلام حبیبؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حضرت فضل علی قریشیؒ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

دارالکتاب دیوبند

باب 8

اجازت وخلافت

خلافت کیا ہے؟

مشائخ طریقت کا یہ دستور رہا ہے کہ بعض سالکین کو تکمیل سلوک کے بعد طریقہ آگے سکھانے کے لئے اجازت بیعت عطا کرتے ہیں جسے عرف عام میں "خلافت" کہتے ہیں۔ یہ اجازت وخلافت ایسے ہی ہے جیسے مدارس سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد سند فراغت عطا کی جاتی ہے۔

مدارس سے سند فراغت حاصل کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اب ان کو ایسا تبحر علمی حاصل ہو چکا ہے کہ مزید علم کی ضرورت نہیں رہی۔ بلکہ یہ سند فراغت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ایسی علمی سطح پر پہنچ چکے ہیں کہ وہ آگے علم پڑھا بھی سکتے ہیں اور درس وتدریس سے اور مزید مطالعہ سے اپنی ذاتی قابلیت میں مزید اضافہ بھی کر سکتے ہیں۔ یہی حال اجازت وخلافت کا ہے۔ خلافت ملنے کا مطلب یہ ہے کہ موصوف باطنی طور پر ایسی سطح پر پہنچ چکے ہیں کہ اب اگر وہ اپنا حلقہ احباب میں مصروف اب وہ دوسروں کی باطنی اصلاح کا سبب بنیں گے بلکہ خود ان کی بھی ترقی

اسی کام میں ہوتی جائے گی۔

خلافت کا مقصد

خلافت کا مقصد طریقہ کی نشر واشاعت ہے۔ تاکہ دعوت وارشاد کے کام کو آگے بڑھایا جائے اور لوگوں کو خدا سے جوڑا جائے۔ اب یہ ایک بوجھ اور ذمہ داری خلیفہ مجاز پر ڈالی جاتی ہے کہ وہ سلسلہ کی اشاعت کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لائے گا۔ اور لوگوں کی اصلاح کا سبب بنے گا۔ اجازت و خلافت حاصل ہونے کے بعد جو حضرات اس کا حق ادا کرتے ہیں طریقہ پر خود بھی کاربند رہتے ہیں اور اس کی ترویج واشاعت کرتے رہتے ہیں تو اس کے ضمن میں ان کے اپنے باطنی کمالات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اور جو اس کا حق ادا نہیں کرتے اور اس کو آگے تعلیم کرنے سے غفلت کرتے ہیں وہ رفتہ رفتہ اس کی برکات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ جیسے مدرسہ سے فارغ ہونے کے بعد کوئی عالم اگر درس و تدریس میں مشغول ہو جائے تو اس کے علم کا نور اور بڑھتا رہتا ہے اور اگر وہ عالم کسی اور پیشے میں لگ جائے تو آہستہ آہستہ اس کی قابلیت علمی جاتی رہتی ہے۔ اسی لئے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی سالانہ وصیت بسلسلہ خلفاء میں یہ لکھا کرتے تھے کہ فلاں صاحب دوسرے مشغلے میں لگ گئے ہیں اور اس کام کو چھوڑ دیا ہے لہٰذا ان کا نام اس فہرست سے خارج کرتا ہوں۔

نسبت اور خلافت میں فرق

یہ جان لینا چاہئے کہ نسبت اور خلافت میں فرق ہے۔ نسبت تو تعلق مع اللہ کی ایک باطنی حالت کا نام ہے۔ اور خلافت اس اجازت اور ذمہ داری کو کہتے ہیں جو

...کسی صاحب نسبت کو عطا کر دیتا ہے۔ عام طور پر لوگ اس فرق کو نہیں سمجھتے۔ ...وں کا فرق واضح کرنے کے لئے کچھ نکات بیان کیے جاتے ہیں۔

نسبت	خلافت
1 نسبت ایک باطنی کیفیت کا نام ہے۔	خلافت ایک ذمہ داری کا نام ہے۔
2 نسبت ایک کسبی چیز ہے جو ہر شخص کو محنت ...ہدے سے حاصل ہو سکتی ہے۔	خلافت ایک انتظامی نوعیت کی چیز ہے جو اشارہ غیبی سے شیخ کسی کو عطا کرتا ہے۔
3 نسبت ایک نعمت ہے۔	خلافت ایک بوجھ ہے۔
4 نسبت کے حصول کیلئے کوشش کرنی چاہئے	خلافت کے ملنے سے ڈرنا چاہئے
5 نسبت کی تمنا کرنی چاہئے۔	خلافت کا مانگنا تصوف کی لائن میں شرک ہے۔
6 صاحب نسبت ہونا اس امر پر دلالت کرتا ...ے کہ موصوف کو ایک خصوصی تعلق مع اللہ نصیب ...ہے۔	صاحب اجازت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ موصوف دوسروں کو اس نعمت کی تعلیم دے سکتا ہے۔
7 یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص صاحب نسبت تو ہو ...صاحب خلافت نہ ہو۔	جو صاحب خلافت ہوتا ہے اس کے لئے صاحب نسبت ہونا ضروری ہوتا ہے۔

اجازت دینے میں مشائخ کا معمول

اجازت دینے میں مشائخ کا طریقہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ وہ سالک کو کچھ عرصہ ...پنے پاس رکھ کر محنت مجاہدہ کرواتے ہیں اور باطنی توجہ دیتے ہیں۔ جب وہ اپنی ...راست سے دیکھتے ہیں کہ اس کے قلب اور نفس کی اصلاح ہو چکی ہے اور وہ اس ...ہا ہے کہ دعوت وارشاد کا کام کر سکے تو پھر اسے خلافت دے دیتے ہیں۔ تاہم

بعض حضرات کے ہاں تسہیل پائی جاتی ہے یعنی وہ تھوڑی ہی محنت کے بعد اجازت دے دیتے ہیں جیسے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ہاں خلافت جلد دے دی جاتی تھی، اور بعض حضرات کے ہاں سختی پائی جاتی ہے جیسے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بہت محنت اور مجاہدہ کرواتے تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے ہاں بھی یہی حال تھا۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ کے بعض خدام ان کی وفات کے بعد حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں حضرت کی طرف سے اجازت بیعت دے دی گئی ہے تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ بھئی میرے ہاں تو ابھی کچھ کام کرنا پڑے گا۔ کسی کو اجازت وخلافت دینے میں جو بھی کوئی حکمتیں ہوتی ہیں وہ مشائخ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کسی کی باطنی حالت کیا ہے اور اس سے کب، کہاں، اور کیسے دین کا کام کرواتا ہے۔ اس ضمن میں کبھی تو ان کو کشفی یا وجدانی طور پر اشارے ہو جاتے ہیں اور کبھی وہ اپنے دوسرے خلفاء سے بھی مشورہ کر لیا کرتے ہیں۔

کسی کو اس فکر میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ فلاں کو اجازت کیوں ملی ہے۔ تاہم ایک بات پکی ہے کہ جو کوئی بھی نیک نیتی سے مشائخ کی خدمت میں رہتا ہے اور اپنی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے تو جب اللہ کے ہاں اس کی مقبولیت ہو جاتی ہے تو اس سے دین کا کام لینے کے لئے شیخ کے دل میں یہ بات ڈال دی جاتی ہے کہ اسے خلافت دی جائے۔ جب مشائخ اپنی باطنی فراست سے اس امر کو جان لیتے ہیں تو پھر وہ خلافت دینے سے رک نہیں سکتے۔ یہ نہیں ہوتا کہ اپنی مرضی سے خلافتیں بانٹتے پھرتے ہیں بلکہ یہ ایک امانت اور بوجھ ہوتا ہے جو انہوں نے آگے پہنچانا ہوتا ہے۔ اور جب انہیں اس کا اہل کوئی بندہ نظر

آ جاتا ہے تو پھر وہ اس امانت کو اس کے سپرد کر دیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے حکم فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا اللہ تعالی تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کر دو۔

ایک مرتبہ ایک عالم اس عاجز سے بیعت ہوئے۔ نیکی اور تقویٰ کا نور ان کے چہرے سے عیاں تھا۔ ان کو اسباق و معمولات بتا دیئے دو سال کے بعد ان کی باطنی کیفیات کو دیکھتے ہوئے جی چاہتا تھا کہ ان کو کچھ دن اپنے پاس رکھوں اور سلوک کی تکمیل کروادوں لیکن درس و تدریس کی مشغولیت ان کیلئے رکاوٹ تھی۔ عاجز کے دل میں یہ بات آ رہی تھی کہ ان کو خلافت دینی چاہئے لیکن چونکہ ان کو صحبت کم ملی تھی اس لئے عاجز ذرا تامل کر رہا تھا۔ ایک دن دوپہر کو قیلولہ کی نیت سے سویا تو حضور نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ اپنی نسبت کی سلامتی چاہتے ہو تو انہیں اجازت دے دو۔ اب عاجز کیا بتائے کہ پھر مغرب کی نماز تک کا وقت بھی بڑی مشکل سے گزارا اور نماز کے بعد انہیں اجازت وخلافت دے کر رخصت کیا۔

اجازت کی دو قسمیں

بعض مشائخ کے ہاں اجازت بھی دو طریق پر ہوتی ہے۔ ایک قسم تو وہ ہے کہ باقاعدہ خلافت دے کر آگے بیعت کرنے کی اجازت دے دی ان کو مجاز بیعت کہا جاتا ہے۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ کسی کو یہ اجازت دے دی کہ اللہ کا نام لوگوں کو بتا دیا کرو یا ذکر کا حلقہ لگا لیا کرو ان کو مجاز صحبت کہتے ہیں۔ یہ دوسری قسم کی اجازت اول درجے کی نہیں ہے یعنی باقاعدہ خلافت نہیں ہے۔ لہٰذا اس بات کو خوب ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت مہاجر مکیؒ کا یہ قول ہے کہ ''میرے خلفاء دو قسم

کے ہاں ایک وہ جنہیں میں نے ازخود بلا درخواست اجازت دی ہے۔ وہی اصل خلفاء ہیں۔ دوسرے وہ جنہوں نے درخواست کی کہ اللہ کا نام بتادیا کروں میں نے کہا بتادیا کرو، یہ اجازت پہلے درجے کی نہیں ہے"

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہاں مجازین کے باقاعدہ دو طبقے تھے۔ ایک مجازین بالبیعت اور دوسرے مجازین بالصحبت۔ دونوں کا درجہ مختلف ہوتا تھا۔

علمائے کرام اور خلافت

نسبت کے نور کا علم دین سے ایک خاص تعلق ہے۔ علماء حضرات کے سینے نسبت کا نور حاصل کرنے کے لئے بہت زرخیز ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے تحصیل علم کی راہ میں جو محنت مجاہدہ کیا ہوتا ہے وہ اس کے حصول میں معاون بن جاتا ہے۔ لہٰذا جس بندے نے بھی نیک نیتی سے دینی علوم کو حاصل کیا ہوتا ہے، وہ عوام الناس کی نسبت جلدی اس نعمت کو حاصل کر لیتا ہے۔ علماء حضرات علم تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن اس علم کا نور اور اس کی حقیقت ان کو تبھی حاصل ہو سکتی ہے جب وہ کسی صاحب نسبت کی خدمت میں رہ کر اس کا رنگ اپنے اوپر چڑھا لیں۔ علم شریعت ایک رنگ ہے علماء کرام رنگ فروش ہیں اور مشائخ عظام رنگریز ہیں جو شریعت کا رنگ بندے پر چڑھا دیتے ہیں۔ کسی عالم دین کا کسی اللہ والے کے پاس آنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی اپنے چراغ میں تیل اور بتی لے کر آئے اب شیخ نے اس کو صرف دیا سلائی ہی دکھانی ہوتی ہے، چراغ جل جاتا ہے۔

علماء حضرات اس راستے کے ادب آداب کے ساتھ شیخ کی خدمت میں وقت گزاریں اور تھوڑی سے توجہ فرمائیں تو اس نسبت کو جلدی پا لیتے ہیں۔ ان کی

حیثیت نور علیٰ نور کی سی ہوتی ہے کہ ایک تو علم کا نور اور دوسرا نسبت کا نور یہی وجہ ہے کہ ان کو خلافت کا اہل جانتے ہوئے جلد خلافت دے دی جاتی ہے کہ ایسے حضرات معاشرے میں مقتداء بننے کے زیادہ اہل ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس عوام الناس میں سے کوئی نسبت کا نور حاصل کرنا چاہے تو اس کو محنت اور مجاہدہ زیادہ کرنا پڑتا ہے۔ اس راہ میں زیادہ وقت لگانا پڑتا ہے۔ لیکن جب نسبت کی نعمت حاصل کر لیتا ہے تو اب وہ بھی خالی نہیں رہتا۔ اس کی بصیرت تیز ہو جاتی ہے اور فکر میں علوم شریعت تک رسائی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی طبیعت شریعت کے موافق ہو جاتی ہے۔ عام طور پر یہ حضرات اگر ذرا توجہ کریں تو دینی علوم کو جلدی سمجھ لیتے ہیں اور جلدی حاصل کر لیتے ہیں اور بعض تو ایسے کامل ہوتے ہیں کہ ان کو علم لدنی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس بات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علم شریعت اور علم حقیقت کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اکابر علمائے دیوبند جب سند فراغت حاصل کر لیتے تھے تو اس کے بعد ان کے لئے یہ ضروری ہوتا تھا کہ کسی صاحب نسبت بزرگ کے پاس رہ کر اپنی اصلاح کروائیں۔ بلکہ پہلے پچاس سال تک تو یہ معمول رہا کہ اس وقت تک ان کو دستار فضیلت نہیں باندھی جاتی تھی جب تک وہ علوم ظاہرہ سے فراغت کے بعد کسی اللہ والے کے پاس رہ کر باطنی نعمت نہ حاصل کر لیتے۔ پچاس سال بعد جب دیکھا گیا کہ اب حالات ایسے نہیں ہیں کہ طلباء زیادہ وقت دے پائیں تو پھر ان کو دستار فضیلت اس شرط کے ساتھ باندھ دی جاتی تھی کہ وہ اپنے اپنے مقام پر کسی اللہ والے سے یہ نعمت حاصل کریں گے۔

خلافت ملنے کے واقعات

حضرت سید احمد شہیدؒ کی خلافت

حضرت سید احمد شہیدؒ پہلے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے بیعت ہوئے تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے ان کو قریب ہی مسجد میں جس میں شاہ صاحب اور طلباء نمازیں پڑھا کرتے تھے ٹھہرا دیا اور کہا کہ تعلیم حاصل کرو اور ہمیں ہر آٹھویں روز ملا کرو۔ ۶ ماہ تک وہ تعلیم حاصل کرتے رہے۔ چھ ماہ کے بعد حضرت شاہ صاحب کے خاندان میں کوئی شادی کی تقریب تھی۔ اس تقریب میں شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین تینوں بھائی موجود تھے اور شامیانہ لگایا جارہا تھا۔ اس جگہ پر نیم کا ایک درخت تھا جس کی رکاوٹ سے شامیانہ میں جھول آ جاتا تھا۔ اتنے میں سید احمد صاحب بھی تشریف لے آئے۔ آپ نے دیکھا تو کرتا کمر سے باندھا اور نیم پر چڑھ گئے، اور کھینچ کر شامیانے کو کھینچا تو وہ بالکل صحیح تن گیا اور جھول نکل گیا۔ سید صاحب کی یہ دھج شاہ عبدالقادر صاحب کو پسند آگئی اور انہوں نے شاہ عبدالعزیز صاحب سے عرض کیا کہ سید احمد کو مجھے دے دیجئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ لے جاؤ اور سید صاحب سے کہہ دیا کہ میاں عبدالقادر کے ساتھ جاؤ۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ ان کو اپنے پاس اکبری مسجد لے آئے اور ایک حجرہ دے دیا اور کچھ ذکر اذکار تعلیم کیے اور فرمایا کہ میری سہ دری کے پاس بیٹھ کر ذکر کیا کرو۔ سید صاحب نے اس حکم کی تعمیل کی اور شاہ عبدالقادر کے حکم کے مطابق ذکر و شغل کرنے میں لگ گئے۔ جو جگہ شاہ صاحب نے ان کو بتادی سید صاحب خواہ بارش ہو آندھی یا دھوپ برابر اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے اور جب تک شاہ صاحب

نہ کہتے اس وقت تک نہ اٹھتے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے سید صاحب کو ڈھائی برس تک اپنے پاس رکھا اور پھر ان کو لے کر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ یہ سید احمد صاحب ہیں ان کو پرکھ لیں۔ شاہ صاحب نے کہا میاں عبدالقادر تم جو کچھ کہتے ہو ٹھیک کہتے ہو۔ اب ان کو بیعت کی اجازت دے دو۔ شاہ عبدالقادرؒ نے عرض کیا کہ حضرت اجازت انہیں آپ ہی دیں گے اور ان سے آپ کا ہی سلسلہ چلے گا۔ شاہ صاحب نے ان کو اجازت دے دی۔

بیعت کے ساتھ ہی اجازت وخلافت

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک دن اپنے پاس رکھا، توجہات دیں اور دوسرے دن اس کو اجازت وخلافت دے دی۔ جو لوگ سالہا سال سے رہ رہے تھے وہ کہنے لگے، حضرت! ہم تو آپ کی خدمت میں کئی کئی سالوں سے موجود ہیں لیکن آپ کی مہربانی اس پر ہوگئی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ہاں، وہ اپنے تیل اور بتی کو ٹھیک کر کے آیا تھا، میں نے تو فقط اس کے چراغ کو روشن کیا ہے۔ آج کل کے سالک تو ایسے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ تیل بھی پیر ڈالے اور بتی بھی پیر لائے ہمارا یہ احسان کافی ہے کہ ہم نے بیعت کر لی ہے۔

حضرت عبدالمالک صدیقیؒ کی یادداشتیں

حضرت مولانا عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے دادا پیر ہیں اور حضرت حضرت مولانا پیر فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب ''تجلیات'' میں بعض خلفاء کو اجازت دینے کے

حالات درج کیے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دہلی کے سفر میں میں اپنے شیخؒ کے ساتھ تھا۔ ہم کوچہ چیلان میں قاضی ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت نے ارادہ فرمایا کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ اور کچھ دیگر مشائخ کے مزارات کی زیارت کو چلیں۔ میں چونکہ بیمار تھا سر میں درد تھا حضرت نے مجھے فرمایا کہ تم آرام کرو۔ مولانا عبدالغفور مدنیؒ مولانا قمر باباؒ وغیرہ علماء موجود تھے وہ حضرت شیخ کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئے۔ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت کچھ حضرات کو ماذون (اجازت عنایت) فرما دیں۔ ساتھ ہی بڑی عاجزی سے مولانا عبدالغفور مدنیؒ کی سفارش کی کہ ان کی خدمت بہت ہے، اس دوران میرے کچھ آنسو بھی گرے۔ فرمایا بہت اچھا واپسی پر مشورہ کریں گے۔ حضرت جب واپس تشریف لائے تو آتے ہی سب کو کہا کہ آپ بڑے کمرے میں بیٹھیں اور مجھ سے تخلیہ میں آہستگی سے فرمایا کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے مجھے خرقہ مبارک عطا فرمایا ہے اور میں نے تیری سفارش کی کہ اس کے لئے بھی خرقہ مبارک عطا کیا جائے، حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اس کو تو میں پہلے ہی دے چکا ہوں۔ پھر حضرت نے مجھ سے فرمایا تیرا جو یہ حال تھا تو نے مجھے پہلے کیوں نہ اپنی حالت بتائی۔ میں نے جواباً عرض کیا کہ حضرت بشارت تو مجھے پہلے دی گئی تھی لیکن عاجز نے محض اپنا تخیل سمجھتے ہوئے عرض نہیں کیا، اب آپ کو بھی اس امر کے بارے میں بتایا گیا ہے تو یقین ہوا ہے۔ فرمایا جو کوئی بھی واردات گزرے لکھ بھیجا کرو یہ تخیل نہیں ہوتا۔ پھر فرمایا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تیرے متعلق مجھے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ جس کے متعلق اجازت دینے کا کہیں انکار نہ کرنا کیونکہ ان کی خدمات

ہمارے ہاں قبول ہو چکی ہیں۔

میں جب کمرے سے باہر نکلا تو مولانا قاضی عبدالرشید صاحب عرف قمر بابا بڑے کمرے سے جماعت صلحاء سے نکل کر باہر آئے اور میرے کان میں کہا کہ آج فیاضی کا دن ہے بخل نہ کرنا۔ یہ ان کی فراست تھی حالانکہ وہ ہمارے کمرے میں ہونے والی گفتگو سے بالکل ناواقف تھے۔ میں نے مولانا سید امیر علی صاحب کو کہا کہ ۱۹ اجازت نامے تیار کرلیں۔ پھر حضرت شیخ" کے حکم پر اجازت نامے ان کی خدمت میں پیش کیے حضرت نے فرمایا ٹھیک ہے دستخط سب پر کردیتا ہوں۔ اس کا اظہار اور دینے میں ذرا صبر کرنا جب سلوک کی تکمیل کرلیں تو ان کو رفتہ رفتہ دیتے رہنا۔ چنانچہ اس وقت سات علمائے کرام کو بلا کر حضرت کے سامنے پیش کیا۔ جن میں قاضی عبدالرشیدؒ عرف قمر بابا صاحب، مولانا سید امیرؒ صاحب، مولانا عبدالغفور مدنیؒ صاحب شامل تھے باقی کے نام اب یاد نہیں۔ حضرت نے ان کو کلمات ماذونیت (کلمات خلافت) پڑھائے اور سند خلافت عطا فرمائی۔

خلفائے کرام کی ذمہ داریاں

شیخ کے اجازت وخلافت پانے کے بعد کچھ باتیں ایسی ہیں جن کا خلفاء حضرات کو خیال رکھنا ضروری ہے وہ درج ذیل ہیں۔

یہ نہ سوچیں کہ ہم کامل ہو گئے ہیں

خلفاء حضرات کو اس بات کا بہت اہتمام کرنا چاہئے کہ اپنی خلافت پر کسی قسم کا

عجب یا گھمنڈ دل میں پیدا نہ ہو۔ خلافت ملنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ اوصاف نسبت میں درجہ کمال کو پہنچ گئے ہیں بلکہ ان کو اس ظن غالب پر اجازت دی جاتی ہے کہ ان کو فی الحال تو ان اوصاف میں درجہ ضرور یہ حاصل ہو گیا ہے اور اگر وہ محنت کرتے رہے اور کام کی تکمیل کیلئے متفکر رہے تو امید ہے کہ ان کو ان اوصاف میں کمال کا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا۔

چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو حضرت حاجی صاحبؒ نے ان کی بیعت کے آٹھویں روز خلافت دے دی اور ساتھ فرمایا کہ میاں رشید احمد جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپ کو دے دی آئندہ اس کو بڑھانا آپ کا کام ہے۔ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں حیران تو ہوا کہ آخر وہ کونسی چیز ہے جو حضرت نے مجھے عطا کی ہے آخر پندرہ برس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ کیا تھا۔ تو اس بات سے اندازہ کریں کہ جب حضرت گنگوہیؒ جیسی آفتاب و ماہتاب شخصیت کو یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ نعمت آپ کو دی ہے اب آپ اس کو بڑھائیں تو ہم کس باغ کی گاجر مولی ہیں۔

حضرت حکیم الامتؒ تو فرماتے ہیں کہ "مشائخ بعض اوقات کسی نااہل کو اس میں شرم وحیا کا مادہ دیکھ کر اس امید پر مجاز کر دیتے ہیں کہ دوسروں کی تربیت کرے گا تو اس کی لاج وشرم رکھتے ہوئے اپنی بھی اصلاح کر لے گا یہاں تک کہ ایک دن کامل ہو جائے گا" یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی بگڑے ہوئے نوجوان کی اس کے والدین اس امید پر شادی کر دیتے ہیں کہ شادی کے بعد یہ درست ہو جائے گا۔

ان باتوں سے یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ مشائخ ہر نااہل کو اجازت دے دیتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ مشائخ کے یہاں مجاز کرنا مختلف عوامل کی بناء پر ہوتا ہے تو

اجازت مل جانے کو اپنے کمال کی دلیل نہ سمجھنا چاہئے۔ بعض واقعات تو ایسے بھی سنے ہیں کہ شیخ تو کامل نہ تھا لیکن مریدین کے اخلاص کی وجہ سے اس کی بھی ترقی ہوگئی۔

واقعہ: ایک ڈاکو تھا، وہ اپنی ضعف و پیری میں شیخ بن گیا اور لوگوں کو بیعت بھی کرنا شروع کر دیا۔ اللہ کے یہاں تو اخلاص کی قدر ہے چنانچہ طالبین کو ان کے اخلاص کی وجہ سے خوب فائدہ ہوا اور روحانی طور پر کشف بھی ہونے لگ گئے۔ ایک مرتبہ ان طالبین کی جماعت نے شیخ سے عرض کیا کہ ہم نے مراقبے میں مشائخ کے مقامات کو دیکھا ہے اور سب اکابر کے مقامات معلوم ہو گئے۔ مگر حضرت کا مقام شائید اتنا بلند ہے کہ ہم سب مل کر بھی اس کو نہیں پہچان سکے۔ اللہ تعالیٰ کے نام میں برکت تو ہوتی ہی ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اللہ کے نام میں برکت ہوتی ہے چاہے کتنی ہی غفلت سے لیا جائے چنانچہ اس مصنوعی پیر پر بھی اللہ کے نام کا اثر ہو کر رہا۔ وہ مریدوں کی یہ بات سن کر بہت رویا اور پھر اس نے اپنی حقیقت ان کے سامنے بیان کی اور رو کر مریدوں سے درخواست کی کہ اب تم میری توبہ کے لئے دعا کرو۔ ان سب نے مل کر دعا کی تو اللہ نے اس پیر کو بھی نواز دیا۔

اصل چیز اخلاص ہے جس کی وجہ سے پیر کا نا اہل ہونا بھی مرید کے اخلاص کی بدولت اس کو مضر نہیں ہوتا۔ لہٰذا خلفاء حضرات کو اپنے آپ کو نا اہل ہی سمجھنا چاہئے۔ حضرت سہارنپوریؒ اپنے ایک مکتوب میں اپنی عاجزی کا اظہار ان الفاظ سے کرتے ہیں:

''میری مثال تو ایک نل کی سی ہے۔ پانی کھینچنے والا جس قوت سے پانی کھینچتا ہے مبداء فیض کی طرف سے اسی کے موافق عطا ہوتا ہے لیکن عطا

ہوتا کل ہی کے واسطے سے ہے"

توفیض تو پیچھے سے آتا ہے اور آتا بھی طالب کی طلب کے بقدر ہے مجازین تو درمیان میں محض ایک واسطہ ہیں جو بڑوں کی طرف سے مامور کیے گئے ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ

اصل چیز طلب ہے، اسی طلب پر اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں جیسے بچے کو ماں کے دودھ کی طلب ہوتی ہے تو دودھ اس کے اثر سے اترتا ہے۔ تو ماں کو ناز نہ کرنا چاہئے کہ دودھ میں دیتی ہوں، دودھ خود بچے کی طلب کا اثر ہے، تجھے اسی واسطے عطا فرمایا ہے کہ تو بچے کو دے البتہ بچے کو ضروری ہے کہ اس کو اپنا محسن سمجھے۔

مریدین کی کثرت پر نازاں نہ ہوں

خلفاء کرام کو چاہئے کہ خلوص دل سے رجوع الی اللہ کے ساتھ دعوت کا کام کرتے رہیں اور اپنے مریدوں کو اللہ اللہ سکھاتے رہیں۔ اپنے حلقہ ارادت کے بڑھنے پر نازاں نہ ہوں کہ میری خوبیوں کی وجہ سے لوگ مطیع ہو رہے ہیں بلکہ عاجزی اور انکساری ہونی چاہئے۔ کہ یہ محض پروردگار کا فضل ہے کہ وہ مجھ سے کام لے رہے ہیں ورنہ میں اس قابل نہ تھا۔

حضرت گنگوہیؒ کا حلقہ ارادت بہت بڑا تھا لیکن ان میں عاجزی اتنی ہی زیادہ تھی۔ آپ فرماتے تھے کہ ہم تو ہر ایک کو اس لئے بیعت کر لیتے ہیں کہ کل روز قیامت جب یہ جنت میں جا رہے ہوں گے تو ہو سکتا ہے اپنے پیر کو جہنم میں جاتا دیکھ کر لحاظ کر جائیں اور سفارش کر دیں۔ لہٰذا یہ میری نجات کا ذریعہ بن جائیں گے اس لئے میں ان کو بیعت کر لیتا ہوں۔

خلفاء اگر طالبین میں احوال وکیفیات دیکھیں تو بھی عجب میں مبتلا نہ ہوں کہ میری صحبت اور توجہ کی برکات ہیں کیونکہ طالب کو جو کچھ ملتا ہے اپنی طلب اور خلوص کے بقدر ملتا ہے۔ کسی کا کوئی کمال نہیں ہوتا۔

واقعہ: ایک شخص نے جوانی غفلت کے کاموں میں ضائع کی۔ جب بڑھاپا آیا اور اعضاء نے جواب دینا شروع کر دیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا پیشہ اختیار کیا جائے۔ ساتھیوں نے بتلایا کہ پیری مریدی ایک ایسا پیشہ ہے جس میں بغیر محنت مشقت خوب مزے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اب وہ پیر بن بیٹھا۔ اس مصنوعی پیر کے پاس ایک سچا طالب آپہنچا۔ اس نے بہت ادب سے ہاتھ جوڑ کر کہا میں آپ سے اللہ کا راستہ سیکھنے کے لئے آیا ہوں، وہ سالک چونکہ غلطی سے بے وقت پہنچ گیا تھا اس لئے وہ مصنوعی پیر اس کے بے وقت آنے پر بہت ناراض ہوا اور کہا کہ اللہ کا راستہ یوں نہیں آتا۔ یہ کہہ کر اس کو ایک پھاوڑا دیا اور کہا کہ فلاں باغ میں اس کی زمین میں گوڈی کرو، کیاریاں بناؤ اور پانی دو۔ وہ اسی وقت پھاوڑا لے کر اس باغ میں پہنچا اور اس کی مرمت شروع کر دی باغ والے مزاحم ہوئے کہ تو ہمارے باغ میں کیوں دخل دیتا ہے۔ اس نے بہت منت خوشامد کر کے کہا کہ مجھے تمہارے باغ سے کچھ نہیں لینا مجھے میرے پیر نے اس باغ کے صاف کرنے اور مرمت کرنے کو کہا ہے۔ اول اول تو وہ لوگ بہت ڈرتے رہے اس کو مارا پیٹا بھی۔ مگر یہ دیکھ کر کہ یہ نہ کھانے کو مانگتا ہے نہ اور کچھ، جو کچھ روکھی سوکھی ہوتی ہے وہ کھا لیتا ہے۔ تین مہینے اسی حال میں گزر گئے، اسی دوران ابدال میں سے کسی کا انتقال ہوا تو اولیاء وقت کی مجلس میں اس کے بدل کا مشورہ ہوا، ابدال حضرات نے اپنی اپنی رائے سے لوگوں کے نام بتلائے قطب وقت نے سب کے

نام سن کر کہا کہ ایک نام ہمارے ذہن میں بھی ہے اگر تم پسند کرو، سب نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ فلاں باغ کا فلاں مالی بڑا مخلص ہے سچی طلب رکھتا ہے، بہت اخلاص سے مجاہدہ میں مشغول ہے، سب نے اس رائے کو بہت پسند کیا۔ پھر سب نے اس پر توجہ ڈالی جس کی وجہ سے اسی وقت اس پر انکشافات ہوئے اور پھاوڑا باغ والوں کے یہ کہہ کر حوالہ کر دیا کہ یہ فلاں پیر صاحب کا ہے جو فلاں گاؤں میں رہتے ہیں اور میں جا رہا ہوں۔ ہر چند ان لوگوں نے خوشامد منت سماجت کی کہ ذرا اپنا حال تو بتلا دے مگر اس نے کچھ نہیں بتلایا اور کہا سنا معاف کرا کر وہیں سے غائب ہو گیا۔

تو یوں بھی ہوتا ہے کہ طالب کا اپنا خلوص اور طلب اللہ کے حضور قبول ہو جاتا ہے اور اس کا کام بن جاتا ہے۔ لہٰذا مریدوں کی کثرت پر یا ان کی بلند کیفیات کو دیکھ کر کسی عجب میں مبتلا نہ ہو جانا چاہئے۔

طالبین کی اصلاح سے غافل نہ ہوں

خلفائے کرام کو چاہئے کہ وہ طالبین کی اصلاح میں تساہل نہ برتیں۔ کیونکہ ہر مرید بیعت ہونے کے بعد شیخ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے۔ بیعت ایک عہد کا نام ہے اور یہ عہد دونوں طرف سے نبھایا جانا ضروری ہے۔ مرید کی ذمہ داری اتباع ہے تو شیخ کی ذمہ داری اس کی اصلاح۔ لہٰذا اگر شیخ مرید کی اصلاح اور روک ٹوک میں غفلت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بیعت کا مقصد پورا نہیں ہو رہا اور مرید کا وقت بھی ضائع ہو رہا ہے۔ یاد رکھیں کہ کل قیامت کے دن ہر ایک پیر کو زنجیروں میں جکڑ کر اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا جن سے اس وقت تک چھٹکارا

نہیں ہوگا جب تک وہ اپنی صفائی نہیں دے دے گا کہ اس نے مریدوں کی اصلاح کا حق ادا کیا تھا۔

شیخ کا منصب ایسا ہے جس میں ڈانٹنا اور کہنا ضروری ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں تو ڈانٹ ڈپٹ اور دین سیکھنے سکھانے کا نام پیری مریدی ہے۔ شیخ کی جس مرید پر زیادہ نظر ہوتی ہے اسی کی ڈانٹ ڈپٹ زیادہ کرتا ہے۔ آج ایسے کاملین تھوڑے نظر آتے ہیں جو استغناء کے ساتھ بندے کو اللہ سے واصل کرنے کیلئے محنت کر رہے ہوں۔ آج کے پیر تو چپ شاہ بنے ہوئے ہوتے ہیں، مرید جو کچھ مرضی کرتے پھریں، سنت پر عمل ہو رہا ہو یا بدعت پر پیر صاحب تو چپ کر کے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے پیر کی نظر مرید کے مال ومنصب پر ہوتی ہے۔ آج پیر مرید بن کر رہتے ہیں اور مرید پیر بن کر رہتے ہیں۔ پیر مرید کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کی خدمت میں لگے ہوتے ہیں۔ ایسے پیر نے کسی کی کیا اصلاح کرنی ہے۔

واقعہ: حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بڑے بزرگوں میں سے ہیں۔ ان کی طبیعت بہت ہی نفیس تھی، کسی قسم کی کوئی کجی برداشت ہی نہیں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ بادشاہ وقت ان کی زیارت کو آیا۔ کچھ دیر کے بعد اسے پیاس لگی تو قریب ہی ایک گھڑے سے پانی پیالے میں ڈال کر پیا۔ پانی پینے کے بعد گھڑے کے اوپر پیالہ رکھ دیا لیکن تھوڑا سا ٹیڑھا رکھ دیا۔ کچھ دیر کے بعد بادشاہ نے رخصت کی اجازت چاہی اور ساتھ ہی عرض کیا کہ اگر آپ فرمائیں تو میں خدمت کے لئے کسی خادم کو آپ کے پاس بھیج دوں۔ اس پر آپ نے کہا کہ تم بادشاہ ہو اور تمہارا یہ حال ہے کہ گھڑے پر پیالہ ٹیڑھا رکھ دیا ہے جس

کی وجہ سے ابھی تک میرے سر میں درد ہو رہا ہے تمہارا خادم پتہ نہیں میرا کیا حال کر جائے گا۔

ہمارے اکابر تو اصلاح کے معاملے میں کسی کے مال ومنصب کی پرواہ نہیں کرتے تھے چاہے وہ بادشاہ وقت ہی کیوں نہ ہو۔ مرشد عالم حضرت مولانا پیر غلام حبیب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے "جب تک دب نہ ہو ادب نہیں ہوتا" لہٰذا وہ اپنے متوسلین کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر متنبہ کیا کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کے متوسلین آداب وسنن کا بہت ہی خیال رکھتے تھے اور ان کی مجلس میں بہت باہوش ہو کر بیٹھتے تھے۔

سلسلہ کی اشاعت پر تمام توانائیاں خرچ کر دیں

خلفائے کرام کو اپنی خلافت کے ملنے پر کسی عجب اور بڑائی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے لیکن اس مطلب یہ بھی نہیں کہ وہ اتنے منکسر المزاج ہو جائیں کہ جو ذمہ داری ان کو دی گئی ہے اسے ادا کرنے سے ہی گریز کریں کہ جی ہم اس قابل نہیں۔ آپ کو بڑوں کی طرف سے ایک اجازت دی گئی ہے اب کسی کو بیعت کرنے میں، کسی کو اللہ اللہ سکھانے میں شرم وجھجک نہیں ہونی چاہئے۔ اگر یونہی تساہل وتغافل برتیں گے تو یہ اس نعمت کی ناقدری ہوگی جس سے یہ دولت زائل بھی ہو سکتی ہے۔ آپ نے یہ کام کوئی اپنی طرف سے تو کرنا نہیں بلکہ آپ تو اس پر مامور کیے گئے ہیں۔ بڑوں کا حکم سمجھتے ہوئے قدم اٹھائیں پھر دیکھیں کیسے اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے۔ پھر آپ نسبت کی برکات کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کریں گے۔ اس ضمن میں ہمارے بڑوں کی مثالیں ہمارے لئے مشعل راہ کا کام کرتی ہیں۔

حضرت خواجہ عبدالمالک قریشیؒ کی مثال

حضرت خواجہ محمد عبدالمالکؒ چوک قریشی والے سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں خود فرماتے تھے کہ میں اپنے شیخ خواجہ فضل علی قریشیؒ کی خدمت میں رہتا تھا۔ باقی پیر بھائی تو شیخ کی صحبت میں رہتے لیکن میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا۔ میں خانقاہ کے مہمانوں کی خدمت ہی کیا کرتا تھا اور پیرومرشد کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہوا کہ تم عبدالمالک کو خلافت دے دو۔ فرماتے ہیں کہ جب خلافت ملی تو میں بہت حیران ہوا کہ میں تو اس قابل نہیں تھا۔ ایک دو گھنٹہ تو روتا ہی رہا۔ دوسرے خلفا نے تسلی دی کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک بوجھ سر پر رکھا ہے تو اٹھانے کی توفیق بھی دیں گے۔ کہنے لگے کہ میں نے اپنے دل میں نیت کر لی کہ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ اگرچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ امانت دے دی ہے۔ مگر میں یہ آگے کسی کو دینے کا اہل نہیں اس لئے میں کسی شخص کو بیعت نہیں کروں گا۔ اسی طرح حضرت کی خدمت میں ایک سال گزر گیا۔

ایک دفعہ سردیوں کے موسم میں آگ سینک رہے تھے کہ حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ میری طرف غصے سے دیکھا۔ میرے تو پاؤں کے نیچے سے زمین ہی نکل گئی۔ میں نے پوچھا حضرت! خیریت تو ہے؟ فرمانے لگے کہ ابھی ابھی مجھے کشف میں نبی ﷺ کا دیدار نصیب ہوا ہے۔ محبوب ﷺ نے فرمایا ہے کہ عبدالمالک سے کہو کہ اس نعمت کو تقسیم کرے ورنہ ہم اس نعمت کو واپس لے لیں گے، اور چونکہ محبوب ﷺ کی طرف سے یہ حکم ہے اس لئے تم اپنا بستر اٹھاؤ اور ابھی اندھیرا ختم ہوا اپنے گھر جاؤ۔ وہاں جا کے لوگوں کو اللہ اللہ سکھاؤ۔ میں تو روتا

رہ گیا اور حضرت نے میرا سامان میرے سر پر رکھا اور خانقاہ سے رخصت کر دیا۔ فرمانے لگے کہ میں نے نکلتے نکلتے کہا حضرت! میں اب کوئی معاشی کام کرنے کے قابل نہیں ہوں کیونکہ اتنے سال ذکر اذکار میں گزار دیئے، اس لئے میرے لئے رزق کی دعا فرما دیں۔ فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ط (اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے) میرے قریبی تعلق داروں اور رشتہ داروں میں کوئی ایک رشتہ گھر والوں نے پہلے ہی طے کیا ہوا تھا۔ چنانچہ گھر آتے ہی ماں باپ نے میری شادی کر دی۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں کھانے کے لئے ہمارے پاس کچھ ہوتا ہی نہیں تھا۔ بیوی مجھے ایسی صابرہ ملی کہ وہ مجھے کہتی کہ آپ درخت کے پتے ہی لے آئیں۔ میں درخت کے پتے لاتا وہ بھی کھا لیتی میں بھی کھا لیتا اور ایک وقت کا گزارہ کر لیتے۔

ایک دن میرا ایک پیر بھائی میرے گھر آیا۔ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا ہوا تھا۔ جب وہ آنے لگا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک چھوٹی سی دس کلو گندم کی بوری دی اور ایک رقعہ دیا اور فرمایا کہ یہ عبدالمالک کو دے دینا۔

وہ دوپہر کو میرے گھر پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ پسینے میں شرابور بوری سر پر اٹھائی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا، سناؤ بھئی! کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا، خانقاہ شریف۔ وہ یہ سمجھا کہ پوچھ رہے ہیں کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ اب میں کچھ پوچھ رہا تھا وہ کچھ بتا رہا تھا۔ میں نے اسے بٹھایا کہ یہ خانقاہ شریف جا رہا ہے اور لنگر کے لئے یہ گندم لے کر جا رہا ہے۔ گھر آ کر بیوی سے کہا کہ مہمان کے لئے کھانا دو۔ اس نے کہا کہ گھر میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ مگر بیوی سمجھدار تھی۔ اس نے مجھے کہا کہ اگر وہ حضرت کی خانقاہ کے لئے گندم لے کے جا رہا ہے تو اس سے جا کے

اجازت مانگ لو کہ ہم اس گندم میں سے تھوڑی سی پیس لیں۔ پھر اس آٹے کی روٹی پکا کر اس کو کھلا دیتے ہیں۔ کہنے لگے کہ اس میں بھلا کونسی شرم کی بات ہے۔ میں نے اسے کہا کہ اگر اجازت ہو تو اسی گندم میں سے تھوڑی سے روٹی بنادی جائے۔ وہ فرمانے لگے کہ میں یہ سمجھا کہ گندم تو گھر میں بھی پڑی ہے لیکن چونکہ آپ میرے حضرت سے لائے ہیں تو برکت کے لئے ہم اسی میں سے روٹی پکا دیتے ہیں۔ کہنے لگے کہ ہاں اسی میں سے پکا دیں۔ میں نے اس میں سے تھوڑی سی گندم لی، بیوی کو دی، اس نے چکی میں ڈالی اور آٹا نکال کر اور چکی کے پاٹوں کو اچھی طرف صاف کر کے پورے آٹے کی روٹی پکا کر سامنے رکھ دی۔

جب مہمان نے روٹی کھالی تو ہم نے اسے لسی پلا کے سلا دیا۔ سونے کے بعد جب وہ اٹھا تو اس نے ایک رقعہ دیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ بھی حضرت نے دیا ہے۔ تب بات سمجھ میں آئی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وہ گندم کی چھوٹی سی بوری اس عاجز کی خانقاہ کے لئے دی تھی۔ کہنے لگے کہ میں خانقاہ کا لفظ سن کے حیران ہوا۔ خود کھانے کو ملتا نہیں اور لنگر کے لئے گندم آئی ہے۔ میں نے بیوی کو جا کر بتایا۔ کہنے لگی کہ پڑھو تو سہی لکھا کیا ہے۔ میں نے پڑھا تو لکھا ہوا تھا کہ عبدالمالک! تم اللہ اللہ کرو اور کراؤ اور اس گندم کو کسی بند جگہ میں ڈال دو اور اس رقعے کو بھی اسی میں ڈال دینا اور ایک سوراخ بنا لینا اور اس میں سے تم گندم نکال کر استعمال کرنا، یہ تمہارے لنگر کے لئے ہے۔ نیچے لکھا ہوا تھا کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْن ۝ (اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

میری بیوی نے ایک بند جگہ میں وہ گندم ڈال دی۔ اوپر سے ڈھکنا اچھی طرح بند کر دیا۔ میری بیوی نے اس کے نیچے گندم نکالنے کے لئے سوراخ بنا دیا۔

وقتاً فوقتاً وہ اس میں سے کچھ گندم نکالتی اور استعمال کرتی۔ الحمد للہ آج اس گندم کو استعمال کرتے ہوئے ہمیں چالیس سال گزر گئے ہیں۔ آج بھی میری خانقاہ میں دو تین سو سالکین تک کا روزانہ مجمع رہتا ہے اور سال کے آخر پر ہزار سے زیادہ لوگ اجتماع میں شریک ہوتے ہیں۔ چالیس سال سے ہم لوگ اسی گندم کو استعمال کر رہے ہیں۔

الغرض کہ خلفاء حضرات اشاعت دین کے کام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں اور اس طرح ڈٹ کر کام کریں کہ بس تمام توانائیاں اس میں لگا دیں۔ اللہ کے نام کو پھیلانے کیلئے اپنے چین و آرام کو قربان کردیں اور جہاں کہیں بھی دین کا تقاضہ ہو پہنچیں۔

حضرت مرشد عالمؒ کی مثال

حضرت مرشد عالمؒ کی زندگی ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح آخری وقت تک دعوت کا کام کرتے رہے۔ ۸۰ سال کی عمر میں شوگر بیماری تھی لیکن پھر بھی آخر وقت تک دین کا درد لے کر در بدر پھرتے رہے۔ تقریباً ۳۰ سے بھی زائد ممالک میں آپ نسبت کا نور لے کر پہنچے اور لوگوں کے دلوں کو منور کیا۔ حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے، جو قرآن کی خدمت کرتا ہے اسے روٹی بھی ملتی ہے اور بوٹی بھی ملتی ہے، کاریں بھی ملتی ہیں اور بہاریں بھی ملتی ہیں۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ دین کے لئے اتنی محنت کرو کہ خالق اور مخلوق دونوں کو تم پر ترس آنے لگ جائے۔ آپ فرمایا کرتے تھے، کام کو آگے رکھو اور آرام کو پیچھے رکھو۔

ایک مرتبہ کسی ملک میں پہنچے دن رات کے سفر اور بیانات کی کثرت کی وجہ سے جسم تھک چکا تھا لیکن جذبہ تھا جو آپ کو لئے لئے پھر رہا تھا۔ بالآخر لوگوں نے

آپ کو ائر پورٹ پر خدا حافظ کہا سیکورٹی کی وجہ سے کوئی خادم تو لاؤنج سے جہاز تک جا نہیں سکتا تھا آپ خود ہی لڑکھڑاتے قدموں سے اپنا سامان اٹھائے جا رہے تھے۔ ایک سیکورٹی اہلکار نے آپ کو دیکھا تو آپ کا بیگ پکڑ لیا اور ساتھ چلا اور ساتھ ہی کہنے لگا کہ بڑے میاں اتنی عمر میں آخر آپ سفر کرتے ہی کیوں ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا بھئی تمہیں کیا بتاؤں کہ ایک بہت بڑا بوجھ میرے سر پہ ہے اسی کو لئے ہوئے در بدر پھر رہا ہوں۔

نقشبندی اجتماع کے موقع پر آپ کی مصروفیت بڑھ جاتی تھی، اجتماع کے انتظامات، آنے والے علماء کرام سے ملنا، پھر اجتماع گاہ میں طویل نشستیں، بیانات و ہدایات، سالکین پر باطنی توجہ، گھر جاتے تو تھکان کے آثار اماں جی محسوس کرتیں۔ ایک مرتبہ بیان کے دوران انتہائی ظرافت سے پنجابی میں فرمانے لگے کہ جب میں گھر جاتا ہوں تو میری اہلیہ مجھے کہتی ہے "اتھاں تاں گجدے او تے گھر آکے ہونگدے او" کہ وہاں تو آپ بیان میں گرج رہے ہوتے ہیں اور گھر آکر کمزوری سے ہونہہ ہونہہ...... کی آوازیں نکالتے ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ میری نیند تو مرغے کی نیند کی مانند ہے۔ جیسے وہ چلتے چلتے ایک ٹانگ پر تھوڑی دیر اونگھ لیتا ہے مجھے بھی ایسے ہی چند منٹ کا موقع مل جائے تو نیند پوری ہو جاتی ہے۔

ان واقعات میں خلفائے کرام کے لئے سبق ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھائیں اور جو کام انہیں دیا گیا ہے اس کی تکمیل کو اپنی زندگی کی کڑھن بنالیں۔

موت کے بعد ہے بیدار دلوں کو آرام
نیند بھر وہی سویا جو کہ جاگا ہوگا

دین کے لئے خون جگر پینا پڑتا ہے

جو دین کی خاطر بہت زیادہ قربانیاں دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے فیض کو جاری کر دیتے ہیں۔ جب دین کی خدمت کی ذمہ داری سر پر آ جائے تو نہ صرف خواہشات کو بلکہ اپنی ضروریات کو بھی کم کر دیں اس لئے کہ ضروریات اگر محدود ہوں گی تو زیادہ کمانا نہیں پڑے گا اور وقت بچ جائے گا۔ وہی وقت پھر سلسلہ اور دین کے کاموں کی اشاعت پر لگا سکتے ہیں۔ قربانیاں کرنے سے ہی قبولیت ملتی ہے، گھر بیٹھے رہنے سے قبولیت نہیں ملتی۔ خون جگر پینا پڑتا ہے، دین کا غم کھانا پڑتا ہے تب کہیں جا کر بات بنتی ہے۔ دین کی خدمت کو اپنا غم بنا لیجئے اور دن رات اس کے لئے کھپا دیجئے۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنی معرفت کے پردوں کو کھولتا جائے گا۔ انسان کو اپنی اوقات کی پہچان نصیب ہو جائے گی اور آخرکار انسان دیوانہ حق ہو جائے گا۔

نہیں دیوانہ حق جو تیرا دیوانہ نہیں
ہائے وہ روح کہ جس نے تجھے پہچانا نہیں

عامل نہ بنیں کامل بنیں

کسی کو جب منصب خلافت پر فائز کیا جاتا ہے تو اب اس کی حیثیت اپنے اکابر کے ایک نمائندہ کی سی ہوتی ہے۔ اب وہ دین کا کام کرتا ہے تو اس کے مشائخ کی روحانیت اور دعائیں اس کی پشت پناہی کرتی ہیں۔ اب اسے چاہئے کہ اپنے

اکابر کی اس نسبت کی لاج رکھے اور اس نسبت کی حفاظت کرے۔ نسبت کے مل جانے کے بعد نسبت کے نور کو مزید بڑھانا چاہئے۔ نسبت کو مضبوط سے اضبط کرلینے سے مشائخ سے نسبت قوی ہوگی اور اس کی برکات اپنی آب وتاب سے ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گے۔ جو کوئی بھی اپنی نسبت پر مضبوطی سے جما ہوا ہے اس کے پاؤں کے نیچے گویا ایک چٹان ہے۔ اس کے بیان میں تاثیر ہوگی، اس کے فیصلوں میں برکت ہوگی، اس کی دعاؤں میں قبولیت ہوگی، اس کی صحبت میں اثر ہوگا۔ الجھے ہوئے کام اس کی برکت سے سلجھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے کہ'' کامل بنیں عامل نہ بنیں''۔ یعنی بندہ اگر اپنے کردار کو کمال درجے تک پہنچادے تو پھر اسے کسی کی تسخیر کے لئے علیحدہ سے عملیات کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

حضرت گنگوہیؒ کا ایک واقعہ کتب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کوئی شخص ان کی خدمت میں آیا اور آکر اپنی کوئی پریشانی کوئی گھریلو مسئلہ ان کی خدمت میں عرض کیا اور کہا کہ حضرت کوئی تعویذ بنادیں تاکہ میری یہ پریشانی دور ہو جائے۔ حضرت نے انکار کیا کہ مجھے تعویذ بنانا نہیں آتا۔ اس آدمی نے اسرار کیا کہ نہیں حضرت ضرور بنا کر دیں۔ ادھر سے اصرار ادھر سے انکار جب کافی دیر انکار کے بعد وہ نہ مانا تو حضرت نے ایک کاغذ پر تعویذ بنا کر اسے دے دیا۔ وہ شخص تعویذ لے گیا استعمال کیا اللہ کے حکم سے اسے فائدہ ہوگیا۔ اب ایک دن اس کے دل میں خیال آیا کہ میں دیکھوں تو سہی تعویذ میں لکھا کیا تھا۔ اس نے کھول کر جو دیکھا تو لکھا تھا۔'' یا اللہ! میں جانتا نہیں اور یہ مانتا نہیں''۔ یہ ہوتی ہیں کاملین کی برکات۔ جب کوئی اللہ کا منظور نظر بن جاتا ہے تو پھر اس کی الٹی بھی سیدھی ہو جاتی ہے۔

صاحب نسبت انسان کے سامنے شیاطین و جنات کی کارستانیاں بھی ماند پڑ جاتی ہیں اور وہ راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ نسبت کا نور ایسا نور ہے کہ جن و شیاطین بھی اس سے ڈرتے ہیں۔

اس کے برعکس بعض حضرات عملیات کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ اس سے نہ صرف وہ نور نسبت جیسی مہتم بالشان چیز کے ناقدری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات وہ عملیات کے چکر میں ایسے الجھتے ہیں کہ دعوت دین اور اللہ اللہ سکھانے کا جو اصل کام ان سے سپرد کیا گیا تھا اس کو تو چھوڑ دیتے ہیں اور لوگوں کے بگڑے کام بنانے کے چکروں میں خود الجھ کر رہ جاتے ہیں۔ اور اس کو جب وہ مستقل مشغلہ بنا لیتے ہیں تو اس کی ایسی ظلمت پڑتی ہے کہ نور نسبت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ شیطان ان کو ہر وقت یہی پٹی پڑھاتا رہتا ہے کہ تم دکھی مخلوق کی خدمت کر رہے ہو۔ اسی آڑ میں وہ اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے رہتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ منصب خلافت کا ایک اپنا مقصد ہے کہ دعوت دین کا کام کیا جائے اور مخلوق خدا کو اللہ سے جوڑا جائے۔ اس اعلیٰ و ارفع مقصد کو چھوڑ کر ثانوی امور میں اپنی صلاحیتیں خرچ کرنے سے اس منصب کا حق ادا نہیں ہوگا۔

عملیات بھی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جس میں جنات وغیرہ کو مسخر کیا جاتا ہے۔ ان کی تو تصوف کی لائن میں قطعی اجازت نہیں ہے۔ دوسرے وہ اعمال قرآنی اور عملیات جو مشائخ سے منقول ہیں یا جن کی شیخ نے اجازت دے رکھی ہے ان کو درجہ ضرورت میں استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں لیکن ان کی بھی زیادہ عادت نہ ڈالیں۔ اس سے ایک تو آپ کا وقت ضائع ہوگا دوسرا آنے والے متوسلین بھی خدا طلبی کی نیت سے کم اور دنیاوی اغراض لے کر زیادہ آئیں گے۔

اس سے سلسلے کا کام متاثر ہو گا۔

امراء سے استغناء برتیں

خلفائے کرام کو جو نسبت والی نعمت ملتی ہے وہ ایسی نعمت ہے جس کے آگے دنیا کے سارے خزانے ہیچ ہیں۔ اللہ والے اس نعمت کی قدر کرتے ہیں وہ دین کا کام وقار سے کرتے ہیں اور امراء سے استغناء برتتے ہیں۔ ان کی نظریں دنیاداروں کی جیب پر ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے خزانوں پر ہوتی ہیں۔ لہٰذا اللہ کی رضا اور اس کی لقا کو پیش نظر رکھتے ہوئے بالکل بے طمع ہو کر کام کریں۔ جب آپ اعلائے کلمۃ اللہ کو اپنا غم بنالیں گے تو اللہ رب العزت آپ سے دنیا کے غم اٹھالیں گے۔ اور آپ کی ضروریات اپنے خزانوں سے پوری کر دیں گے۔ جس کی کفالت کا ذمہ خود اللہ رب العزت نے اٹھایا ہو اور وہ کسی اور سے امید باندھے تو یہ کس قدر پستی کی بات ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ ''جو کسی امیر کے پاس جائے اور اس کے سامنے اپنی تنگی کا اظہار کرے، تو اس کے دین کا دو حصہ جاتا رہتا ہے''

آج کل کے اکثر پیروں کو دیکھا ہے کہ مریدوں کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دینے کی بجائے ان کے مال و منصب پر نظر رکھتے ہیں جس وجہ سے وہ دین کی بدنامی کا باعث بن رہے ہوتے ہیں۔

واقعہ: ایک آدمی طالب صادق تھا کسی شیخ سے بیعت تھا۔ خلوص دل سے اس

کی خدمت کرتا تھا، لیکن اس شیخ کی نظر اس کے مال پر تھی۔ ایک دن اس شخص نے ایک خواب دیکھا اور آ کر پیر صاحب کو بیان کیا۔ کہنے لگا، حضرت! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کے ہاتھ پر شہد لگا ہوا ہے اور میرے ہاتھ پر گندگی لگی ہوئی ہے۔ بس پیر صاحب نے سنا تو فوراً کہہ اٹھے کہ یہ بالکل سچا خواب ہے کیونکہ ہم دیندار لوگ ہیں، ہمارے ہاتھ پر شہد لگا ہوا ہے اور تم دنیا دار ہو اور تمہارے ہاتھ پر نجاست لگی ہوئی ہے۔ وہ کہنے لگا، حضرت! ابھی پورا خواب تو سنیں۔ پورا خواب کیا ہے؟ کہنے لگا کہ آپ نے اپنا ہاتھ میرے منہ میں دیا ہوا ہے اور میں نے اپنا ہاتھ آپ کے منہ میں دیا ہوا ہے۔ تعبیر اس خواب کی یہ تھی کہ مرید کو عقیدت کی وجہ سے شیخ سے پھر بھی فائدہ ہو رہا تھا مگر شیخ کی نظر چونکہ مرید کی جیب پر تھی اس لئے اس کو اس سے نقصان ہو رہا تھا۔

یاد رکھیں امراء اور دنیا داروں سے غرض مندانہ تعلق رکھنے سے ہم دین اور اہل دین دونوں کی تحقیر کا سبب بنیں گے۔ لہٰذا امراء وغیرہ سے تعلق رکھنے میں دینی وقار کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں۔ ان سے ذاتی ضروریات بیان کرنے سے اجتناب کریں لیکن دینی مصالح کی بناء پر کچھ تقاضے ان کے سامنے رکھنے ہوں تو ان کو یوں دعوت دیں گویا کہ اس میں ان کا ہی فائدہ ہے، اس میں بھی ان کی مداہنت سے بچنا چاہئے۔ جس قدر استغناء برتیں گے اسی قدر آپ کی ہیبت ان پر پڑے گی۔ ہمارے اکابر تو ماشاءاللہ امراء سے اس قسم کی میل ملاقات سے بہت ہی بچتے تھے۔ ان کی تو طبیعت منقبض ہو جاتی تھی امراء کے پاس بیٹھنے سے۔ اکابر کی اس شان بے نیازی کے بے شمار واقعات ہیں۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا استغناء

انسان جب استغناء کے ساتھ کام کرتا ہے تو دنیا اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو آدمی مجھے محتاج سمجھ کر ہدیہ پیش کرے میرا دل اس کا ہدیہ قبول کرنے کو نہیں کرتا' البتہ سنت سمجھ کر پیش کرے تو میں اسے ضرور قبول کروں گا۔ ایک دفعہ ایک آدمی نے آ کر آپ کو ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے محسوس کیا کہ یہ تو احسان چڑھا کر ہدیہ دے رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے انکار کر دیا۔ مگر وہ بھی پیچھے لگا رہا کہ حضرت! قبول کیجئے' حضرت! قبول کیجئے۔ حضرت نے دو چار دفعہ کے بعد اس کو سختی سے ڈانٹ دیا کہ نہیں' میں قبول نہیں کروں گا۔ جب اس نے دیکھا کہ چہرہ پر جلال ہے تو پیچھے ہٹ گیا۔ جب مسجد سے باہر نکلنے لگا تو اس کی نظر حضرت کے جوتوں پر پڑی۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ حضرت جب باہر نکلیں گے تو جوتے تو پہنیں گے ہی سہی' چنانچہ اس نے وہ پیسے حضرت کے جوتوں میں رکھ دیئے۔ جب حضرت مسجد سے باہر نکلے اور پاؤں جوتے میں ڈالا تو اس میں پیسے تھے۔ آپ نے دیکھا اور مسکرا کر فرمایا کہ یہ وہی پیسے ہیں جو وہ آدمی ہدیہ میں پیش کر رہا تھا' پہلے سنا کرتے تھے اور آج آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جو انسان دنیا کو ٹھوکر لگاتا ہے دنیا اس کے جوتوں میں آیا کرتی ہے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ ایک مرتبہ کسی دینی ضرورت سے ریاست رامپور تشریف لے گئے۔ ریاست کے نواب کو اطلاع ہوئی کہ حضرت تشریف لائے

ہوئے ہیں تو مولانا سے ملاقات کے لئے تشریف لانے کے لئے درخواست کی مگر حضرت تشریف نہ لے گئے اور یہ عذر فرمایا کہ ہم دیہات کے رہنے والے ہیں، آداب شاہی سے ناواقف، نا جانے ہم سے کوئی ایسی بات پیش آجائے جو آداب شاہی کے خلاف ہو لہٰذا ہم تو آنے سے قاصر ہیں۔ اس کے جواب میں نواب صاحب نے کہلا بھیجا کہ آپ سے آداب کون چاہتا ہے، ہم خود آپ کا ادب کریں گے، آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے اس لئے آپ ضرور تشریف لائیں۔ جب یوں اصرار ہوا تو حضرت نے جواب میں کہلا بھیجا کہ عجیب بات ہے کہ اشتیاق تو ملنے کا آپ کو ہے اور آؤں میں لہٰذا حضرت تشریف نہ لے گئے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا استغناء

حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسنؒ کے دل میں امراء سے حد درجہ بعد پایا جاتا تھا۔ جب تک کوئی امیر پاس بیٹھا رہتا اس وقت تک حضرت کے قلب پر انقباض رہتا۔ ایک صاحب امیر شاہ خاں صاحب راوی ہیں کہ میں نواب یوسف علی خان صاحب کو بعض بزرگوں کی طرف متوجہ کرتا اور انہیں ترغیب دیتا لیکن ان کا میلان حضرت شیخ الہندؒ ہی کی طرف ہوتا تھا۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھ لیا کہ میں آپ کو بعض مشائخ کی طرف متوجہ کرتا ہوں لیکن آپ حضرت شیخ الہندؒ کی طرف ہی رغبت رکھتے ہیں اس کی کیا وجہ۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ میں جب اور جگہوں پر جاتا ہوں تو وہ میرے جانے سے بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں اور میری بہت خاطر مدارت کرتے ہیں اور جب حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں جاتا ہوں تو مولانا مجھ سے طبعاً ایسی نفرت کرتے ہیں جیسے کسی سے بدبو آرہی ہو تو میں سمجھتا

ں کہ ان کے ہاں خالص دین ہے دنیا بالکل نہیں ہے اس وجہ سے میں مولانا کا یادہ معتقد ہوں۔

ضرت سہارنپوریؒ کا استغناء

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ ایک مرتبہ حج پر جانے لگے تو بمبئی کے یک سیٹھ صاحب نے اپنے کسی ملازم کے ہاتھ آپ کی خدمت میں سو (۱۰۰) وپے بھیجے۔ ساتھ ہی پیغام بھیجا کہ مجھے چونکہ حاضری کی فرصت نہیں اس لئے کسی کے ہاتھ بھجوا رہا ہوں قبول فرمائیں۔ آپ نے یہ کہہ کر واپس بھجوا دیا کہ بحمد للہ مجھے ضرورت نہیں ہے۔ آخر وہ خود آیا اور معذرت کی تب آپ نے قبول فرمایا۔ اگر کسی غریب کا ہدیہ ہوتا تو اس کی آپ بڑی تعظیم فرماتے تھے اور ایسے قبول کرتے تھے یسے آپ اس کے محتاج ہیں۔ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کو ٹوپی پیش کی جو شائید ٹھ آنے کی بھی نہ ہوگی۔ آپ نے مسکرا کر قبول کی اور اسی وقت اس کو پہن لیا۔

حضرت اقدس تھانویؒ کا استغناء

حضرت اقدس تھانویؒ سے ایک نواب صاحب بیعت ہو گئے۔ بڑے مال یسے والے تھے۔ اس دور میں جب استاد کی تنخواہ پانچ روپے ماہانہ ہوا کرتی تھی س نے حضرت کو ایک لاکھ روپے بھجوایا۔ حضرت نے اس کے خط کی تحریر سے سوس کیا کہ یہ تو احسان جتلا کر پیش کر رہا ہے۔ حضرت نے منی آرڈر واپس کر یا۔ جب منی آرڈر واپس گیا تو وہ تو سٹپٹا گیا۔ اس نے پھر خط لکھا۔ کہنے لگا' حضرت! میں نے بیعت ہو کر آپ کو ایک لاکھ روپیہ ہدیہ پیش کیا' آپ کو ایسا مرید ور کہیں نہیں ملے گا۔ حضرت نے خط پڑھا اور جواب میں لکھا کہ اگر مجھے تجھ جیسا

مرید نہیں ملے گا تو تجھے بھی مجھ جیسا پیر نہیں ملے گا جو تیرے لاکھ روپے کو ٹھوکر مار دے۔

امراء کی اصلاح کریں

امراء سے استغناء تو برتنی ہی چاہئے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ استغناء ان کی اصلاح میں مانع ہو جائے۔ دین تو سراسر خیر خواہی ہے اور اس خیر خواہی کے وہ بھی مستحق ہیں۔ لہٰذا نیکی اور خیر کی بات پہنچانے کی نیت سے ملنے میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت تھانویؒ کا ارشاد ہے کہ

"میں امراء سے تعلق کو منع نہیں کرتا تملق کو منع کرتا ہوں"

ایک اور جگہ پر فرمایا

"امراء کے پاس اپنی حاجت لے کر جانا خلاف شان علم ہے، یہ تو ظاہر ہے لیکن ان سے اپنے آپ کو اتنا کھینچنا کہ باوجود قدر دانی اور علم کی حق شناسی کے ان کی فرمائش پوری نہ کرنا یہ بھی محمود نہیں، یہ دعویٰ تقدس وتکبر ہے جس میں آج کل بہت سے اہل علم مبتلا ہیں"

محققین کا قول ہے کہ

نعم الامیر علیٰ باب الفقیر و بئس الفقیر علی باب الامیر

(کہ وہ امیر بہت اچھا ہے جو فقراء کے دروازے پر چل کر جاتا ہے اور وہ فقیر بہت برا ہے جو (اپنی حاجت کیلئے) کسی امیر کے دروازے پر جائے)

چنانچہ اس کے متعلق حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے جب امیر تمہارے دروازے پر آجائے تو اس کی عزت کرو کہ اب وہ صرف امیر نہیں بلکہ نعم الامیر ہے،

اب اس کے نعم کی تعظیم کرو۔ ہاں یہ ہے کہ اس سے اپنی کوئی حاجت نہ مانگو۔

لہٰذا ہمارے اکابرین اور مشائخ نے جب بھی دیکھا کہ امراء اور سلاطین سے مل کر اقامت دین کا فریضہ سرانجام دیا جاسکتا ہے تو انہوں نے ان سے میل ملاقات رکھنے سے دریغ نہیں کیا۔ تاریخ اس قسم کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ لہٰذا سلسلہ نقشبندیہ کے سرخیل حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے فرزندار جمند حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے بادشاہان وقت اور امراء سلطنت سے تعلق قائم رکھا اور ان کی اصلاح سے احیائے دین کا کام ممکن ہوا۔

شیخ کی صحبت سے مستغنی نہ ہوں

کسی طالب کو اجازت وخلافت دینے کے بعد عموماً شیخ اس کے ذمے دین کا کوئی کام لگا دیتے ہیں یا کوئی علاقہ اس کے سپرد کرتے ہیں کہ یہاں دعوت وارشاد کا کام کرو۔ اس کے بعد خلیفہ مجاز کو شیخ کی صحبت درجہ ضرورت میں تو باقی نہیں رہتی لیکن مزید ترقی وکمال حاصل کرنے کیلئے شیخ کی صحبت کی ضرورت بہرحال باقی رہتی ہے۔ ویسے بھی اپنے آپ کو شیخ سے مستغنی سمجھنا ادب کے خلاف دکھائی دیتا ہے۔ مشائخ سلوک کا تو یہ حال رہا ہے کہ آخری دم تک سلسلہ کے اوراد واذکار کو نہ چھوڑتے تھے اور کہتے تھے کہ جن اوراد اذکار کی برکت سے یہاں تک پہنچے ہیں اب ان کو چھوڑتے ہوئے شرم آتی ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ارشاد ہے

"شیخ کے ہوتے ہوئے اس سے استغناء بعد تکمیل کے بھی نہ چاہئے۔

کیونکہ گو مجاز ہو جانے کے بعد شیخ سے سلسلہ استفادہ جاری رکھنا درجہ ضرورت میں نہ رہے لیکن ترقیات کے لئے تو پھر بھی اس کی حاجت رہتی ہے بلکہ اکثر احوال میں یہ افادہ درجہ ضرورت میں بھی رہتا ہے لہٰذا شیخ حق سے استغنا کسی حال میں بھی نہ چاہئے جنہوں نے اپنے کو مستقل سمجھ لیا ان کی حالت متغیر ہو گئی''

لہٰذا یہ ضروری ہے کہ شیخ سے اپنے تعلق کو مضبوط رکھے اور اپنے کام کو ان کے مشورے سے سرانجام دیتا رہے۔ اسی میں برکت بھی ہے اور فتنوں سے حفاظت بھی۔ بعض مجازین کی مثالیں ایسی بھی سامنے آئیں کہ انہوں نے اپنے شیخ سے رابطہ توڑا پھر فتنوں میں ایسے پھنسے کہ نسبت کے سلب ہو جانے کی نوبت آ گئی۔

ہمارے سلسلے کا مدار کیونکہ محبت وعقیدت شیخ پر ہے لہٰذا شیخ سے بے مروتی اور بے ادبی سے حصول نسبت کے بعد بھی بچنا چاہئے کیونکہ اس کا وبال بہت بڑا ہوتا ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ایک جگہ پر فرمایا کہ شیخ کے ساتھ گستاخی سے پیش آنے والا باطنی برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ ''شیخ کے ساتھ جو نسبت ہوتی ہے کیا وہ بھی قطع ہو جاتی ہے؟'' فرمایا کہ ''ہاں! شیخ کے ساتھ جو نسبت ہوتی ہے وہ بھی قطع ہو جاتی ہے'' گستاخی بڑی خطرناک چیز ہے گو معصیت نہیں ہے مگر خاص اثر اس کا معصیت سے بھی زیادہ ہے، اس طریق میں سب کوتاہیوں کا تحمل ہو جاتا ہے مگر اعتراض اور گستاخی کا نہیں ہوتا۔

شیخ سے استغناء کا وبال

ایک مرتبہ حضرت پیر فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ نے چند حضرات کو خلافت دی لیکن ان کی تربیت کیلئے ایک واقعہ بھی ان کو سنایا۔ فرمایا کہ ایک شیخ نے کسی مرید

کو خلافت دی۔ خلافت ملنے کے بعد بڑی تعداد میں لوگ اس سے مرید ہوئے۔ یہ دیکھ کر ان خلیفہ صاحب کا بھی رنگ ڈھنگ بدل گیا۔ عیش عشرت میں پڑ گیا اور سواری کو چھوڑ کر پالکی میں سواری شروع کر دی۔ شیخ کے پاس بھی آتا ہوتا تو اس انداز میں کہ شیخ کی قیام گاہ کے قریب ہی پالکی سے اترتا اور وہاں بھی اپنی عظمت اور رعب داب کو قائم رکھنے کی کوشش کرتا۔ پیر بھائی اس کو ادب آداب کی بات سمجھاتے تو وہ اور غصے میں آجاتا۔ حتیٰ کہ کہنا شروع کر دیا کہ مجھے تمہارے شیخ سے کیا واسطہ مجھے حضرت خضر علیہ السلام سے فیض آتا ہے۔ شیخ نے جب اس کے الفاظ سنے تو ایک دن جمعہ کے خطبہ میں فرمایا کہ جس خضر نے اس کو نسبت دی تھی وہ تو میں ہوں اس لئے میں اپنی نسبت واپس لیتا ہوں۔ اس کے بعد اس کی جماعت کو اس کی طرف ایسی نفرت ہوئی کہ اس کی محبت ختم ہو گئی اور سب کے سب بڑے حضرت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہ رسوا ہو کر جنگل کی طرف نکل گیا اور پھرتے پھراتے عمر برباد کی

لئن شکرتم لا زیدنکم و لئن کفرتم ان عذابی لشدید

(اگر تم شکر کرو گے تو میں اور زیادہ دوں گا اور کفر کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے)

نسبت کی نعمت چھن جانے سے ڈرتے رہیں

خلفائے کرام کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور اس کی خفیہ تدبیروں سے بہت ڈرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نسبت کی ایک نعمت دی ہے ہم اس قابل نہ تھے یہ ہم پر اللہ کا فضل ہوا۔ لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اس کی کسی پکڑ میں

آجائیں اور یہ نعمت واپس لے لی جائے۔ معلوم نہیں کہ ہمارے تمام اعمال کو رد کر دیا جائے اور ہمیں پھٹکار دیا جائے۔ بلعم باعور بنی اسرائیل کا بہت بڑا عبادت گزار تھا۔ پروردگار کی شان بے نیازی کا اظہار ہوا اور اس کی پانچ سو سال کی عبادت کو ٹھوکر لگا دی گئی۔ قرآن مجید میں اس کی تشبیہ کتے کے ساتھ دی فمثلہ کمثل الکلب۔ ہم تو کسی شمار ہی میں نہیں ہیں ہمیں تو بہت ہی ڈرنے کی ضرورت ہے۔

قرآن پاک کی دو آیتیں ہیں ان دو آیتوں کو پر غور کرلے تو پھر بندہ اپنے حال پر کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا۔ ایک آیت علم کے بارے میں اور دوسری عمل کے بارے میں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو ارشاد فرماتے ہیں، جن کو اتنا مرتبہ دیا، اتنا مقام دیا، ان کو فرماتے ہیں لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ (پ ۱۵، سورۂ اسراء، آیت ۸۶) "اگر ہم چاہیں ہم سب کچھ لے لیں جو کچھ ہم نے وحی کے ذریعہ آپ کو عطا کیا" تو اپنے محبوب کو جب یہ فرما رہے ہیں لَئِنْ شِئْنَا انداز دیکھئے کیا شاہانہ خطاب ہے، کیسی عظمت ہے اس خطاب میں، کیسی جلالت شان اللہ کی ظاہر ہوتی ہے لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ ثقیلہ کا صیغہ استعمال فرمایا، تاکید کا آخری درجہ "اگر ہم چاہیں ہم ضرور بالضرور وہ سب کچھ لے لیں جو ہم نے آپ کے اوپر وحی کے ذریعہ نازل کیا" تو ہمارا علم کس کام کا، ہم اپنے علم پر کیا عجب کر سکتے ہیں،

دوسری آیت عمل کے بارے میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اپنے محبوب سے، سید الکونین سے، امام الانبیاء امام الملائکہ سے وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنٰکَ "اے

محبوب اگر ہم آپ کو ثابت قدمی نہ دیتے" لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلاً اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا (پ۱۵، سورۂ اسراء، آیت ۷۴) ان آیات کا ترجمہ کرنے کی ہمت اس عاجز میں نہیں ہے۔

اس آیت کو پڑھ کر ذرا غور کیجئے! کہ اللہ رب العزت کی ذات کتنی عظمتوں والی ہے۔ اپنے محبوب کو یہ الفاظ فرمائے (اللہ اکبر) تو پھر کیا ہم اپنے عمل پر ناز کر سکتے ہیں؟ تو جس نے ان دو آیتوں پر غور کر لیا وہ اپنے علم اور عمل پر ناز نہیں کر سکتا۔ اس کی گردن جھکی رہے گی، وہ ڈرتا کانپتا رہے گا، اس میں "میں" نہیں آئے گی۔

جو جتنا علم والا ہوگا، جتنا عمل والا ہوگا، جتنا معرفت والا ہوگا وہ نیکی بھی زیادہ کر رہا ہوگا مگر ساتھ ہی ساتھ ڈر بھی رہا ہوگا، وہ کانپ رہا ہوگا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے پروردگار کے غصے کو۔ وہ جانتا ہے پروردگار کی ناراضگی کو، وہ جانتا ہے پروردگار کی عظمتوں کو، اور اسے پتہ ہے کہ جب پروردگار کی بے نیازی کا معاملہ ہوتا ہے تو پھر تو وہاں پر بڑے بڑوں کو پھٹکار دیا جاتا ہے، اس لئے پھر ڈر کر اپنے پروردگار کی بارگاہ میں آہ وزاریاں کرتے رہیں کہ اے اللہ! میں تیری بے نیازی سے ڈرتا ہوں، میں تیری خفیہ تدبیر سے ڈرتا ہوں، اے اللہ! تو نے جو ایمان کی دولت عطا فرمائی ہے موت تک اسے سلامتی کے ساتھ پہنچا دینا۔ اے اللہ! تو نے جو اپنی معرفت عطا کی ہے موت تک اسے محفوظ پہنچانے کی توفیق دے دینا۔

شیخ عبداللہ اندلسیؒ کا سبق آموز واقعہ

شیخ عبداللہ اندلسیؒ حضرت شبلیؒ کے پیر تھے۔ عیسائیوں کی بستی کے قریب سے

گزر رہے تھے۔ اس بستی کے اوپر صلیبیں لٹک رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک کنوئیں پر عصر کی نماز ادا کرنے کے لئے وضو کرنے گئے۔ وہاں کسی لڑکی پر نظر پڑی۔ شیخ کا سینہ وہیں خالی ہو گیا۔ اپنے مریدین سے کہنے لگے، جاؤ واپس چلے جاؤ، میں ادھر جاتا ہوں جدھر یہ لڑکی گئی ہے۔ میں اس کی تلاش میں جاؤں گا۔ مریدین نے رونا شروع کر دیا۔ کہنے لگے، شیخ! آپ کیا کر رہے ہیں؟...... یہ وہ شیخ تھے جن کو ایک لاکھ حدیثیں یاد تھیں، قرآن کے حافظ تھے، سینکڑوں مسجدیں ان کے دم قدم سے آباد تھیں، خانقاہیں ان کے دم قدم سے آباد تھیں۔ انہوں نے کہا، میرے پلے کچھ نہیں جو میں تمہیں دے سکوں، اب تم چلے جاؤ۔

شیخ ادھر بستی میں چلے گئے۔ کسی سے پوچھا کہ فلاں لڑکی کہاں کی رہنے والی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ یہاں کے نمبردار کی بیٹی ہے۔ اس سے جا کر ملے۔ کہنے لگے، کیا تم اس لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کر سکتے ہو؟ اس نے کہا، یہاں رہو، ہماری خدمت کرو، جب آپس میں موانست ہو جائے گی تو پھر آپ کا نکاح کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے کہا، بالکل ٹھیک ہے۔ وہ کہنے لگا، آپ کو سؤروں کا ریوڑ چرانے والا کام کرنا پڑے گا۔ شیخ اس پر بھی تیار ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہاں میں خدمت کروں گا۔ اب کیا ہوا؟ صبح کے وقت سؤر لے کر نکلتے، سارا دن چرا کر شام کو واپس آیا کرتے۔

ادھر مریدین جب واپس گئے۔ اور یہ خبر لوگوں تک پہنچی تو کئی لوگ تو بے ہوش ہو گئے، کئی موت کی آغوش میں چلے گئے اور کئی خانقاہیں بند ہو گئیں۔ لوگ حیران تھے کہ اے اللہ! ایسے ایسے لوگوں کے ساتھ بھی تیری بے نیازی کا یہ معاملہ ہو سکتا ہے۔

ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ حضرت شبلیؒ سچے مرید تھے، جانتے تھے کہ میرے شیخ صاحب استقامت تھے، مگر اس معاملہ میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی۔ ان کے دل میں بات آئی کہ میں جا کر حالات معلوم کروں۔ چنانچہ اس بستی میں آئے اور لوگوں سے پوچھا کہ میرے شیخ کدھر ہیں۔ کہا، تم فلاں جنگل میں جا کر دیکھو، وہاں سؤر چرا رہے ہوں گے۔ جب وہاں گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہی عمامہ، وہی جبہ اور وہی عصا جس کو لے کر وہ جمعہ کا خطبہ دیا کرتے تھے، آج اسی حالت میں سئوروں کے سامنے کھڑے سؤر چرا رہے ہیں۔ شبلیؒ قریب ہوئے۔ پوچھا، حضرت! آپ تو قرآن کے حافظ تھے، آپ بتائیے کہ کیا آپ کو قرآن یاد ہے؟ فرمانے لگے، قرآن یاد نہیں۔ پھر پوچھا، حضرت! کوئی ایک آیت یاد ہے، سوچ کر کہنے لگے، مجھے ایک آیت یاد ہے۔ پوچھا، کونسی آیت؟ کہنے لگے "وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ" جسے اللہ ذلیل کرنے پر آتا ہے اسے عزت دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ پورا قرآن بھول گئے اور صرف ایک آیت یاد رہی جو کہ ان کے اپنے حال سے تعلق رکھتی تھی۔ حضرت شبلیؒ رونے لگ گئے کہ حضرت کو صرف ایک آیت یاد رہی۔ پھر پوچھا، حضرت! آپ تو حافظ حدیث تھے کیا آپ کو حدیثیں یاد ہیں؟ فرمانے لگے، ایک یاد ہے "مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ" جو دین کو بدل دے اسے قتل کردو۔ یہ سن کر شبلیؒ پھر رونے لگے تو انہوں نے بھی رونا شروع کر دیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ شیخ روتے رہے اور روتے ہوئے انہوں نے کہا، اے اللہ! میں آپ سے یہ امید تو نہیں کرتا تھا کہ مجھے اس حال میں پہنچا دیا جائے گا۔ رو بھی رہے تھے اور یہ فقرہ بار بار کہہ رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے شیخ کو توبہ کی توفیق عطا فرما دی اور ان کی کیفیتیں واپس لوٹا دیں

۔ پھر بعد میں شبلیؒ نے پوچھا، یہ سارا معاملہ کیسے ہوا؟ فرمایا، میں بستی کے قریب سے گزر رہا تھا۔ میں نے صلیبیں لٹکتی ہوئی دیکھیں تو میرے دل میں خیال آیا کہ یہ کیسے کم عقل لوگ ہیں، بے وقوف لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے میری اس بات پر پکڑ کر لی کہ عبداللہ! اگر تم ایمان پر ہو تو کیا یہ تمہاری عقل کی وجہ سے ہے یا میری رحمت کی وجہ سے ہے، یہ تمہارا کمال نہیں ہے یہ تو میرا کمال ہے کہ میں نے تمہیں ایمان پر باقی رکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت کو سینے سے نکال لیا کہ اب دیکھتے ہیں تم اپنی عقل پر کتنا ناز کرتے ہو۔ تم نے یہ لفظ کیوں استعمال کیا، تمہیں یہ کہنا چاہئے تھا کہ اللہ نے ان کو محروم کر دیا ہے، تم نے عقل اور ذہن کی طرف نسبت کیوں کی؟

یہ واقعہ ہماری عبرت کے لئے کافی ہے کہ جب حالات اولتے بدلتے ہیں ایسے بڑے بڑے مشائخ کے احوال بھی بدل سکتے ہیں۔ اللہ رب العزت ہمارے ایمان اور ہماری نسبت کی حفاظت فرمائے۔ آمین

عوام الناس کی خدمت میں

اب کچھ وہ باتیں بیان کی جاتی ہیں جو عوام الناس اور عام سالکین طریقت کو خلفاء حضرات کے بارے میں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔

مشائخ کا ادب کریں

جن حضرات کو نسبت یا خلافت ملتی ہے وہ چنے ہوئے بندے ہوتے ہیں اور جماعت کے پیشوا اور رہبر ہوتے ہیں۔ تصوف وسلوک کی محنت میں تو ہر مومن کے

اکرام اور تعظیم کا درس دیا جاتا ہے کہ ہر ایک کو اپنے سے افضل سمجھنا چاہئے اور اپنے آپ کو ان کا خادم سمجھنا چاہئے۔ جب کہ خلفائے کرام کا تو معاملہ پھر اور زیادہ خصوصی ہوتا ہے۔ ان کو اپنے مشائخ کے ہاں قبولیت نصیب ہوتی ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت ہوتی ہے۔ یہ عالم باللہ ہیں اور نبی علیہ السلام کے وارث ہیں۔ لہٰذا ان کا ادب واحترام ملحوظ رکھنا چاہئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"وہ شخص جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے، ہمارے علماء کی قدر نہ کرے وہ ہماری امت میں سے نہیں"

ایک اور حدیث مبارکہ میں فرمایا:

"تین شخص ایسے ہیں کہ ان کو خفیف سمجھنے والا منافق ہی ہو سکتا ہے، ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا عالم، تیسرا منصف حاکم"

یہ حضرات ہمارے بڑے بھی ہیں اور اہل علم بھی ہیں لہٰذا ان کی تعظیم وقدر نہ کی جائے تو احادیث میں بیان کی گئی ان وعیدوں میں داخل ہونے کا خدشہ ہے۔

اللہ والوں کے ادب میں جتنی احتیاط کریں کم ہے۔ ان کی ہلکی سی بے ادبی بھی انسان کے لئے کسی بڑے نقصان کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے۔ معمولی سی بات پر بھی ان کے دل کی رنجش سے بچنا چاہئے۔ خدانخواستہ کبھی کوئی ایسی بات ہو جائے تو ان سے فوراً معافی مانگنی چاہئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ سے ہمیں اس بات کا سبق بھی ملتا ہے۔

حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی بات پر میرے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں کچھ بات بڑھ گئی انہوں نے مجھے کوئی سخت لفظ کہہ دیا جو مجھے

ناگوار گزرا۔ فوراً ان کو خیال ہوا مجھ سے فرمایا تو بھی مجھے کہہ دے تاکہ بدلہ ہو جائے۔ میں نے کہنے سے انکار کر دیا تو انہوں نے فرمایا کہ یا تو کہہ لو ورنہ میں حضور ﷺ سے جا کر عرض کروں گا۔ میں نے اس پر بھی جوابی لفظ کہنے سے انکار کیا تو وہ اٹھ کر چلے گئے۔ بنو اسلم کے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے کہ یہ بھی اچھی بات ہے کہ خود ہی تو زیادتی کی اور خود ہی الٹی حضور ﷺ سے شکایت کریں۔ میں نے کہا تم جانتے بھی ہو یہ کون ہیں۔ یہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اگر یہ خفا ہو گئے تو اللہ کا لاڈلا رسول ﷺ مجھ سے خفا ہو جائے گا۔ اور ان کی خفگی سے اللہ جل شانہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے پھر ربیعہ تو ہلاک ہو جائے گا۔ اس کے بعد میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قصہ عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تجھے جواب میں یوں کہنا نہ چاہئے البتہ اس کے بدلہ میں یوں کہہ کہ اے ابو بکر رضی اللہ عنہ اللہ تجھے معاف فرمائیں۔

اس واقعہ میں جہاں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا خوف خدا عیاں ہوتا ہے وہاں یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ دوسرے صحابی حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رنجش سے ان کی حضور ﷺ اور اللہ تعالیٰ سے نسبت ہونے کی بناء پر کس قدر ڈر رہے تھے کہ اس سے انہیں اپنی ہلاکت کا خدشہ تھا۔

تو اس واقعہ سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ اللہ والوں کے دلوں کے تکدر سے بچنا چاہئے چاہے آپ حق پر ہوں یا نہ ہوں۔

حضرت حکیم الامتؒ ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ

''گو میں خود کوئی چیز نہیں ہوں لیکن جب کسی نے کسی کو اپنا معتقد فیہ بنا لیا۔ اور پھر بلا وجہ اس کے ساتھ خلاف اعتقاد معاملہ کر کے اس کو مکدر کر دیا تو اس

صورت میں بھی ایسی ہی مضرتیں پہنچیں گی جیسی کاملین اور مقبولین کو مکدر کرنے سے پہنچتی ہیں"

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب سے ایک بات سن رکھی تھی کہ اللہ والوں سے ڈرتے رہنا کہ ان کی الٹی بھی سیدھی ہوتی ہے۔ اس کا مطلب میری سمجھ میں نہ آتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائپوریؒ سے اس کا مطلب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ تو صحیح ہے کہ الٹی بات الٹی ہوتی ہے لیکن اہل اللہ کے قلوب میں اگر کسی کی طرف سے تکدر پیدا ہو جائے خواہ وہ کسی غلط بات سے ہی ہو ان کے پاک دل کا تکدر رنگ لائے بغیر نہیں رہتا وہ اس شخص کو کسی مصیبت میں پھانس دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اہل اللہ کی بے ادبی سے اور ان کی دل شکنی سے محفوظ فرمائے۔

تنقید اور اعتراض سے بچیں

عوام الناس کو چاہئے کہ وہ مشائخ پر تنقید اور اعتراض سے اجتناب فرمائیں۔ مشائخ جو بھی کوئی کام سرانجام دیتے ہیں حکمت و دانائی سے خالی نہیں ہوتا۔ کسی کو اگر ان کے کسی کام پر اعتراض ہوتا ہے تو اس کی وجہ عموماً ان کی اپنی کم فہمی ہوتی ہے۔ وہ بذات خود بعض حقائق سے لاعلم ہوتے ہیں لیکن اعتراض ان پر کرتے ہیں۔ یہ محض اپنی کوتاہ بینی اور کم ظرفی ہوتی ہے۔ بہتر یہی ہوتا ہے کہ ان حضرات کے کسی کام میں کوئی کمی بیشی نظر آئے بھی تو اس کی کوئی مناسب تاویل کر لی جائے لیکن ان کو تنقید و تنقیص کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ شرع شریف کا حکم ہے کہ مجتہد کا اجتہاد صحیح ہو تو اسے دو ثواب ملتے ہیں اور اگر غلط ہو تو ایک ثواب ملتا

ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر صاحب نسبت سالک کیلئے مجتہد کے درجے پر ہوتا ہے۔ اگر اس کا کوئی امر خطا بھی ہو تو یہ اس کی اجتہادی غلطی شمار ہوگی اور اسے ایک درجہ ثواب کا اس پر بھی ملے گا البتہ اس پر اسے ملامت کرنے والوں کا معاملہ خطرے میں ہے۔

تاہم بعض اوقات بتقاضائے بشریت ان سے بھی کوئی لغزش واقع ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ بہر حال انسان ہیں اور بشری عوارض تو ان کے ساتھ بھی لگے ہوئے ہیں لیکن اس صورت میں بھی ان پر اعتراض و ملامت سے بچا جائے۔ کیونکہ بعید نہیں کہ ان کی نسبت کا نور ان کی لغزشوں کو بہالے جائے لیکن ان کی عیب جوئی اور نکتہ چینی کرنے والے ہلاکت میں پڑ جائیں۔ حضرت معاذؓ نے تو اس بارے میں ایک اہم وصیت فرمائی ہے جو ابوداؤد شریف میں بہت تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں حکیم سے بھی بعض باتیں گمراہی کی نکل جاتی ہیں اور منافق بھی بعض مرتبہ کلمۃ الحق کہہ دیتا ہے۔ شاگرد نے عرض کیا اللہ آپ پر رحم کرے ہمیں کس طرح معلوم ہو کہ یہ حکیم کی بات گمراہی کی ہے۔ حضرات معاذؓ نے ارشاد فرمایا کہ حکیم کی ایسی باتوں سے اجتناب کرو جس کو لوگ یوں کہیں کہ فلاں نے یہ عجیب بات کہہ دی ہے، لیکن یہ بات تجھے اس حکیم سے دور نہ کردے، کیا بعید ہے کہ وہ حکیم تو عنقریب اپنی بات سے رجوع کرلے اور تو ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جائے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ علمائے حقہ کی غلط بات میں ان کی پیروی تو نہ کی جائے اور نہ ہی ان کے اس قسم کے قول و فعل کا اتباع کیا جائے لیکن ان پر ملامت بھی نہ کی جائے۔ کیونکہ اپنے نور کی نسبت کی وجہ سے وہ جلد ہی اپنی خامی پر مطلع ہو کر توبہ تائب ہو جاتے ہیں۔ ان کا راتوں کو اٹھ کر رونا نہ صرف اس کا

کفارہ بلکہ فاولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات کا مصداق بن جاتا ہے۔ لیکن ان پر سب وشتم کرنے والے ہمیشہ کیلئے ان کی برکات سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اس وسوسے سے بچیں کہ فلاں کو خلافت کیوں ملی

بعض حضرات کے دل میں یہ اشکال بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ فلاں کو اجازت و خلافت کیوں مل گئی۔ اس اشکال پر غور کیا جائے تو دراصل یہ شیخ پر ہی اعتراض ہے۔ گویا کہ انہوں نے بلا سوچے سمجھے ہی اجازت دے دی ہے۔ تمہیں کیا معلوم کہ شیخ نے کس باریک بینی اور دور اندیشی سے اس کو اجازت دی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ نسبت کی چار قسموں میں سے اس کو کونسی نسبت حاصل ہے اور شیخ نے اس سے کب کہاں اور کیا کام لینا ہے۔ کسی کو مجاز کرنے میں جو بھی حکمتیں ہیں وہ شیخ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اگر کسی کو خلفاء میں سے کسی سے اعتقاد یا قلبی مناسبت نہیں تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے بیعت نہ ہو۔ لیکن اس سے سوء ظن رکھنا اور اس کا رد کرنا یہ تو مناسب نہیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ اپنی کتاب یادایام میں لکھتے ہیں

”مجھے چند سالوں سے ایک لغو سوال کثرت سے خطوط میں کیا جا رہا ہے کہ فلاں نے فلاں کو اجازت بیعت کیوں دے دی۔ تو میں ان لغویات کا جواب اکثر یہ دیا کرتا ہوں جب قبر میں منکر نکیر تم سے یہ سوال پوچھیں تو تم بے تکلف یہ کہہ دینا مجھے خبر نہیں۔ آخرت کا معاملہ بڑا سخت ہے اور عجب پندار اور دوسروں کی تحقیر تنقیص یہ نہایت خطرناک امور ہیں۔ ان سے بچنا چاہئے“

واقعہ:

کسی جگہ پر ایک کامل بزرگ تھے جن کی خانقاہ پر بہت سے طالبین اللہ اللہ سیکھنے کے لئے جمع رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کہیں باہر سے ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ میں اپنے نفس کی اصلاح کروانا چاہتا ہوں لہذا مجھے بھی اپنے خدام میں شامل فرمالیں اور یہاں قیام کی اجازت مراحمت فرمادیں۔ انہوں نے اسے بیعت کر کے وہاں رہنے کی اجازت دے دی اور کچھ ذکر اذکار اور معمولات اس کو بتا دیئے۔ وہ شخص وہاں رہ کر اصلاح نفس کے کام میں مشغول ہو گیا اور جو کوئی حالت اس کو پیش آتی اس کی اطلاع اپنے شیخ کو کرتا اور جو کچھ وہ تعلیم کرتے اس پر عمل کرتا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان بزرگوں نے اس شخص کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ یہاں قیام سے جو تمہارا مقصود تھا وہ بفضلہ تعالیٰ تم کو حاصل ہو گیا ہے اب تم کو مزید قیام کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس کے بعد اس کو خلعت خلافت سے نوازا اور وطن واپس رخصت کر دیا۔ اب جو دوسرے طالبین کافی عرصہ سے وہاں حاضر تھے ان کے دل میں بڑا یہ احساس ہوا کہ ہم جو اتنے سالوں سے یہاں محنت کر رہے ہیں ہمیں تو اتنا فائدہ نہ ہوا اور اس شخص کو چند ہی روز میں اتنا کچھ مل گیا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ شیخ کو ہماری طرف اتنی توجہ نہیں ہے۔

شیخ کو کشف سے ان کے وسوسے کی اطلاع ہوئی اور اس کا جواب انہوں نے بڑے حکیمانہ انداز میں دیا۔ ایک دن انہوں نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ جنگل سے کافی تعداد میں گیلی لکڑی اکٹھی کر کے ہمارے پاس لے آؤ۔ خدام نے حکم کی بجا آوری کی اور گیلی لکڑیاں اکٹھی کر کے لے آئے۔ اب شیخ نے حکم دیا کہ ان کو

آگ لگاؤ۔ مریدوں نے آگ لگانے کی کوشش کی، وہ چونکہ گیلی تھیں لہٰذا آگ پکڑتی ہی نہ تھیں۔ کافی دنوں کی محنت کے بعد ان میں کچھ آگ لگی۔ اس کے بعد شیخ نے کہا کہ اب خشک لکڑیاں اکٹھی کر کے لے آؤ۔ خدام نے تعمیل کی۔ فرمایا اب ان کو آگ لگاؤ۔ چنانچہ ان کو بھی جلایا گیا، جیسے دیا سلائی جلا کر رکھی فوراً سب لکڑیوں نے آگ پکڑ لی اور ذرا سی دیر میں سب لکڑیاں جل کر راکھ ہو گئیں۔ حضرت شیخ نے ان سے دریافت کیا کہ بھئی کیا بات ہے کہ پہلے جو لکڑیاں لائی گئیں ان کو جلانے کے لئے تو اتنی محنت کرنی پڑی اور یہ لکڑیوں ذرا سی دیر میں ہی جل گئیں۔ مریدوں نے کہا حضرت پہلی لکڑیاں چونکہ گیلی تھیں اس لئے آگ نہ لگی اور دوسری چونکہ خشک تھیں اس لئے فوراً جل گئیں۔ شیخ نے فرمایا درست ہے۔ اس تجربہ سے ہمارا مقصد تم کو اصل حقیقت سے آشکار کرنا تھا۔ فلاں شخص جو کچھ دن ہمارے پاس رہ گیا ہے اللہ نے اس پر فضل فرمایا اور وہ جلدی ہی کامیاب ہو کر لوٹ گیا اس پر تمہیں تعجب ہوا کہ وہ کیوں اتنی جلدی نوازا گیا اور ہم محروم ہیں۔ تمہیں یہ شبہ ہے کہ ہماری تمہارے اوپر پوری توجہ نہیں ہے۔ یاد رکھیں تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے ہم کو جیسی توجہ اس کی طرف تھی ویسی ہی تمہاری طرف ہے۔ وہ جو جلد کامیاب ہو گیا تو اس وجہ سے کہ اس کا حال خشک لکڑی جیسا تھا اور تمہیں دیر لگ رہی ہے تو اس وجہ سے کہ تمہارا حال گیلی لکڑیوں جیسا ہے۔ وہ جب یہاں آیا تو آنے سے پہلے ہی اتنی محنت مجاہدے کر چکا تھا کہ اس کے نفس کی رطوبات خشک ہو چکی تھیں اور ہماری تعلیمات پکڑنے کی استعداد اس میں پیدا ہو چکی تھی لہٰذا اس پر فوری اثر ہو گیا۔ تم کو چونکہ یہاں آنے سے قبل مجاہدات کی حرارت لگی ہی نہیں تھی لہٰذا تمہارے اندر رذائل نفس کی رطوبات موجود ہیں لہٰذا ان رطوبات کو خشک

کرنے کیلئے کچھ وقت اور محنت درکار ہے۔ جیسے ہی تمہارے اندر استعداد پیدا ہو گی وصول ہونے میں دیر نہ لگے گی۔ لہٰذا اطمینان سے محنت میں لگے رہیں ایک دن آئے گا تمہارے اوپر بھی اللہ کا ایسا ہی فضل ہو جائے گا جیسا کہ اس پر ہوا۔

الغرض کہ لوگوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ شیخ اپنے مریدین کی استعداد کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔ وہ کسی کو کچھ نوازتے ہیں تو اس کی حکمتیں وہی جانتے ہیں دوسروں کو تو اپنے کام میں لگا رہنا چاہئے۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

اس بحث سے پرہیز کریں کہ مشائخ میں سے کون افضل ہے

سالکین و متوسلین بعض اوقات اس بحث میں پڑے رہتے ہیں کہ فلاں شیخ افضل ہیں یا فلاں۔ یہ ایک فضول بحث ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں **فضلنا بعضهم علی بعض** سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض بزرگان بعض سے افضل ہیں لیکن ہم اتنا مرتبہ اور مقام کہاں رکھتے ہیں کہ ان کے فضائل و مناقب کا موازنہ کرتے رہیں کہ فلاں اوپر کے درجے پر اور فلاں نچلے درجے پر ہے۔ بس ہر ایک پھول کا اپنا ایک رنگ ہے اپنی خوشبو ہے۔ جس کو جو پھول پسند ہے وہ اس سے استفادہ کرے۔ کسی دوسرے سے اپنی پسند کو زیادہ بہتر جتانے کے لئے بحث کرنا ایک لایعنی امر ہے، اس سے بچنا چاہئے۔ البتہ اپنے مرشد کو باقی تمام پر باعتبار محبت فضیلت دینے میں مضائقہ نہیں کہ باپ سے محبت چچا کی نسبت تو بہر حال زیادہ ہوتی ہی ہے۔ اور اس میں آدمی معذور ہے۔

چنانچہ حضرت گنگوہیؒ کا قول کہ اگر ہمارے سامنے ایک طرف ہمارے شیخ حضرت حاجی صاحبؒ اور دوسرے طرف حضرت جنید بغدادیؒ بیٹھے ہوں تو میں تو

اپنے شیخ کی طرف ہی متوجہ ہوں گا اور دوسری طرف آنکھ اٹھا کے ہی نہ دیکھوں گا۔

قرآن کریم میں ایک آیت ہے

تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض منھم من کلم اللہ و رفع بعضھم درجات

یہ رسول ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت دی اور بعضے ان میں سے وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوئے اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں پر سرفراز فرمایا

حضرت اقدس حکیم الامتؒ اس آیت سے استنباط کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض اولیاء کو بعض پر صرف رائے سے ترجیح نہ دینا چاہئے۔ البتہ ان کے واقعات کا ذکر کر دینا چاہئے، جیسا کہ یہاں **منھم من کلم اللہ** مذکور ہے۔ یعنی ان کے واقعات سے ان کے فضائل ومناقب تو بیان کر دینے چاہئیں۔ لیکن ان کا موازنہ کرنے کے درپے نہیں رہنا چاہئے کہ فلاں بلند درجات رکھتے ہیں اور فلاں کم درجات رکھتے ہیں۔ اس میں ان کی گستاخی کا امکان ہے اور اولیاء اللہ کی گستاخی سے ڈرنا چاہئے۔

ایک وقت میں ایک ہی شیخ کی طرف میلان رکھیں

بعض لوگوں کو دیکھا گیا کہ وہ جگہ جگہ بیعت ہوتے رہتے ہیں۔ بس جس بزرگ کے پاس بھی گئے وہیں بیعت ہو گئے۔ ایسا ان کی جہالت کی بناء پر ہوتا ہے۔ ان کو پتہ ہی نہیں شیخ بنانے کا مقصد کیا ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ اور بعض سالکین کو دیکھا کہ بیعت ایک شیخ سے ہوتے ہیں، صحبت کسی دوسرے بزرگ کی اٹھاتے ہیں کیفیات کسی تیسرے شیخ کو بتاتے ہیں۔ یہی بات ان کی

ترقی میں مانع ہوتی ہے۔ اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اپنی توجہ کا قبلہ کسی ایک ہی طرف رکھنا چاہئے اور ایک شیخ کی ذات کے ساتھ یکسو ہو کر جڑ جانا چاہئے تبھی حقیقی فائدہ ہو سکتا ہے۔ ہاں شیخ اگر کسی کی صحبت میں رہنے کا یا ان سے مشورہ کرنے کا حکم دیں تو علیحدہ بات ہے۔ اس صورت میں بھی اسے اگر اسے کسی کچھ فائدہ ہو تو اسے بھی اپنے شیخ کی طرف سے سمجھے کہ یہ ان کا ہی فیض ہے جو مجھے اس صورت میں مل رہا ہے۔

مشائخ وقت کا متقدمین سے موازنہ نہ کریں

ایک سوچ جو آج عوام الناس میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ مشائخ وقت کا موازنہ اولیائے سلف سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آج ہمیں جنید بغدادیؒ اور بایزید بسطامیؒ نظر نہیں آتے ہم کہاں جائیں۔ یہ ایک بہت بڑا شیطانی دھوکا ہے جو ان کو لگا ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ ان مشائخ کے فیض سے بھی محروم رہ جاتے ہیں جو اس وقت موجود ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ جیسے جیسے نبی علیہ السلام سے زمانے کا بعد ہو رہا ہے انوارات و فیوضات میں مسلسل کمی آرہی ہے۔ خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "سب سے بہتر میرا زمانہ ہے اور پھر اس کے بعد والا اور پھر اس کے بعد والا" تو یہ جو زمانہ خیر سے دوری ہو رہی ہے اس کا اثر ہر ایک چیز پر ہے۔ اشیاء پر بھی ہے عوام الناس پر بھی ہے مریدوں پر بھی ہے اور مشائخ پر بھی ہے۔ چنانچہ صحابہ کا موازنہ خود حضور ﷺ کی ذات سے تو نہیں کیا جا سکتا، اور تابعین کا موازنہ صحابہ کی عظمت سے نہیں کیا جا سکتا، تبع تابعین کا تابعین سے نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اور یسے ہی یہ سلسلے آگے چل رہا ہے۔ لہٰذا آج کے مشائخ کو اگر جنیدؒ و شبلیؒ کے مقابلے

میں دیکھیں گے تو زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ لیکن اگر آج کے مشائخ کو موجودہ وقت کے تناظر میں دیکھیں گے تو وہی وقت کے جنید وشبلی نظر آئیں گے۔ اگر آج مشائخ کی بزرگی اور استعداد پہلے بزرگوں جیسی نظر نہیں آتی تو آج کے مریدوں میں بھی تو وہ استعداد نہیں ہے جو اُن کے مریدوں میں تھی۔ بھلا آج حبیب عجمیؒ جیسے مرید ہیں جو حضرت جنید بغدادیؒ کے مرید تھے، بالکل نہیں ہیں۔ جس درجے کے طالب آج موجود ہیں ان کی طلب اور استعداد کے لحاظ سے یہ مشائخ کافی ہیں جو آج اللہ نے دنیا میں بھیج دیئے ہیں۔ کیونکہ شیخ سے تعلق کا مقصد اصلاح ہے اور ان اجازت یافتہ حضرات کو اللہ تعالیٰ نے اتنی صلاحیت دے رکھی ہے کہ وہ ان کی اصلاح کر سکیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے بھی تو حجت پوری کرنی ہے تاکہ روز قیامت کوئی یہ بہانہ نہ کر سکے ہمارے پاس تو کوئی آیا نہیں تھا۔ اس وقت پھر اقرار کریں گے۔

قالو بلیٰ قد جاءنا نذیر فکذبنا و قلنا ما نزل اللہ من شیء ان انتم الا فی ضلال کبیر

(کہیں گے کہ ہاں ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے جھٹلا دیا اور کہا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا مگر تم صریح گمراہی پر ہو)

لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کوئی نظر نہیں آتا وہ دھوکے میں ہیں۔ اور یہی دھوکہ اس سالک کو بھی لگتا ہے جس کے شیخ انتقال کر جائیں تو پیچھے اس کو اپنے شیخ جیسا کوئی نظر نہیں آتا۔ یہ بات تو فطری ہے کہ شیخ جیسا کوئی نہیں ہوگا لیکن شیخ کے بعد جو کوئی اجازت یافتہ حضرات موجود ہیں اب وہی آپ کیلئے نعمت غیر مترقبہ ہیں۔ کفران نعمت نہ کریں ان سے استفادہ کرلیں ورنہ کل کو یہ نعمت بھی نہ رہے گی۔ اور

اس وقت پھر پچھتائیں گے کہ اب ان جیسے بھی نظر نہیں آتے۔ وما علینا الا البلغ المبینo

رہے سلامت تمہاری نسبت

حضرت قاسمؒ

حضرت ابوبکرؓ

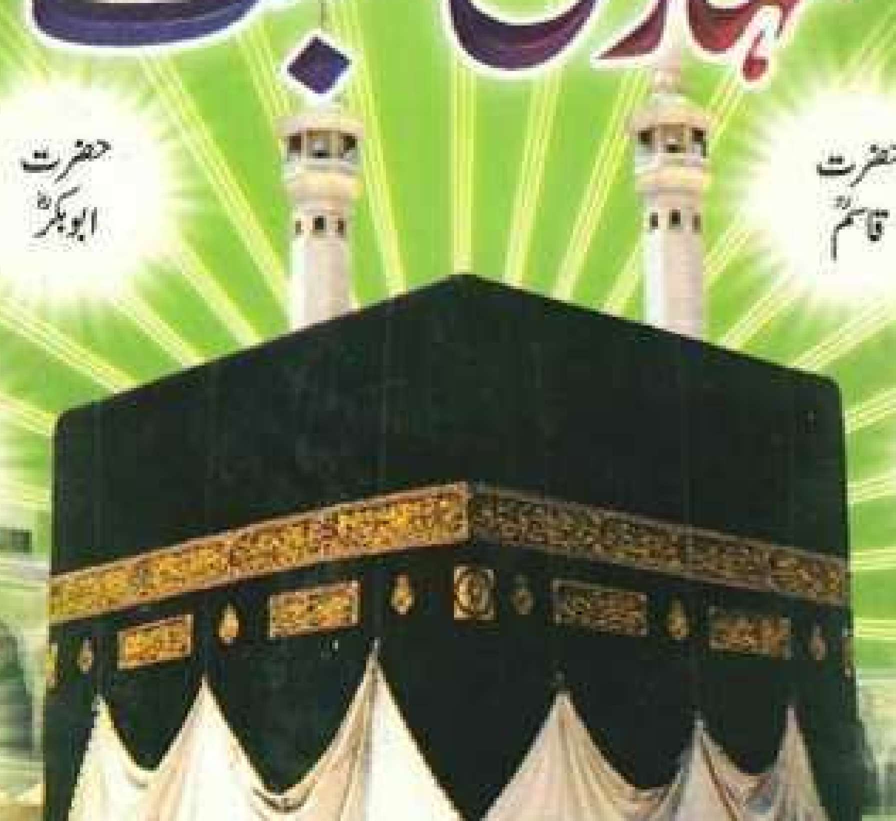

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

حضرت یعقوب چرخیؒ

حضرت بایزید بسطامیؒ

حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ

حضرت عبدالمالک صدیقیؒ

حضرت خواجہ محمد معصومؒ

حضرت غلام حبیبؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حضرت فضل علی قریشیؒ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

دارالکتاب دیوبند

باب 9

حفاظت نسبت کے رہنما اصول

پہلے وقتوں میں مشائخ عظام اپنے تربیت یافتہ سالکین کو دعوت وارشاد کے منصب پر فائز کرتے تھے تو ان کو کچھ وصیتیں کیا کرتے تھے اور ان پر ساری زندگی کاربند رہنے کا عہد لیا کرتے تھے تاکہ وہ اپنی باقی زندگی نسبت کے اس نور کی حفاظت کر سکیں۔ اہل ارشاد اور مقتداء حضرات کی رہنمائی کیلئے علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ کے وہ عہد جو انہوں نے اپنے مشائخ سے کیے اور اپنی "کتاب البحر المورود فی المواثیق والعہود" میں درج کیے ہیں بیان کیے جاتے ہیں۔ یہاں کے فقراء کو چاہئے کہ ان عہدوں کو پڑھیں اور ان پر گامزن رہنے کا عہد کریں تاکہ اکابر سے ایک نسبت قائم ہو سکے۔ یہاں پر وہ عہد درج کیے جا رہے ہیں جو ان حضرات کے مناسب حال ہیں۔

(۱) اپنے آپ کو ہر مسلمان سے کم سمجھیں

اپنے پاس بیٹھنے والے ہر مسلمان سے اپنے آپ کو کم سمجھیں اگرچہ کوئی مسلمان بدحالی میں کیسا ہی انتہا کو پہنچ گیا ہو، مگر ہم اپنے نفس کو اس سے کم ہی سمجھیں، تمام سلف صالحین کا یہی مذاق تھا۔

وہب بن منبہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہما تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ اس وقت تک متواضع نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے گھر سے نکل کر لوٹنے تک کسی کو اپنے سے کم نہ سمجھے۔ اور عمرو بن بجید "فرمایا کرتے تھے کہ بندہ کی طرف عبدیت کا کوئی درجہ اس وقت تک منسوب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی تمام طاعات کو ریا اور تمام حالات و کیفیات کو جھوٹے دعوے نہ سمجھے۔

اور سیدی علی خواص "فرماتے تھے کہ تکبر و رعونت والوں میں سے کوئی اس بات میں شک کرے کہ اس کا نفس اس کے پاس بیٹھنے والوں سے کمتر ہے اس کو چاہئے کہ اپنی تمام لغزشوں اور گناہوں کو جو اتنی عمر میں اس سے سرزد ہوئی ہیں اپنے نفس کے سامنے پیش کرے، پھر ان کا ان نقائص سے مقابلہ کرے جو اس کے پاس بیٹھنے والے کے اندر اس کے علم میں ہیں تو اپنے گناہوں کو پاس بیٹھنے والے کے نقائص سے یقیناً زیادہ پائے گا۔ کیونکہ قاعدہ یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کے نقائص کو دوسروں کے نقائص سے زیادہ جانتا ہے اور جو گناہوں سے اپنے ہمنشین سے بڑھا ہوا ہو مرتبہ میں بھی یقیناً اس سے کمتر ہو گا۔

لہٰذا کیا حق ہے کہ اپنے آپ کو اس سے افضل سمجھے۔ بعض لوگوں کو جب دوسروں کے گناہوں کا پوری طرح علم نہیں ہوتا تو یہ خیال کر لیتے ہیں کہ اس کے گناہ بھی بہت ہوں گے۔ کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ صرف گمان کی بنا پر اپنے پاس بیٹھنے والے کو کثرت معاصی میں اپنے نفس پر قیاس کرے اور سمجھے کہ اس شخص سے یہ بعید ہے کہ ان گناہوں سے بچا ہوا ہو جو مجھ سے سرزد ہوئے اس لئے کہ یہ بدگمانی ہے۔ اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ کسی کو دوسرے کے عیوب اپنے عیوب سے زیادہ معلوم ہوں تب بھی اس کو لائق یہی ہے کہ دوسرے کے عیبوں پر نظر کرنا چھوڑ دے اور اپنے گناہوں کی وجہ سے

خوف خدا میں مشغول ہو، اگرچہ کہ دوسروں کے گناہ شمار میں کم ہی ہوں۔ کیونکہ ہر مکلف کے لئے اپنے گناہوں کی وجہ سے اہتمام کے ساتھ خوف خدا کو دل میں جگہ دینا دوسروں کے گناہوں کو شمار کرنے کی فکر میں پڑنے سے زیادہ بہتر ہے۔ خصوصاً جب کہ یہ بھی خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ کس بات پر مؤاخذہ کریں گے اور کس گناہ سے چشم پوشی فرمائیں گے۔ ممکن ہے کہ خدا اس کو معاف کردے اور تجھ سے مؤاخذہ کرے۔

فرض کریں کہ آپ کے اندر بہت سی خوبیاں ہیں اور کوئی عیب نہیں اور دوسرے شخص میں کوئی بھی خوبی نہیں اور تمام عیوب موجود ہیں۔ تب بھی آپ اپنے آپ کو اس سے افضل نہیں سمجھ سکتے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ **الاعمال بالخواتیم** اعمال کا اعتبار خاتمہ سے ہوتا ہے، آپ کو کیا معلوم کہ آپ کا خاتمہ انہی اعمال پر ہوتا ہے یا تقدیر میں کچھ اور لکھا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جو شخص اس وقت سرتا پا گناہ میں مبتلا ہے اس کا خاتمہ اچھا ہو جائے اور وہ آپ سے مرتبہ میں اللہ کے نزدیک اعلیٰ ہو جائے۔ لہٰذا کبھی اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ نہ سمجھنا چاہئے اور یہ خیال کر لینا چاہئے کہ جس خدا نے دوسرے شخص کو نیک اعمال کی توفیق نہیں دی وہ اس پر قادر ہے کہ ہم سے نیک اعمال کی توفیق سلب کر کے اس کو دیدے۔ بڑائی اور عظمت اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو زیبا ہے بندہ کو عاجزی وانکساری ہی میں نجات ہے۔ تواضع ہی اصل عبادت ہے کیونکہ عبادت غایت ذلت کو کہتے ہیں۔

(۲) اگر ہم کو اللہ والوں کے گروہ میں شامل ہونے کی خواہش ہو تو اپنے نفس کو بلاؤں اور تکالیف کیلئے آمادہ کرلیں

اگر ہمارا نفس اللہ والوں کے گروہ میں شامل ہونے کی خواہش کرے تو اس کو

تکالیف اور بلاؤں کے برداشت کرنے کیلئے پختگی کے ساتھ آمادہ کرلیں۔ نیز اس بات کے لئے بھی کہ ہمارے اوپر آشنا اور نا آشنا ہر ایک کی طرف سے مخالفت کثرت سے ہوگی۔ کیونکہ یہ باتیں ہر اس شخص کو پیش آتی ہیں جس کو اللہ تعالیٰ منتخب اور برگزیدہ فرمانا چاہتے ہیں۔

اے عزیز! تجھ سے یہ بات مخفی نہیں رہنی چاہئے کہ قوم صوفیہ کی آبرو کے پیچھے جو اکثر لوگ پڑے رہتے ہیں اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ ان حضرات میں سے ہر ایک دربار الٰہی میں داخل ہونے کی تمنا رکھتا ہے اور اس دربار میں داخل ہونا اس شخص کے لئے حرام ہے۔ جو مخلوق کی نگاہوں میں کوئی بھی مرتبہ اپنے لئے چاہتا ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ان پر مخلوق کو مسلط فرماتے ہیں اور مخلوق جھوٹ اور بہتان سے اس کو بے عزت کرتی ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کو کسی طرف بھی سیلان نہیں رہتا اور اس وقت لا محالہ وہ اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں اور صرف اسی کے پاس مرتبہ قرب کے طالب ہوتے ہیں ایسی حالت میں حق تعالیٰ شانہ ان کو خاص اپنا بنا لیتے ہیں۔

(۳) جب مقامات سلوک میں ترقی کرنے لگیں تو پہلے سے زیادہ شیطان سے ڈرتے رہیں۔

جب ہم مقامات سلوک میں ترقی کرنے لگیں تو شیطان سے پہلے سے زیادہ ڈرتے رہیں اور بچتے رہیں۔ کیونکہ بندہ جب دربار خداوندی میں قرب حاصل کر لیتا ہے تو اس کی دشمنی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ جب کہ طالبین اپنی ترقی کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اب شیطان سے محفوظ ہو گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے وساوس کبھی منقطع نہیں ہوتے بلکہ اس وقت وہ ایسے باریک اور دقیق وساوس ڈالتا ہے جن کو سوائے اس شخص کو جن کو اللہ نے ہدایت دی ہو کوئی نہیں سمجھتا۔

(۴) کبھی یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے حق تعالیٰ کا کوئی حق ادا کر دیا

کبھی یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے نفس نے رات دن میں حق تعالیٰ کا کوئی بھی ضروری حق ذرہ برابر بھی کچھ ادا کیا ہے۔ اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب ہم اپنے نور ایمان سے یہ سمجھ لیں کہ ہمارے جتنے بھی کام ہیں شروع سے لے کر آخر تک سب کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ بھلا غور کریں کہ غلام کے پاس جو کچھ مال و دولت ہے سب اس کے آقا کا عطیہ ہوتا ہے اگر وہ اس کو آقا کی خدمت میں پیش کر کے یہ سمجھ لے کہ میں نے اس کا حق ادا کر دیا تو اس سے زیادہ بیوقوف دنیا میں کوئی نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو آقا سے بھی زیادہ تعلق ہے۔ پیدا اس نے کیا، ہوش و حواس، عقل و تمیز، بینائی شنوائی، ہاتھ پیر غذا وغیرہ سب اسی کی دی ہوئی ہیں جن کے سہارے ہم کچھ ٹوٹے پھوٹے اعمال کر لیتے ہیں، پھر حق کس چیز سے ادا کیا۔

جاں دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ کہ حق ادا نہ ہوا

(۵) جملہ افعال میں توحید خالص کا استحضار رہے

اپنے اقوال اور اعمال و افعال میں توحید خالص کا استحضار رہے۔ مثلاً کبھی یوں نہ کہیں کہ فلاں چیز میری ہے۔ یا جیسے ہماری مرضی۔ ہاں مجازاً یا بھولے سے ایسی بات ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ حق تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ **واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً** خدا کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ اس میں اللہ تعالیٰ نے **شیئاً** ارشاد فرمایا کسی شئے کو متعین نہیں فرمایا۔

حقیقتاً ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے انتظام کے تحت لوگوں کو اس کا

قبضہ دیا ہوا ہے۔ اگر کسی نے آپ کی ملک والی چیز بغیر اجازت کے لے لی یا چوری کر لی تو یہ نہ سوچیں کہ اس نے میری چیز لے لی اب میں اس کا مؤاخذہ کرتا ہوں۔ بلکہ یہ سوچیں کہ اس نے بادشاہ کے انتظام میں خلل ڈالا ہے لہٰذا میں قانون شریعت کی وجہ سے اس کا مؤاخذہ کرتا ہوں۔

ایک دفعہ ایک بزرگ نے دعا کی کہ اے اللہ تو نے توحید خالص پر مغفرت کا وعدہ کیا ہے، میں تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا لہٰذا میری بخشش فرما۔ ان کو الہام ہوا کہ وہ وقت یاد کریں جب آپ کو دودھ پیش کیا گیا تو آپ نے کہا کہ میں نہیں پیتا کہ اس سے مجھے ضرر نہ پہنچے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس کلمے پر گرفت فرمائی کہ ضرر پہنچنے کو دودھ سے منسوب کر دیا تھا۔

(۶) اپنے اعمال پر اس لحاظ سے ثواب طلب نہ کریں کہ یہ ہمارے کئے ہوئے کام ہیں

اپنے اعمال پر اس لحاظ سے ثواب طلب نہ کریں کہ یہ ہمارے کیے ہوئے کام ہیں بلکہ صرف خدا کے فضل و احسان پر نظر کر کے ثواب طلب کیا کریں اور اس میں راز یہ ہے جو شخص اپنے نیک اعمال پر اس وجہ سے ثواب طلب کرے گا کہ اس نے خود یہ اعمال کئے ہیں تو اس کے لئے کچھ بعید نہیں کہ برے اعمال کی سزا دینے کے واسطے بھی قرار دیے اعمال قائم کی جائے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ثواب چاہو تو محض اس کے احسان و فضل سے مانگو۔

(۸) اپنے آپ کو سرداری کیلئے آگے نہ بڑھائیں

کسی بھی امر میں اپنے آپ کو بطور قائد سردار اور ذمہ دار آگے نہ بڑھائیں۔ مثلاً

مشیخت، امامت، امارت اور تدریس وغیرہ میں اپنے بھائیوں کے تابع بننے کی کوشش کریں نہ کہ ان سے سبقت لے جانے کی۔ مگر اس صورت میں کہ وہ خود ہمیں آگے بڑھائیں یا ہماری پیش قدمی سے دوسروں سے بلاء اور مصیبت دور ہوتی ہو یا انہیں نیک کاموں کی رغبت ہوتی ہو تو پھر مضائقہ نہیں۔ کیونکہ نیک کاموں میں سبقت کرنے کا حکم دیا گیا۔ سید احمد رفاعیؒ کا قول ہے کہ ہمیشہ دم بن کر رہو سر بن کر نہ رہو کیونکہ سب سے پہلے مار ہمیشہ سر پر پڑا کرتی ہے۔

(۸) کسی منصب کی تمنا یا کوشش نہ کریں

کسی منصب یا ذمہ داری کی تمنا نہ کریں اور نہ اپنی طرف سے اس کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر نظر رکھیں اور صبر کریں یہاں تک کہ خود ان سے اسے قبول کرنے کی درخواست نہ کی جائے۔ کیونکہ اگر اپنی کوشش سے کوئی منصب حاصل کرو گے تو تمہیں اس منصب حوالے کر دیا جائے گا اور اگر بغیر کوشش کے کوئی ذمہ داری ملے گی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعانت کی جائے گی۔

(۹) ہمیشہ یہ اعتقاد رکھیں کہ حق تعالیٰ ہماری مصلحتوں کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں

ہمیشہ یہ اعتقاد پیش نظر رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری مصلحتوں کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں اگر یہ اعتقاد رکھیں گے تو کسی معاملے میں بھی دل میں ناخوشی پیدا نہ ہوگی۔ اور جو شخص اس اعتقاد سے غافل رہے گا وہ ضرور تقدیر سے ناخوش ہوگا بلکہ بعض اوقات اعتراض کا مرتکب ہوگا۔

شبلیؒ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ میں نے جنید رحمۃ اللہ علیہ کو بعد وفات کے

دیکھا تو میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ فرمایا؟ کہنے لگے کہ مجھے بخش دیا اور کسی بات پر عتاب نہیں فرمایا البتہ ایک بار میری زبان سے اتنی بات نکل گئی تھی کہ اس سال زمین کو بارش کی زیادہ ضرورت ہے، اس پر حق تعالیٰ نے مجھے عتاب فرمایا کہ اے جنید! تم مجھے خبر دینا چاہتے تھے۔ حالانکہ میں علیم و خبیر ہوں۔

(۱۰) تنگی کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے ایسے ہی راضی رہیں جیسے فراخی کی صورت میں

جب ہمارے اوپر دنیا میں تنگی اور کمی کر دی جائے تو اس صورت بھی ہم اپنے پروردگار سے ایسے ہی راضی رہیں جیسا کہ فراخی کی صورت میں ہم ان سے خوش رہتے ہیں۔ بلکہ وسعت کی حالت میں ڈرتے رہنا بھی چاہیے۔ کیونکہ دنیا کا کم ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عافیت میں رکھنا چاہتے ہیں اور زیادہ ہونے میں اندیشہ ہے کہ ہم اس میں مشغول ہو جائیں اور دفعتاً پکڑے جائیں۔

(۱۱) اپنے دل کو دنیا میں مشغول نہ کریں

اپنے دل کو دنیا میں مشغول نہ کرنا چاہئے۔ حتی الوسع لین دین اور جمع تقسیم کے معاملات سے دل کو فارغ رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر کسی سے کچھ قرض وغیرہ لینا ہو تو زیادہ سختی نہ کریں۔ نرمی سے دے دے تو ٹھیک ہے ورنہ دنیا آخرت میں مطالبہ نہ کریں۔ یہ سوچ لیں کہ وہ اللہ کا بندہ ہے نبی ﷺ کا امتی ہے۔ تو اللہ اور رسول عظمت کو سوچتے ہوئے اس سے زیادہ تقاضہ نہ کریں۔

(۱۲) دنیا اور اس کی لذات سے بے رغبتی اختیار کریں

دنیا اور اس کی شہوات و لذات کو بے رغبتی کی نگاہ سے دیکھا کریں اور رغبت کی نگاہ

اس طرف نہ کیا کریں۔امام شافعیؒ نے فرمایا دنیا اس بوسیدہ ہڈی کی مانند ہے جس پر بہت سے کتے چھینا جھپٹی کر رہے ہوں۔لہذا جو کوئی بھی دنیا میں رغبت کرے گا ضرور نجاست سے آلودہ ہوگا اور اس کو کتے کاٹیں گے اور اس پر دانت نکال کر بھونکیں گے۔ لہذا بڑی مصیبت اٹھانا پڑے گی۔

(۱۳) دنیا کی چیز پر مزاحمت نہ کریں

فقراء کو چاہئے کہ دنیا کی کسی چیز پر مزاحمت،، جھگڑا اور تکرار نہ کریں۔کیونکہ دنیا پر جھگڑنے سے دلوں میں دشمنی اور نفوس میں کدورت پیدا ہوتی ہے۔جان لیں کہ ہر وہ چیز جو نزاع اور تکرار سے حاصل ہو وہ دنیا ہے اگر چہ کہ بظاہر وہ دینی چیز محسوس ہوتی ہو۔ اس لئے کہ جو کام بھی خالص آخرت کیلئے ہوں ان میں جھگڑا اور نزاع نہیں ہو سکتا۔اگر نزاع کی نوبت آتی ہے تو سمجھ لیں کہ اس میں دنیا کی آمیزش ضرور ہے۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ کی محبت کو دنیا کی محبتوں پر غالب رکھیں

اللہ تعالیٰ کی محبت کو دنیا کی تمام محبتوں پر غالب رکھیں۔خواہ محبت مال کی ہو یا اولاد کی ہو یا ازواج کی ہو یا اصحاب (دوستوں) کی ہو۔کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑے غیرت والے ہیں وہ اپنے مومن بندے کے دل میں کسی غیر کی محبت کو پسند نہیں کرتے۔ہاں جن کی محبت کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے جیسے انبیاء و ملائکہ علماء صلحاء اولیاء اللہ تو ان کی محبت اللہ کے حکم کی بجا آوری کیلئے ہے۔

صوفیاء کی اصطلاح میں غیر کی محبت سے مراد وہ محبت ہے جو وصول الی اللہ میں داخل نہیں۔تو انبیاء علیہم السلام اور اپنے مشائخ اور جملہ اولیاء اللہ سے محبت چونکہ حق تعالیٰ تک پہنچانے والی ہے اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں ہی شمار ہوتی ہیں۔ازواج و

اولاد سے اس قدر محبت جائز اور ضروری ہے جس سے ان کے حقوق ادا کرنے میں آسانی ہو۔ اس سے زائد محبت جس کی وجہ سے احکام الٰہی میں سستی اور فتور آنے لگے وہ نقصان دہ ہے۔

حضرت علی خواص فرماتے تھے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ تمہارے بیوی بچوں کو اس لئے مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ تمہارے دل میں ان کی محبت جم گئی ہوتی ہے (اللہ تعالیٰ اس پر غیرت کھاتے ہیں) اور کبھی ان کی محبت کی وجہ سے خود تمہارے اوپر عتاب فرماتے ہیں۔

(۱۵) جس شخص کی عادت لڑائی جھگڑے کی ہو اس سے مناظرہ نہ کریں

جس شخص میں دیکھیں کہ اس کی طبیعت میں جوش زیادہ ہے اور لڑائی جھگڑے اور مناظرہ کرنے کی عادت ہے۔ اس سے مناظرہ نہ کریں اور اپنی بات کو دلائل سے منوانے کی کوشش نہ کریں۔ ایسے شخص کے سامنے جتنی مرضی معقول بات کی جائے اس کی کوشش ہمیشہ دوسرے کو نیچا دکھانے اور اور اپنی عقل وفہم کو صائب الرائے ثابت کرنے کی ہوگی۔

ایسے شخص سے بات کرنے سے پہلے کوئی ایسی حکمت عملی اپنائیں کہ اس کا جوش نفس آپ کیلئے نرم ہو چکا ہو۔ مشائخ جب کسی کو برے کاموں کا مرتکب دیکھتے تو اس شخص کو نصیحت کرنے سے پہلے اس کی اچھائیوں کو بیان کرتے اور درمیان میں اس کی خامیوں کو بیان کر دیتے اور کہتے کہ ان سے بھی بچ جاتے تو بہت اچھا ہوتا۔ اس طرح وہ شخص ان برائیوں سے اجتناب کرنے لگتا۔

سید ابوالحسن شاذلی فرمایا کرتے تھے کہ جب تک حق تعالیٰ کسی کو ایسی حسن تدبیر اور سیاست عطا نہ فرمائیں جس سے وہ نصیحت کے لئے ایسی تمہید قائم کر سکے کہ دوسرا آدمی

اپنی مصلحت اور خوبی سمجھ کر خود اس کام کے لئے سبقت کرنے لگے اس وقت تک کسی کو مسند نصیحت و وعظ پر بیٹھنا جائز نہیں۔

(۱۲) اپنے نصیحت کرنے والے دوستوں کو حکمت و تدبیر کے طریقے بتائیں

اپنے ان دوستوں کو جو وعظ و نصیحت پر مقرر ہیں۔ ان کو نصیحت میں سیاست اور تدبیر کے طریقے بتلاتے رہا کریں۔ کیونکہ بہت سے نصیحت کرنے والے بغیر سیاست اور تدبیر سے نصیحت کرتے ہیں تو اس سے بڑے فتنے پیدا ہوجاتے ہیں جو اس گناہ سے بھی زیادہ شدید ہوتے ہیں جس کے لئے انہوں نے نصیحت کی تھی۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرمایا کرتے تھے کہ نصیحت کرنے کی شرط یہ ہے کہ نصیحت سے پہلے ایسی تمہید اٹھائی جائے جس سے دوسرا شخص خود بخود اس کام کو چھوڑنے پر آمادہ ہوجائے۔

حضرت علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ مسجد میں دیکھا کہ ایک شخص سے مسجد میں اپنے جوتوں کے نیچے کا حصہ بغیر آپس میں ملائے الگ ہی مسجد میں لے گیا تو مسجد کے دربان نے اسے ان الفاظ سے ٹوکا او یہودی، او نصرانی، او کتے، او خدا سے نہ ڈرنے والے اپنے جوتوں کو آپس میں ملالے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جھگڑا ہوا اور مقدمہ عدالت میں چلا گیا۔ اہل محلہ کی دو پارٹیاں بن گئیں اور باہم سب میں چپقلش پیدا ہوگئی، سارے محلہ میں عداوت پیدا ہوگئی، میں ان کے درمیان صلح کرانے سے عاجز ہوگیا حتیٰ کہ شعبان کی پندرہویں رات بھی ان کی صلح نہ ہوسکی حالانکہ اس رات کے بارے میں آیا ہے کہ اس رات سب کی بخشش ہوجاتی ہے سوائے مشرکین اور باہم جھگڑا اور عداوت رکھنے والوں کے۔

تو معلوم ہوا کہ جو شخص بغیر تدبیر کے نصیحت کرے گا وہ اصلاح سے زیادہ فساد برپا

کرے گا۔ اگر جامع مسجد کا دربان یہ کہہ دیتا کہ اے بھائی! اپنے جوتوں باہم ملا لویوں کھلا مسجد میں نہ لے جاؤ تاکہ مسجد میں کچھ ناپاکی نہ گر پڑے تو دوسرا شخص اس کی بات ضرور مان لیتا اور جزاک اللہ بھی کہتا۔

(۱۷) خود ہی اپنی غلطی کا اعتراف کر کے قصہ ختم کر دینا چاہیے

کہ اگر کوئی جھگڑنے والا بغیر سمجھے بوجھے ہم سے بحث کرنے لگے تو اس کے سامنے اس غرض سے دلیلیں بیان کرنے کے لئے اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالیں کہ وہ اپنی بات واپس لے لے۔ بلکہ ہم کو خود ہی اپنی غلطی کا اعتراف کر کے قصہ ختم کر دینا چاہیے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ نیت کر لیں کہ تمہارے نزدیک ہم غلطی پر ہیں۔ کیونکہ تمہیں ہماری دلیل کی خبر نہیں، پھر اس کو سمجھانے کے واسطے دوسرے موقعہ کا انتظار کریں۔

(۱۸) مخالفین سے حسن سلوک کا مظاہرہ کریں

وہ لوگ جو آپ سے عداوت رکھتے ہوں اور تکفیر و تنقیص کے درپے رہتے ہوں ان سے سلوک واحسان کا معاملہ کریں اور ہدایہ وغیرہ بھیجنے میں ان کو ترجیح دیں۔ کیونکہ اس میں آپ کیلئے مجاہدہ نفس ہے اور ان کی عداوت کے زائل ہونے کی بھی امید ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص ہمارے کسی ایسے ہم عصر کی تعریف کرے جو ہم پر اعتراض کیا کرتا ہے تو ہم بھی اس تعریف اور مدح میں موافقت کریں اور اس میں کچھ مین میخ نہ نکالیں ادفع بالتی ھی احسن فا اذالذی بینک و بینہ عداوۃ کا نہ ولی حمیم (بدی کو بھلائی کے ساتھ دور کرو جس شخص میں کہ تیرے اور اس کے درمیان عداوت ہے گویا کہ پکا دوست ہے)

(۱۹) گنہگاروں سے نرمی کریں

تمام اہل معاصی سے نرمی سے بات کیا کریں تا کہ وہ جلدی ہمارے مطیع ومعتقد ہو جائیں اوران کو کجی درست کرنے اور توبہ کی طرف مائل کرنے میں آسانی ہو۔ حضرت داوٗد علیٰ نبینا علیہ السلام کے نفس کو گناہ گاروں کے پاس بیٹھنے سے نفرت ہوئی تو حق تعالیٰ نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ اے داوٗد جس کی حالت درست ہے اس کو تو آپ کی ضرورت نہیں اور جس کی حالت خراب ہے اس کی کجی دور کرنے سے آپ اعراض کرتے ہیں، تو پھر آپ کو پیغمبر کس لئے بنایا گیا؟

(۲۰) گناہ گاروں سے صرف اللہ کے واسطے نفرت وبغض کیا کریں

گنہگاروں سے محض اللہ کے واسطے نفرت وبغض رکھا کریں اپنے نفس اور طبیعت کے لئے نفرت نہ کیا کریں جیسا کہ نیک لوگوں سے بھی اللہ تعالیٰ کے واسطے محبت کرنا چاہئے نہ کہ نفس وطبیعت کی وجہ سے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ کیلئے محبت وبغض رکھنا ایمان کے مضبوط حلقوں میں سے ہے اور بغض سے مراد افعال و صفات سے بغض کرنا ہے نہ کہ ذات سے۔

اور حب فی اللہ اور بغض فی اللہ صادق ہونے کی پہچان یہ ہے کہ تم گنہگار آدمی سے اس حالت میں بھی بغض ونفرت کرتے رہو جب کہ وہ تمہارے ساتھ احسان وسلوک کر رہا ہو اور اللہ عزوجل کے حق پر نظر کرکے اپنے دل میں احسان کی وجہ سے اس کے ساتھ ذرا محبت نہ پاؤ۔

(۲۱) اپنے دوستوں کو مقامات عالیہ حاصل کرنے کی ہدایت کرتے رہیں

اپنے متعلقین اور مریدین کو مقامات عالیہ حاصل کرنے کی ہدایت کرتے رہیں

اوران کونقصان وپستی کی حالت میں تباہ وبرباد ہوتا نہ چھوڑیں کیونکہ ان کے بارے میں ہم سے پوچھا جائے گا اور آج کل اس بات پر بہت کم عمل کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ یا تو نا واقفیت ہے یا یہ کہ مریدین کو مہمل خیال کیا جاتا ہے۔ اور یہ دوسرے صورت پہلی سے بھی زیادہ قابل مؤاخذہ ہے کہ اگر یہ مہمل ہیں تو پھر پیری مریدی کا بازار گرم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

آج کے دور میں اگر کوئی ایسا شیخ مل جائے جو روک ٹوک اور نصیحت کرنے والا ہو تو اس کی صحبت کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اس کا حلقہ مضبوطی سے تھام لینا چاہئے۔ یاد رکھیں سر پر ہاتھ پھیرنے والے ہزاروں ملتے ہیں مگر کہنے سننے والے بہت کم ملتے ہیں۔

(۲۲) اپنے متعلقین کو اولیاء اللہ کے آداب بتاتے رہیں

اپنے متعلقین کو صحبت اولیاء کے آداب بتاتے رہا کریں۔ کیونکہ یہ راستہ آدب سے ہی طے ہوتا ہے اور بعض اوقات چھوٹی سی بے ادبی انسان کو مردود بنا دیتی ہے۔

(۲۳) سلف صالحین سے جو آداب منقول ہیں ان پر عمل کریں

سلف صالحین سے جو آداب منقول ہیں ان پر ان حضرات سے حسن ظن کی بناء پر عمل کیا کریں گو ہمیں ان آداب کی کوئی دلیل معلوم نہ ہو۔ کیونکہ ہم کو دلیل نہ ملنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ آداب بے اصل ہیں، ممکن ہے کہ سلف صالحین کو اس کی دلیل ملی ہو۔

دوسرے ان حضرات کے قلوب ہم سے زیادہ منور تھے اور ان کا زمانہ بھی نزول قرآن اور نزول جبرئیل علیہ السلام سے بہت قریب تھا۔ امام شافعیؒ سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے حضرات صحابہ کرام کی تعریف اور فضیلت اور ان کے لائق شان ومدح کے بعد فرمایا کہ حضرات صحابہ ہر قسم کے علم واجتہاد اور احتیاط تقویٰ میں ہم سے بہت بڑھے

ہوئے ہیں اور جس بات کا ادراک ان کو اپنے علم سے ہوا اور جو استنباط انہوں اپنی رائے سے کیا وہ ہمارے لئے اپنی رائے اور اجتہاد سے بہتر اور بالاتر ہے۔

(۲۴) اپنے فیض اور توجہ کو کھانے پینے کی چیزوں میں اور جائز گفتگو میں شامل کر دیں

اپنے فیض اور توجہ کو کھانے پینے کی چیزوں میں اور ہر جائز گفتگو میں شامل کر دیا کریں تا کہ جو اللہ کا بندہ ہمارا کھانا کھائے یا پانی پئے یا بات سنے اس پر ہماری توجہ کا اثر پڑے۔ حقیقت توجہ کی یہ ہے کہ دل سے دعا اور آرزو کرنا کہ فلاں شخص کی حالت درست ہو جائے یا اس کو نسبت مع اللہ حاصل ہو جائے اور اپنے دل کو اس کی طرف متوجہ کر دینا تا کہ شیخ کے دل کے انوار مرید کے دل میں پہنچ جائیں۔ کبھی اس توجہ قلبی کا اثر مشائخ کے کھانے پینے کی چیزوں میں اور ان کی باتوں تک میں سرایت کر جاتا ہے کہ جو شخص ان کو استعمال کرتا یا سنتا ہے، اس کو نسبت مع اللہ حاصل ہو جاتی ہے۔ تو یہ چیزیں قائم مقام شیخ کے ہو جاتی ہیں کیونکہ شیخ کی توجہ اور فیض ان میں رکھی ہوئی ہیں، ان کے استعمال سے وہی فائدہ حاصل ہوگا جو کہ شیخ کے متوجہ ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔

سیدی ابراہیم متبولی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی طریقہ تھا، جب کوئی شخص خانقاہ میں آتا اور دریافت کرتا کہ حضرت شیخ" کہاں ہیں؟ تو آپ اس کو بٹھاتے اور خادم کو حکم دیتے کہ اس کے سامنے کھانا رکھو، پھر فرماتے کہ شیخ یہ ہے۔ بعض لوگوں کو یہ گمان ہوتا کہ حضرت شیخ بطور مزاح کے ایسا فرما رہے ہیں۔ حالانکہ حضرت شیخ بطور مزاح یہ بات نہ فرماتے، بلکہ وہ واقعی بات کہتے تھے، کیونکہ مطلب آپ کا یہ تھا کہ شیخ سے مقصود توجہ اور فیض ہے سو یہ چیزیں شیخ نے کھانے پینے کی چیزوں میں رکھ دیں ہیں۔ اسی واسطے سیدی

ابراہیم متبولی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے (ماشیخ الا اللقمة) کہ ہمارے یہاں تو شیخ لقمہ ہے۔

(۲۵) جس شخص کی حالت بدل جائے اس پر ہنسیں نہیں

جب کسی ایسے شخص کو دیکھیں جو پہلے نیکوکاری کی طرف مائل تھا اور اعمال صالحہ کا پابند تھا بعد میں اس کی حالت بدل گئی سستی کرنے لگا یا برائی کی طرف مائل ہو گیا۔ تو اس تغیر حال پر اس پر ہنسیں نہیں۔ کیونکہ ہر ایک پر یہ حالت پیش آسکتی ہے۔ ہر ذاکر شاغل عابد زاہد اور متقی کو اس بات پر ہمیشہ ڈرنا چاہئے کہ مبادا دین کی جو دولت اس کے پاس ہے وہ زائل نہ ہو جائے۔ ذکر اللہ کرنے والا خدا کا جلیس اور اس کا ہم نشین ہوتا ہے اور ہر شخص ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی کے لائق نہیں ہوا کرتا۔

(۲۶) عبادات شرعیہ پر اجرت نہ لیں

فقراء کو چاہئے کہ جو کوئی دینی امور سرانجام دیتے ہیں جیسے مسجد کی خدمت درس و تدریس، امامت، خطابت، اذان اور قرآن پاک کا پڑھانا اور جو عبادت شرعیہ ہیں ان کی تنخواہ نہ لیا کریں۔

ہاں اور کوئی ذریعہ آمدن نہ ہو تو وظیفہ لے لیا کریں لیکن نیت درست رکھیں کہ جو کچھ خدمت کر رہے ہیں اس کو محض اللہ کی رضا کیلئے سرانجام دیں اور جو وظیفہ ملے اس کو عطیہ خداوندی سمجھیں۔ اپنی اس نیت میں سچے ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر کسی وقت وظیفہ نہ ملے تو کام کو ٹھپ کر نہ بیٹھ جائیں۔ یا وظیفہ کی کمی کی شکایات طلبا و عوام میں نہ کرتے رہیں۔ اگر کسی سے یہ بات سرزد ہوتی ہے تو وہ جان لے کہ وہ اس مقام کے لوگوں میں سے نہیں۔

(۲۷) کفار ظالموں اور فاسقوں کے ہدایا قبول نہ کریں

فقراء کو چاہئے کہ کفار، ظالموں اور فاسقوں کے ہدایا قبول نہ کیا کریں۔ ان لوگوں کے ہدایا لینے سے فطری طور پر دل کو ان کی طرف میلان ہوگا، جیسا کہ حدیث پاک میں آیا الـقـلـوب علی حب من احسن الیہا (محسن کی محبت فطرتاً قلوب میں رکھی ہوتی ہے)۔ تو ان کی طرف میلان قلب کی وجہ سے ان کے افعال کی کراہت دل میں کم ہو جائے گی اور یہ بہت بڑا وبال ہے۔

حکیم بن حزامؓ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے جناب رسالت حضور ﷺ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا تھا تو آپ نے یہ فرما کر رد کر دیا تھا کہ نـحـن لا نـقـبـل هدایا الـمـشـرکـیـن (ہم مشرکین کی ہدایا قبول نہیں کرتے) بہر حال کوئی مصلحت دینی ہو تو قبول کر لینا چاہئے جیسا کہ حضور ﷺ نے مقوقس شاہ سکندریہ کا ہدیہ باوجود اس کے کفر کے قبول فرما لیا تھا۔

(۲۸) جو شخص اپنے ہدیہ کو بہت قیمتی سمجھتا ہے اس کا ہدیہ قبول نہ کریں

جس شخص کے متعلق ہمیں قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اس ہدیہ کو بہت قیمتی سمجھتا ہے اس کا ہدیہ اپنے واسطے کبھی قبول نہ کریں کیونکہ اس کے نزدیک ہدیہ کا قیمتی اور قابل قدر ہونا اس کے بخیل ہونے کی دلیل ہے۔ اور بخیل کے گھر سے کھانا بیماری پیدا کرتا ہے۔ اور یہ جو کہا کہ اپنے واسطے قبول نہ کرے اس سے یہ صورت مستثنیٰ ہوگئی کہ ہم اس کو دوسرے فقراء اور حاجتمندوں کے نام سے قبول کریں تو اس میں مضائقہ نہیں۔ اور ان کو انشاء اللہ اس کے کھانے سے کچھ ضرر نہ ہوگا۔ (کیونکہ بخل کا علاج صدقہ ہے اور صدقہ فقراء پر ہی کیا جاتا ہے)

حضرت جنید بغدادیؒ کی ایک دفعہ ایک تاجر نے دعوت کی جب دستر خواں بچھایا گیا تو تاجر نے درویشوں سرہانے کھڑے ہو کر کہا خوب سیر ہو کر کھائیں واللہ مجھے وہ ایک لقمہ جو آپ کے پیٹ میں پہنچ جائے ۵۰۰ اشرفیوں سے زیادہ عزیز ہے۔ حضرت جنیدؒ نے درویشوں سے کہا بس ہاتھ روک لو ہمارا میزبان بہت ہی کم حوصلہ ہے جو درویشوں کے لقمے کو متاع دنیا کے برابر سمجھتا ہے پھر آپ درویشوں کو لے کر وہاں سے نکل گئے۔

(۲۹) شادی بیاہ اور ختنہ وغیرہ کی تقریبات میں شرکت نہ کریں

ختنہ یا شادی وغیرہ کی تقریب میں شریک ہونے کے لئے کسی درخواست کو منظور نہ کیا کریں بالخصوص اگر ہم علماء اور صلحاء کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ بھلا جس عالم یا بزرگ کی داڑھی سفید ہوگئی ہو اور وہ لوگوں کا مقتدا بنا ہوا ہو اس کے لئے بہت ہی نازیبا ہے کہ بچوں اور فاسقوں کے ساتھ مل کر لہو ولعب کے مواقع میں شریک ہو۔ جہاں وہ خدا سے غافل ہوتے ہیں کہ اگر یہ ان کو نیک بات کا حکم کرنا چاہے تو وہ پلٹ کر اس کی بات بھی نہ سنیں۔ نیز بعض اوقات تقریبات میں لہو ولعب کا سامان بھی ہوتا ہے جن کو یہ عالم حرام سمجھتا ہے یا بھانڈ وغیرہ ہوتے ہیں جو لوگوں کو ہنساتے اور ان سے مسخرہ پن کرتے ہیں اور اسی قسم کی بہت سی باتیں ہوتی ہیں جو علماء اور صلحاء کی شان کے خلاف اور ان کی ہیبت وعظمت کو کھونے والی ہوتی ہیں اور لوگوں میں ان کی توقیر ضائع کر دینے کا سبب ہوتی ہیں۔ پس ان باتوں میں اپنے وقار وعظمت کا پاس کرنا ہر عالم ومتقی اور خطیب وواعظ وغیرہ کو لازمی طور پر ضروری ہے۔ (لیکن اگر کوئی مصلحت دینی ایسی ہو کہ جانے کو نہ جانے پر ترجیح ہو جائے تو شرکت میں مضائقہ نہیں)

(۳۰) گھوم پھر کر بیچنے والے اور راستوں کی دکانوں کا کھانا نہ کھائیں

جو لوگ کھانے کی چیزیں گھوم پھر کر بیچتے ہیں ہم ان سے خرید کر نہ کھائیں۔ اسی طرح جو کھانے راستوں کی دکانوں پر پڑے ہوئے ہوتے ہیں ان کو بھی خرید کر نہ کھائیں کیونکہ ان میں نگاہوں کی سمیت کا اثر آ جاتا ہے۔ نہ جانے کتنے لوگوں کی نگاہیں ان پر پڑتی ہوں گی جن میں سے کئی غریب اور محتاج آدمی بھی ہوں گے جو ان کو حسرت سے دیکھتے ہوں گے۔ اور ان کی نظر کا اثر اس میں آ جاتا ہے۔

(۳۱) اپنے نفس اور اہل و عیال پر زیادہ توسع نہ کریں

اپنے نفس پر اور اہل و عیال اور خدام و متعلقین پر کھلانے پلانے میں زیادہ توسع نہ کیا کریں بلکہ میانہ روی اختیار کریں تاکہ اللہ تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد پر عمل ہو **والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا و کان بین ذالک قواما** (اور وہ نیک بندے ایسے ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ حد سے تجاوز کرتے ہیں نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان ٹھیک اندازہ پر ہوتا ہے) لہٰذا جو شخص اپنے اوپر اور اپنے اہل و عیال پر ہمیشہ وسعت سے خرچ کرتا ہے وہ نعمتوں کی بے وقعتی اور ناقدری کا دروازہ کھولتا ہے۔ کیونکہ جس گھر میں نعمت کا استعمال زیادہ ہوتا ہے اس کے رہنے والے نعمت کی بے وقعتی کرنے لگتے ہیں گو کچھ عرصہ بعد کریں لیکن وہ نعمت کو معمولی سمجھنے لگتے ہیں اور اگر کبھی خدا تعالیٰ نعمت کو ان سے ہٹا لیں تو وہ اپنے پروردگار سے ناخوش ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ نعمت و راحت سے مانوس ہو گئے تھے اب کلفت اور تنگی ان کو برداشت نہیں۔

(۳۲) کھانے پینے کی ہر چیز کے استعمال کے وقت اپنے قلوب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھیں

کھانے پینے کی ہر چیز کو کھاتے وقت اپنے قلوب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھا کریں اور اپنے دوستوں کو بھی اس کا امر کریں اور ان کو بتائیں کہ کھانے کے وقت درحقیقت ہم اللہ تعالیٰ کے دستر خواں پر بیٹھے ہوتے ہیں اور وہ ہم کو اور ہماری قناعت یا حرص کو دیکھ رہے ہیں۔ ہماری اس حالت کو بھی دیکھ رہے ہیں کہ ہم اس کی نعمتوں کا اعتراف کرتے ہیں یا منعم حقیقی سے غافل ہیں لہٰذا ان کو جانوروں کی طرح غفلت سے کھانے پینے سے روکنا چاہئے۔ خانقاہ کے نقیب کو چاہئے کہ وہ درویشوں کو اس بات پر متنبہ کرتے رہا کریں۔ اسی طرح بچوں کی ماں کو بھی سمجھانا چاہئے کہ وہ ہمیشہ اپنی لڑکیوں اور ملازموں کو جس وقت بھی وہ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائیں اس پر تنبیہ کریں۔ تاکہ ان کو غفلت سے کھانے کی عادت نہ پڑ جائے۔

(۳۳) سنن شرعیہ کو سستی اور کاہلی سے کبھی ترک نہ کریں

سنن شرعیہ کو سستی اور کاہلی سے کبھی ترک نہ کریں اور نہ یوں کہیں کہ سنتوں کا معاملہ تو سہل ہے ان کے چھوڑنے سے کوئی گناہ تو نہیں ہے جیسا کہ آج کل کے بے باک لوگوں کی حالت ہے۔ مثلاً جمعہ کے دن غسل کرنا، خوشبو لگانا، اور مسجد جانے کیلئے زینت کرنا، بائیں پاؤں کو جوتہ میں سے پہلے نکالنا اور مسجد میں جاتے ہوئے دائیں پاؤں کو پہلے اندر رکھنا وغیرہ جیسے اعمال میں سستی نہ کریں۔ ہر ہر سنت کے بدلے جنت میں ایک درجہ ہے جس کو بغیر اس شخص کو جو اس سنت پر عمل کرتا ہو اور کوئی نہیں پا سکتا۔ حدیث پاک میں ہے کہ مؤمن کبھی سیر نہیں ہوتا۔

(۳۴) اپنے دوستوں کو ضرورت سے زیادہ نہ سونے دیا کریں

اپنے دوستوں کو ضرورت سے زیادہ نہ سونے دیا کریں کیونکہ جو شخص ضرورت سے زیادہ سوئے گا وہ قیامت کے دن قلت اعمال کی وجہ سے مفلسوں کی طرح خالی ہاتھ آئے گا۔ اس لئے کہ نیند موت کی بہن ہے اس میں نہ دنیا کا کوئی کام ہوتا ہے نہ آخرت کا اور ہر شخص کے بدن کی صحت کے لئے نیند کا ایک خاص معیار ہے۔ جس کو انصاف کے ساتھ ہر شخص جان سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنے نفس کو دھوکا نہ دے

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ درویشوں کا سونا ضرورت کا سونا ہے اور بقدر ضرورت سونا معاف ہے۔ کیونکہ یہ انعامات میں سے ہے جو حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بطور صدقہ عطا فرمائے ہیں اور ان سے منتفع ہونے کی اجازت بھی دی ہے۔ اور سب سے بدتر سونا وہ سونا ہے جو اخیر شب میں اور صبح کے بعد اور عصر کے بعد ہو۔

(۳۵) بے وضو نہ سوئیں

بے وضو کبھی نہ سوئیں چاہے دن ہو یا رات۔ جب سوئیں تو ہمیشہ وضو کریں یا کم از کم تیمم کرلیا کریں۔ مبادا کہ ہماری روح ناپاکی کی حالت میں نہ قبض کرلی جائے۔

(۳۶) بغیر باطنی طہارت کے نہ سوئیں

بغیر باطنی طہارت کے نہ سویا کریں۔ باطنی ناپاکی سے مراد دل کی ناپاکی اور گندگی ہے۔ مثلاً حسد بغض کینہ یا مکروفریب، تکبر وغیرہ کے جذبات دل میں موجود ہوں۔ لہٰذا سونے سے پہلے توبہ واستغفار اور دل کو ان تمام عوارض سے پاک کرلینا چاہئے۔

(۳۷) رات کے آخری پہر نہ سویا کریں

رات کے آخری پہر میں کبھی نہ سویا کریں اور جمعہ کی رات شعبان کی پندرہویں

رات اور شب قدر کی راتوں میں تو بالکل نہ سویا کریں مگر نیند کا غلبہ ہو تو تھوڑی دیر آرام کرلیں۔ اسی طرح اور جو راتیں فضیلت والی ہیں ان میں بھی تمام رات نہ سویا کریں۔ کیونکہ ان راتوں میں اللہ تعالیٰ شانہ کا تجلی فرمانا احادیث سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر رات آخری پہر میں تجلی فرماتے ہیں اور جمعہ کی رات میں رات شروع ہونے سے صبح کی نماز ختم ہونے تک تجلی فرماتے ہیں۔ فقراء کو ان اوقات میں سویا رہنا بہت ہی نازیبا ہے کیونکہ یہ دربار شاہی کے اوقات ہیں۔ جو فقیر ان اوقات میں سویا رہا پھر بعد میں کچھ اللہ سے مانگا وہ اس شخص کی طرح ہے جو دیر کرکے ایسے وقت دربار شاہی میں آیا جب دربار برخواست ہو چکا تھا۔ اب تو خدام شاہی یہی کہیں گے کہ دربار برخاست ہو چکا ہے اب دوسرے وقت آنا۔

پس اے عزیز! دربار شاہی کے وقت ضرور حاضر رہا کرو تمہاری تمام ضرورتیں اور حاجات پوری ہوتی رہیں گی اور دل تمام افکار دنیا سے راحت وچین میں رہے گا۔ یہ تجربہ ہے کہ تہجد کی پابندی کرنے والا دن بھر بشاش رہتا ہے، دل کو ایک خاص سرور نصیب ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو جب کسی کو گورنر کے دربار میں تھوڑی کیلئے رسائی ہو جاتی ہے اور حاکم اس سے دو چار باتیں کرلیتا ہے تو اس شخص کی خوشی کی کچھ انتہا نہیں رہتی۔ تو جو شخص دربار حقیقی میں پہنچ جائے اور احکم الحاکمین کے ساتھ نماز میں ہمکلام ہو اس کی خوشی اور بشاشت کا کیا پوچھنا۔ بخلاف اس شخص کے کہ جو ان اوقات میں سوتا رہے کہ وہ صبح کے وقت ست اور خبیث النفس ہو کر اٹھتا ہے اور اس کی ساری ضروریات اور حاجات معطل اور بند پڑی رہتی ہیں۔

پھر جب تمہیں ان مبارک اوقات اور معزز درباروں تک رسائی کی توفیق ہو جائے تو مناسب یہ ہے کہ اپنی حاجات کے ساتھ امور متعلقہ آخرت اور مسلمانوں کے

عالم مصالح کے لئے درخواست بھی کیا کرو۔ سید ابراہیم متبولی فرمایا کرتے تھے کہ جب تمہارے میں سے کسی کو حق تعالیٰ کا کچھ قرب نصیب ہو جائے تو اس کو اپنے زمانہ کے تمام مسلمانوں کے لئے سفارش کرنا چاہئے۔

(۳۸) جس شخص کا علم نفس ہی میں رکھا ہو اس سے تہذیب اخلاق کی امید نہ رکھیں

جس شخص کا علم اس کے نفس ہی میں رکھا ہوا ہے اس سے مجاہدہ اور تہذیب اخلاق کا مطالبہ نہ کریں کیونکہ اس حالت میں وہ اس پر قادر نہیں ہو سکتا۔ ہمیں یہ چاہئے کہ چپکے چپکے اخلاق صالحہ اس کے اندر پہنچائیں۔ یہاں تک کہ علم کا اثر اس کے لطیف قلب ، روح یا سر تک پہنچ جائے ، جب ان میں سے کسی ایک میں بھی علم کا اثر پہنچ جائے گا تو پھر اس سے اخلاق حسنہ خود بخود ظاہر ہونے لگیں گے۔

یہی حالت طلب کی بھی ہے کہ جب تک طلب کا اثر نفس سے گزر کر لطیفہ قلب یا لطیفہ روح و سر میں سے کسی میں نہ پہنچا ہو اس وقت تک سالک سے ریاضات ومجاہدات کی توقع بے کار ہے۔ بلکہ اول آہستہ آہستہ طلب کا اثر ان لطائف میں پہنچانا چاہئے ، پھر خود بخود اس کی حالت درست ہوتی چلی جائے گی۔

(۳۹) خدام مسجد اور مؤذن وغیرہ سے دشمنی نہ کریں

ہم کسی مؤذن یا کسی خادم مسجد سے خواہ دربان ہو، صفائی کرنے والا ہو یا غسل خانوں کو صاف کرنے والا ہو کبھی دشمنی پیدا نہ کریں۔ خصوصاً اگر یہ لوگ اپنے فرض منصبی کو محض ثواب سمجھ کر یا کسی اور اچھی نیت سے کرتے ہوں تب تو اور زیادہ ان کا احترام کرنا چاہیے۔

اور یہ ادب اگرچہ کہ سب مسلمانوں کیلئے ہے لیکن ان کی خاص رعایت کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال کر کے ان لوگوں سے عداوت نہ کریں۔ وہ خدا کے دربار کے خادم ہیں جن میں سب سے زیادہ مرتبہ مؤذن کا ہے کیونکہ وہ اکثر صبح کی اذان کیلئے صبح صادق سے پہلے جاگ اٹھتا ہے اور پچھلی راتوں کو خدائی لشکروں کے ساتھ دربار خاص میں حاضر ہوتا ہے۔

(۴۰) مسلمانوں سے قطع تعلق میں جلدی نہ کریں

جب تک اپنے نفس کے باریک باریک دھوکوں کی مبالغہ کے ساتھ تفتیش نہ کرلیں اس وقت تک کسی مسلمان سے قطع تعلق اور بول چال بند کرنے میں جلدی نہ کریں۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قطع تعلق تو خواہش نفس کی وجہ سے ہوتی ہے اور نفس یہ سمجھاتا ہے کہ میں تو اللہ کے واسطے قطع تعلق کرتا ہوں۔ اور اس پر بہت سے دلائل بھی باندھتا ہے۔ اگر ہم اس بات پر غور کرلیا کریں کہ قطع تعلق کے گناہ کی وجہ سے ہمارا کوئی عمل آسمان تک نہیں پہنچے گا تو ہرگز قطع تعلق میں جلدی نہ کریں گے۔

(۴۱) مخالفین سے بھلائی کرتے رہیں

جو شخص بھی جو ہمارا مخالف ہو اور ہماری بدخواہی میں لگا رہتا ہو۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس کی خیر خواہی اور احسان وسلوک کا معاملہ کرتے رہیں۔ ہمیں حق تعالیٰ کے ساتھ اس کے بندوں کے بارے میں ویسا ہی معاملہ کرنا چاہئے جیسا کہ وہ ہمارے ساتھ کر رہے ہیں۔ جیسے ہم دن رات اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے الطاف واحسانات منقطع نہیں ہوتے۔ ایسا ہی معاملہ ہمیں اس کی مخلوق سے کرنا چاہیئے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ہر وہ شخص جو اللہ کی طرف بلانے والا ہو اس پر یہ بات واجب ہے کہ ادب اور تمیز سے باہر ہونے والوں کا علاج نرمی اور حکمت سے کرے اور ان سے سلوک و احسان سے پیش آتا رہے۔ کیونکہ وہ راعی ہے اور ہر راعی سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے ان ذاکرین سے نفرت ہوگئی جو میرے پاس رہتے تھے اور میں نے ان کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا تو اسی رات مجھے سید علی خواصؒ کی زیارت ہوئی دیکھا کہ مجھے فرمارہے ہیں کہ تم کو رسول اللہ ﷺ حکم فرماتے ہیں کہ اپنے لوگوں کی صحبت پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے صبر کرتے رہو اور اچھی نصیحت سے ہر وقت ان کی خبر گیری کرتے رہو۔ اس شخص کی طرح نہ بنو جس کی بکریاں دشوار گزار زمین میں منتشر ہوگئیں اور غصہ میں ان کو جنگل میں بھیڑیے کے واسطے چھوڑ آیا تاکہ وہ ان پھاڑ کھائے۔

(۴۲) جب کوئی ظالم ہم پر ظلم کرے تو اپنے آپ کو اس سے زیادہ کا مستحق جانیں

جب کوئی ظالم ہمارے اوپر ظلم کرے تو اپنے آپ کو اس کا بلکہ اس سے بھی زیادہ کا مستحق سمجھیں۔ جو شخص آگ میں جلانے کے قابل ہو پھر ذرا سی راکھ اس پر ڈال کر اس سے صلح کرلی جائے تو یہ تو اس کے خوش ہونے کا مقام ہے کہ بڑی بلا سے نجات ملی اور تھوڑی سی ہی پر بات ٹل گئی۔

(۴۳) اللہ تعالیٰ مخلوق کے سامنے ہمارے عیوب ظاہر کردیں تو ہم اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں

جب اللہ تعالیٰ مخلوق کے سامنے ہمارے عیوب ظاہر کردیں تو ہم حق تعالیٰ کا شکر

بجالائیں اور جب وہ ہم کو اپنے بندوں میں رسوا کریں تو یہ سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے راضی رہیں کہ اس نے ہمارے ساتھ یہ برتاؤ کسی حکمت کاملہ ہی کی وجہ سے کیا ہے، جس پر ہم جیسوں کی نظر نہیں پہنچ سکتی۔ پس ہم کو اس معاملہ میں خدا تعالیٰ کی تقلید کرنی چاہئے اور یہ کہنا چاہئے کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مخلوق پر ہمارے عیبوں کو اس لئے ظاہر کر دیا کہ وہ ہم کو ان سے مطلع کر دیں تا کہ ہم ان سے باز رہیں اور آئندہ ہمیشہ ان سے بچتے رہیں، کیونکہ انسان کی حالت یہ ہے کہ جب کسی عیب کے ساتھ لوگوں میں اس کی تنقیص ہونے لگتی ہے تو وہ اپنے ظاہر و باطن کو اس سے بچالیتا ہے۔

پھر اس صورت میں دوسروں کو ملامت ہرگز نہیں کرنی چاہئے کیونکہ حقیقت میں ملامت کے قابل ہم ہی ہیں کہ ہم نے خدا تعالیٰ سے غافل ہو کر ایسے افعال کا ارتکاب کیا جو کہ بدنامی اور پردہ داری کا سبب بن گئے اور ہم اللہ تعالیٰ کی یاد کی نگہداشت رکھتے اور اس سے پوری طرح شرماتے تو ہرگز تنہائی میں کوئی گناہ نہ کرتے۔ پھر جب ہم اس بات سے نڈر کے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے افعال کو جانتے ہیں تو اس نے مخلوق کو ہمارے حال کی خبر کر دی کہ ان عیبوں سے ہم باز آجائیں اور اس میں منجانب اللہ ہمارے لئے بہت بڑی دھمکی ہے کہ ہمیں مخلوق کی تو پرواہ ہے اور خدا تعالیٰ کے مطلع ہونے کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہے۔

(۴۴) اپنے آپ کو ان لوگوں کی باتوں کا جواب دینے میں مشغول نہ کریں جو ہماری آبروریزی اور تنقیص کرتے ہیں

اپنے نفسوں کو ان لوگوں کی باتوں کے رد کرنے میں مشغول نہ کریں جو ہماری آبروریزی اور تنقیص کرتے ہیں کیونکہ جو شخص اپنے نفس کو خدا کے حوالے کر دے اسی پر اعتماد

ﮨﮯ حق تعالیٰ خود اس کی نصرت فرماتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہمارے اوپر
ں لئے مسلط فرماتے ہیں کہ ہم اس کی بارگاہ سے بھاگے ہوئے ہیں۔
جب مخلوق کسی کی ایذا کے درپے ہو تو وہ کثرت سے استغفار کے ساتھ خدا کی
رف رجوع کرے اور استقلال و محبت اور سچائی کے ساتھ اس کی طاعت پر توجہ کرے
ں وقت اللہ تعالیٰ لوگوں کی ایذا سے اسے بچالیں گے، ورنہ حق تعالیٰ کی بارگاہ سے بے
ی کرتے ہوئے اپنے نفس کی طرف سے جوابدہی میں مشغول ہونا مخلوق کو اس سے دفع
یں کرسکتا اور تکلیف کا زمانہ دراز ہو جاتا ہے اور ان قصوں میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف
وجہ ہونا بھی اس کو نصیب نہیں ہوتا۔
علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ سیدی علی خواصؒ سے
ک شخص کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ تم اس کے خیال سے ہٹ جاؤ اور اللہ تعالیٰ
ظر رکھو وہ تمہاری ایذا کے خیال سے ہٹ جائے گا۔ پھر چند روز بعد میں نے عرض کیا
 میں تو اس کے خیال سے ہٹ گیا مگر وہ ابھی تک میری ایذا کے خیال سے نہیں ہٹا تو
پ نے فرمایا کہ اگر تم پوری طرح اپنے خیال کو اس سے ہٹا لیتے تو وہ ضرور تمہاری ایذا
ے ہٹ جاتا۔ لہٰذا اپنے نفس کی تفتیش کرو شاید اس میں کوئی برا خیال باقی رہ گیا ہو۔
ں نے اپنے نفس پر دوبارہ نظر کی تو معلوم ہوا کہ مجھے یہ خیال رہتا ہے کہ جس قدر اس
ے دعوے میرے متعلق کیے ہیں وہ سب جھوٹے ہیں۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے اس
رگمانی سے بھی توبہ کی تو وہ شخص خود ہی میرے پاس آیا اور مجھ سے صلح کا طالب ہوا۔
یہ بات ظاہر ہے کہ دشمن کو تمہارے اوپر تبھی قابو مل سکتا ہے جب کہ تم ٹیڑھی چال
چلو اور اگر تم سیدھے چلو اور تو اس کو تمہاری مذمت اور تنقیص کا موقع ہرگز نہیں مل سکتا۔
ہذا ملامت تمہارے ہی اوپر ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص تمہیں ایذا

پہنچائے اور حق تعالیٰ تم کو اس ایذا کے سبب پر مطلع نہ فرمائیں تو تمہیں جلدی اس سے مصالحت کر لینی چاہئے۔ اور دل میں یہ نہ کہنا چاہئے کہ مجھے تو یاد نہیں کہ میں نے بھی اس کا برا کیا ہو یا سوچا ہو لہٰذا مجھے اس ملنے ملانے اور معافی مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ اس سے کینہ پیدا ہو جاتا ہے پھر تم اس کے علاج میں پریشان ہو جاؤ گے اور بہت کوشش کرو گے کہ تمہارے دل سے یہ مرض زائل ہو جائے مگر پھر اس کا دل سے نکلنا دشوار ہوگا۔ اگر تم پہلے ہی مصالحت کر لیتے تو یہ مرض پیدا ہی نہ ہوتا۔

(۴۵) امت محمدیہ کے تمام آدمیوں کی خطاء کو اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کی خاطر معاف کر دیا کریں

اس امت محمدیہ کے تمام آدمیوں کی خطاؤں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خاطر سے جن کے وہ بندے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی خاطر سے جن کی وہ امت ہیں معاف کر دیا کریں۔ اور مؤاخذہ و انتقام کے خیال سے درگزر کریں اور کسی سے اپنے کسی حق کا مطالبہ دونوں جہاں میں نہ کریں خواہ مالی حق کا ہو یا آبرو کا کیونکہ مثل مشہور ہے لعین تجازی الف عین و تکرم ''ایک آنکھ کی وجہ سے ہزار آنکھوں کا لحاظ کیا جاتا ہے'' لہٰذا جس نے اس امت کے کسی آدمی سے بھی مؤاخذہ کیا اس نے نہ تو خدا تعالیٰ کی عظمت کو پہچانا جن کے یہ غلام ہیں اور نہ رسول اللہ ﷺ کی عظمت کو جانا جن کی یہ امت ہیں

(۴۶) جو ہم پر ظلم کرے اس پر بددعا کبھی نہ کریں

جو ہم پر ظلم کرے اس پر بددعا نہ کریں اور کبھی یوں نہ کہیں کہ اے اللہ! جو ہمارے ساتھ برا کرے تو بھی اس کے ساتھ بری تدبیر نہ کر اور جو ہم پر ظلم کرے اس کو پکڑ لے وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ ہم کو اپنے نفس کی طرف رجوع کر کے غور کرنا چاہیے اور وہ سبب معلوم

رنا چاہیے جس کی وجہ سے اس ظالم کو ہمارے اوپر دسترس ہو گئی۔ یقیناً ہم سے کوئی گناہ
وا ہے جس کی وجہ سے اس ظالم کو ہم پر مسلط کیا گیا ہے۔ تو اس سے ہمیں توبہ استغفار کر
ے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اور اگر ہمیں توبہ کی توفیق ہو تو صبر کریں اور ثواب کے امیدوار رہیں۔ سیدنا رسول
لہ ﷺ نے ایک دفعہ قریش کے لئے ہلاکت کی بددعا فرمادی تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ
یت نازل فرمائی وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (اور ہم نے تو آپ کو تمام
انوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے) تو آپ اللہ تعالیٰ سے شرما گئے اور قریش پر بددعا
رنا چھوڑ دی۔ اور ان کے لئے ہدایت کی درخواست کرنے لگے۔

عزیز من! یہ بھی سمجھ لو کہ عارف کی شان تو یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو ایسا سمجھتا ہے
کہ زمین میں دھنسا دیئے جانے کے لائق ہے۔ اور یہ سمجھے کہ جتنی بلائیں اور مصیبتیں
س پر آئی ہیں وہ اس سزا سے بہت کم ہیں جس کا یہ مستحق ہے اور دنیا کے تمام ظالموں کو
یسا سمجھے جیسا جہنم کے داروغہ فرشتے۔ بس فرق اتنا ہے کہ یہ ظالم تو نہی کے تحت میں
یں (یعنی ان کو حکم نہیں دیا گیا) اور جہنم کے داروغہ فرشتے امر (حکم دیا گیا ہے) کے
ت ہیں۔

۴۷) کچھ لوگوں میں عداوت ہو تو ہر دو کے ساتھ خیر خواہی کریں

اگر بعض گروہوں کو دیکھیں کہ ان کا آپس میں بغض وعداوت کا تعلق ہے۔ اور صلح
کرانے آپ عاجز ہیں۔ تو دونوں کے ساتھ یوں حسن سلوک رکھیں کہ ہر ایک یہ سمجھے کہ
پ اس کے ساتھ ہیں۔ اور اس میں کوئی منافقت کی بات نہیں ہے بلکہ حقیقتاً مسلمان
و ہر ایک کا خیر خواہ ہی ہونا چاہیے۔

(۴۸) اپنے دوستوں کو قیل وقال کی مجلسوں میں نہ بیٹھنے دیں

اپنے دوستوں کو قیل وقال کی مجلسوں میں نہ بیٹھنے دیں نہ لوگوں کے عیوب چھاننے اور حکام اور اہل سیاست کی طعن وتشنیع میں پڑنے دیں۔ مساجد اور خانقاہوں میں تو اس قسم کی گفتگو کی تو سختی سے پرہیز کرائی جائے۔ بلکہ اخبار بینی بھی اسی میں داخل ہے سالکین کو اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

(۴۹) اپنے دوستوں کو ایسے شخص کی غیبت بھی نہ کرنے دیں جس نے ان کے حق میں ظلم کیا ہے۔

اپنے دوستوں میں سے کسی کو ایسے شخص کی بھی غیبت نہ کرنے دیں جس نے ان کے حق میں برائی کی یا ظلم کیا ہے۔ مگر جب کہ ہم اس سے اپنا حق چھڑانے پر قادر ہوں تو مضائقہ نہیں۔ اس عہد میں آج کل بہت لوگ خیانت کرتے ہیں کہ اپنے نزدیک جس کو ظالم سمجھتے ہیں پیٹھ پیچھے اس کے متعلق بہت کچھ فضول بولتے رہتے ہیں۔ اور ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہوتا جو اس ظالم کو ظلم سے روکے یا نصیحت کرے لہٰذا بے فائدہ ہی اس کی غیبت میں مشغول رہتے ہیں۔

(۵۰) کسی کا راز ظاہر نہ کریں

کسی کا راز ظاہر نہ کیا کریں، ہاں اگر اس کے افشاء میں شرعاً اخفاء سے زیادہ مصلحت ہو تو افشاء جائز ہے۔ اور اگر تم کسی بات کے چھپانے سے عاجز ہو تو تم پر لازم ہے کہ جو شخص تم سے اپنا راز کہنا چاہتا ہے اس کو اپنی اس کمزوری سے مطلع کر دو۔ اور صاف کہہ دو کہ بھائی میں اخفاءِ راز پر قادر نہیں تاکہ وہ تم سے احتیاط کرلے، کیونکہ دین تو

خیر خواہی کا نام ہے پھر جب تم اپنی حالت سے اس کو مطلع کر چکے اس کے بعد بھی اگر وہ اپنا راز کہے تو اس صورت میں تم سے زیادہ خود اس شخص پر ملامت ہوگی۔

(۵۱) دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی کریں

اگر ہم کسی کے عیوب سے واقف ہوں تو ہمیں چاہیے اس کے عیوب کی پردہ پوشی کریں اور اس کے گناہ کو شائع نہ کریں، جب ہم اسے کے نفس کے ساتھ خیر خواہی کریں گے تو انشاء اللہ ہم محسنین میں لکھے جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ ہمارے واسطے کوئی ایسا شخص مقرر کردے گا جو ہمارے عیوب کو چھپایا کرے گا اور ظاہر نہ کرے گا۔

(۵۲) کسی کی پوشیدہ حالت کا تجسس نہ کریں

مخلوق میں سے کسی کی بھی پوشیدہ حالت کا تجسس نہ کریں یعنی کسی کے عیوب معلوم کرنے کے درپے نہ ہوں۔ عام طور پر حالت یہ ہے کہ جس کو اپنے بھائی کے عیوب ظاہر کرنے کا موقع مل جاتا ہے وہ اس کی پردہ دری میں نہیں ہچکچاتا معدودے چند آدمیوں کے (جن کا وجود نادر ہے)

سیدی علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا ہے کہ مؤمن اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک یہ حالت نہ ہو جائے کہ اسے کسی شخص کے اندر کوئی عیب ظاہری یا باطنی نظر نہ آئے اور محاسن وجود کے سوا کچھ بھی نہ دیکھے اور جب تک کسی کو لوگوں کے عیب نظر آتے رہیں (وہ ناقص ہے) اس پر لازم ہے کہ کسی شیخ عارف کی تربیت میں رہ کر مجاہدہ کرے تاکہ وہ اس کو کدورات بشریہ سے پاک صاف کر کے ملائکہ بنادے یا اولیاء محفوظین سے ملادے۔

(۵۳) اگر کوئی ہم سے کسی کے بارے میں رائے لے تو بس اتنا ہی کہیں کہ ہم سے اچھا ہے، پوری حالت کسی اور سے دریافت کرو

اس زمانہ میں کوئی ہم سے کسی کی حالت دریافت کرے کہ فلاں شخص کا چال چلن کیسا ہے اور ہم کو اس کی حالت پوری طرح معلوم نہ ہو تو بس اتنا ہی کہہ دیں کہ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں کہ وہ ہم سے اچھا ہے، باقی پوری حالت کسی اور سے دریافت کرو۔ کیونکہ درویش کی شان یہ ہونی چاہئے کہ وہ لوگوں کے عیوب اور معاصی کا تجسس نہ کرے اور جب تجسس نہ کرے گا تو اس کو پوری حالت بھی کسی کی معلوم نہیں ہو سکتی۔

حضرت علی خوص ؒ فرماتے تھے کہ درویش نہ کسی پر جرح وطعن کیا کرتا ہے۔ نہ کسی کی زیادہ تعریف کرتا ہے کیونکہ وہ تو سب سے آدمیوں کو محبت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور زیادہ تعریف کرنے میں ایک خرابی یہ ہے کہ اگر کبھی شیخ نے کسی فاسق اور غیر محتاط شخص کی تعریف کردی کہ یہ بہت اچھا اور صالح ہے تو شیخ کی تعریف کی وجہ سے لوگ اس پر اعتماد کرنے لگیں گے اور ممکن ہے کبھی دھوکا کھا جائیں۔

(۵۴) جب کسی مسلمان پر کوئی طعن کیا جائے تو اس کی طرف سے جواب دیں

جب کسی مسلمان پر کوئی طعن کیا جائے تو اس کی پیٹھ کے پیچھے اس کی طرف سے جواب دیں۔ اور اس کی حالت کو کامل تر احوال پر محمول کریں اگرچہ کہ اس کا رتبہ ایسا نہ ہو کہ وہ اس مقام تک پہنچ سکے جہاں تک ہم اسے پہنچا رہے ہیں۔

(۵۵) جو باتیں ہم نے کسی عالم سے سیکھی ہیں ان پر خود عمل کریں اگرچہ وہ عمل نہ کرتا ہو

جب ہم کسی عالم کو اپنے علم پر عمل نہ کرتا ہوا دیکھیں تو خود اس پر عمل کریں جس سے

ہم خود بھی مستفید ہوں گے اور در پردہ اس کو بھی نفع پہنچائیں گے، اور اپنے دوستوں کو بھی امر کریں کہ ان باتوں پر عمل کریں تا کہ اس طرح ہمارا بھی ثواب بڑھ جائے اور اس عالم کا بھی۔ اور جو شخص یہ کہے کہ میں تو اس وقت تک عمل نہ کروں گا جب تک وہ عالم خود عمل نہ کرے اس سے بہت بڑا ثواب فوت ہو جائے گا اور نیز یہ اس کے قلت دین کی علامت ہے۔

(۵۶) علماء کا دفاع کریں

علمائے حقہ اور صوفیائے عظام پر اگر کوئی طعن و اعتراض کرے تو اپنی ہمت اور کوشش کی مطابق ان کا دفاع کریں۔ اور جو لوگ ان کی تنقید و تنقیص کریں ان کی بات پر ہرگز کان نہ دھریں۔ ان پر وہی اعتراض کرتا ہے جو ان کے مراتب کو سمجھنے سے قاصر ہے اور ان کو مطعون کرنے والوں کا نور قلب بجھ جاتا ہے۔

(۵۷) اپنے دوستوں میں علماء ظاہر کو ذاکرین کی تعظیم کا امر کریں

اپنے دوستوں میں علماء ظاہر کو ذاکرین اور ذاکرات کی تعظیم کا امر کریں، کیونکہ یہ لوگ ذکر کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی کی طرف منسوب ہوتے ہیں (خواہ واقع میں بھی اس نسبت سے متصف ہوں یا نہ ہوں، لیکن ظاہری نسبت تو ان کو ضرور حاصل ہے) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے انا جلیس من ذکرنی میں اس شخص کا جلیس ہوں جو مجھے یاد کرے یعنی میں اس کے ساتھ ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ ہوں کسی دیندار کو کسی وقت بھی اس کے ساتھ ایذا سے پیش آنا یا دل میں اس کے ساتھ برائی کا قصد کرنا مناسب نہیں۔ اور یہ بات اگرچہ ہر مسلمان کے متعلق ضروری ہے مگر ذاکرین کے حق میں اس کی رعایت بہت ضروری ہے۔

کم ہی دیکھا گیا ہے کہ وہ شخص جس نے فقراء اور صالحین میں سے کسی کو بلا وجہ ایذا دی ہو اس کا خاتمہ اچھی حالت پر ہوا ہو۔ حدیث میں آیا ہے من آذی لی ولیا فقد آذنتہ بالمحاربۃ (جو شخص میرے کسی ولی کو ایذا دے میں اس کو اپنے ساتھ جنگ کرنے کا اعلان دیتا ہوں) اور ولی کی علامت جس میں کچھ شک نہیں یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کرتا ہو۔ شیخ ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ ذکر ولایت کا فرمان ہے، جس کو ذکر کی توفیق عطا ہوگئی اس کو ولایت کا فرمان عطا ہو گیا۔

(۵۸) اہل فضل و اہل علم کو دیکھ کر کھڑے ہو جایا کریں

اہل فضل اور اہل علم کو دیکھ کر کھڑے ہو جائیں اگرچہ کہ ان کو ہمارا کھڑا ہونا ناگوار ہو۔ فعلینا التعظیم و علیھم الکراھۃ کیونکہ ہمارے ذمہ ان کی تعظیم ضروری ہے اور ان کو اپنی تعظیم سے نفرت لازم ہے اور یہ کھڑا ہونا ہر حال میں مستحب ہے۔ خواہ وہ عالم اپنے علم پر عمل کرنے والا ہو یا نہ ہو۔

(۵۹) حرفت کرنے والوں میں سے جو کوئی ہم سے مرید ہو تو ہم اس کو اسی پیشے پر قائم رہنے کا حکم دیں

رزق حلال کمانے والوں میں سے جو کوئی ہم سے مرید ہو تو ہم اس کو اسی پیشے پر قائم رہنے کا حکم دیں اگرچہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا یقین کیسا ہی قوی ہو چکا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اہل حرفت ہیں جو کہ ذریعہ معاش میں مشغول ہو کر اللہ پر کامل توکل کریں۔ مرید کو بھی چاہئے کہ شیخ سے مشورہ کے بغیر اپنے رائے سے معاش نہ چھوڑے۔ بعض کو دیکھا کہ معاش کو چھوڑ کر کسی خانقاہ میں پڑ رہتے ہیں اور وہاں صدقہ خیرات اور لوگوں کا میل کچیل کھاتے ہیں، حالانکہ اس سے

پہلے وہی فقراء کو صدقہ خیرات کرتے تھے۔

(۶۰) اپنے دوستوں کو دھوکا دہی سے بچنے کی نصیحت کریں

اپنے دوستوں کو جو لوگ صنعت وحرفت اور کاروبار میں لگے ہوئے ہوں دھوکا دہی اور فریب بازی سے بچنے کی نصیحت کرتے رہا کریں۔ اور ان کو یہ بھی تنبیہ کرتے رہیں کہ اپنے کو کسی حالت میں لوگوں کے حقوق سے بری نہ سمجھیں اگرچہ کہ وہ بہت احتیاط کرتے ہوں کیونکہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ذرہ ذرہ کو تم پر گرفت کرنے کیلئے محفوظ کر رکھا ہو۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے جو غلہ تولنے کا کام کرتا تھا، اپنے اس کام سے توبہ کی اور پھر ساٹھ برس تک عبادت کرتا رہا۔ جب فوت ہوا تو مرنے کے بعد اس کے دوست نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا تیرے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا، کہا اچھا معاملہ فرمایا مگر جنت میں جانے سے ان پندرہ قفیز (تول کا پیمانہ) کی وجہ سے روک دیا گیا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اس غبار کو جمع کر کے محفوظ فرمائے ہیں جو پیمانہ کی تلی میں جم جایا کرتا تھا اور میں اس کو جھاڑتا نہ تھا اور اس جمے ہوئے غبار کے نہ جھاڑنے سے خریداروں کو کسی قدر کمی رہتی تھی جو ایک عرصہ بعد پندرہ قفیز کے برابر ہوگئی۔ لہٰذا اے عزیز! بہت ہوشیاری کی ضرورت ہے۔

(۶۱) حق دار کے مطالبہ سے پہلے اس کا حق ادا کر دیا کریں

جس کا جو حق بھی ہمارے ذمہ واجب ہو اس کو حق دار کے مطالبہ سے پہلے ادا کر دیا کریں اور اگر اس کو عدالت میں مقدمہ لے جانے کی یا کسی ثالث کو درمیان میں ڈالنے کی نوبت آئے تو ہم نے درویشوں کے عہد سے خیانت کی۔

حضرت علی خواص پر اگر کوئی شخص جھوٹ موٹ بھی کوئی مالی دعویٰ کر دیتا تو آپ

فوراً اس کو مال دے دیا کرتے اور اس سے شہادت دینے کا مطالبہ نہ کیا کرتے اور مال دینے کے بعد اس کو اپنے حق سے بری الذمہ کر دیا کرتے اور فرماتے کہ مجھے عظمت الٰہی کا خیال کر کے اس سے شرم آتی ہے کہ اللہ کے کسی بندے سے فضیحت کروں۔

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ پر مرض وفات میں اپنے حق کا دعویٰ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم نہ کسی کی تکذیب کرتے ہیں نہ کسی سے قسم لیتے ہیں مگر یہ تو بتاؤ کہ ہمارے ذمہ تمہارا یہ حق کیونکر ہوا؟ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ایک دن ایک سوال کرنے والا آپ کے پاس آیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا اس کو میری طرف سے تین درہم دے دو میں نے دے دیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں درست کہا۔

(۶۲) اگر نیک لوگ ہمارے سامنے کوئی ایسا واقعہ بیان کریں جو عقلاً ناممکن ہو تو اگر خلاف شریعت نہ ہو تو انکار نہ کریں

نیک لوگ ہمارے سامنے اگر اپنا کوئی ایسا واقعہ بیان کریں جس کو ہماری عقلیں دشوار سمجھتی ہوں تو ان کی تکذیب نہ کیا کریں جب تک کہ نصوص شرعیہ کے خلاف اس میں کوئی بات نہ ہو، کیونکہ اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ وہ نیک بندہ قدرت الٰہی کو بیان کر رہا ہے کہ قدرت نے ایک ممکن کو واقع کر دیا ہے اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے پاس شیخ ابو العباس حمریؒ تشریف لائے اور مغرب کی نماز میرے پاس پڑھ کر قرآن شریف کی تلاوت کرنے بیٹھ گئے اور عشاء کی آذان تک پانچ قرآن ختم کر لئے۔ میں نے سیدی علی مرصفیؒ کو اس واقعہ سے مطلع کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک دن رات میں تین لاکھ ساٹھ ہزار دفعہ قرآن پاک ختم کیا ہے میں نے پوچھا کہ آپ نے حروف کے ساتھ اتنے قرآن ختم کیے یا بغیر حروف کے؟ فرمایا حروف کے ساتھ ختم کیے ہیں۔ میں نے

دریافت کیا کہ یہ کیسے ہو جاتا ہے؟ فرمایا روح جسم کثیف سے مجرد ہو جاتی ہے تو وہ ایسا کرلیتی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اولیاء کیلئے ان واقعات کے پیش آنے میں کیا حکمت ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجے بڑھانا چاہتے ہیں، کیونکہ اس امت کی عمریں دوسری امتوں سے کم ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے خاص لوگ کو ایسی ایسی کرامتیں عطا فرمادی ہیں تاکہ یہ لوگ اعمال میں بھی پہلی امتوں کے عابدوں سے بڑھ جائیں جن کی عمر پانچ سو برس یا اس سے زیادہ ہوتی تھیں۔ واللہ اعلم

(۶۳) ہم کسی دینی کام میں مشغول ہوں پھر کوئی اور شخص اس کام کو انجام دینا چاہے اور وہ اس کا اہل بھی ہو تو ہم خوشی سے وہ کام چھوڑ دیں

اگر ہم کوئی دینی کام کر رہے ہوں پھر کوئی دوسرا شخص ہماری جگہ پر اس کام کو سر انجام دینا چاہے اور وہ اس کا اہل بھی ہو تو ہم خوشی کے ساتھ اس کام کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں، خصوصاً جب کہ وہ ہم سے زیادہ عالم زیادہ صاحب نظر اور زیادہ اہلیت والا ہو۔ اور اگر ہم اس سے منازعت کرنے لگیں اور کام کو اس کے واسطے نہ چھوڑیں تو ہم درویشوں کے عہد میں خیانت کرنے والے ہوں گے۔ اس صورت میں ہم اپنے وعظ و خطابت و امامت تعلیم و تدریس و تولیت میں مخلص نہیں ہوں گے بلکہ طالب جاہ ہوں گے اور جس عمل سے ریاست و جاہ طلب کی جائے وہ بیکار ہے، آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں پہنچتا جو عمل کرنے والے کو نافع ہو سکے۔

(۶۴) کسی شخص کے سامنے اپنی تعریف کبھی نہ کریں مگر یہ کہ شرعی ضرورت ہو

کسی شخص کے سامنے اپنی تعریف کبھی نہ کریں۔ ہاں کوئی شرعی غرض ہو تو مضائقہ

نہیں مثلاً ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شکر کے طور پر ظاہر کریں نہ کہ دوسروں سے بڑا بننے کیلئے نہیں۔

اور بعض اوقات شیخ اپنا درجہ طریقت میں اور عالم اپنا رتبہ علم میں لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ اس سے علم حاصل کرلیں۔ تو ہر ایک پر ریاکاری اور شہرت پسندی کا الزام لگانا جائز نہیں۔ حضرت علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ کو مرید کے سامنے اپنی تعریف کرنے کی ضرورت صرف اس لئے ہوتی ہے کہ مرید دل کا اندھا ہوتا ہے، اگر اس کے دل میں نور ہوتا تو شیخ کے درجہ علم و معرفت کو خود ہی پہچان لیتا اور شیخ کی سب باتوں کو دل سے مانتا اور ان کی تصدیق کرتا۔

اور بزرگوں سے ثابت ہے کہ انہوں نے صحیح غرض کیلئے بعض دفعہ اپنی تعریف اپنی زبان سے کی ہے۔ چنانچہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کیا کہ ہم آپ کی تسبیح کرتے رہتے اور پاکی بیان کرتے ہیں (جس میں اپنی تعریف تھی، مگر اس کا مقصود یہ تھا کہ زمین کی خلافت کیلئے ہم تابعدار غلام موجود ہیں، ہمارے ہوتے ہوئے کسی نئی مخلوق کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور ان کی یہ عرضداشت ایسی تھی جیسے کوئی آقا اپنے غلاموں سے کہے کہ مجھے فلاں کام کے لئے ایک نئے نوکر کی ضرورت ہے تو پرانے جانثار یہ کہتے ہیں کہ حضور ہم اس خدمت کے لئے بھی حاضر ہیں، اگر ہم سے اتنا کام بھی نہ ہو تو پھر ہم کس مصرف کے ہیں)

اور سیدنا یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر سے فرمایا تھا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر حاکم مقرر کر دیجئے، کیونکہ سب سے بڑھ کر نگہبانی کرنے والا امانت دار ہوں۔ (اس میں اپنی تعریف تھی، مگر ضرورت کی وجہ سے تھی کیونکہ ان کو معلوم ہو چکا تھا کی سات برس کا سخت قحط پڑنے والا ہے جس کے لئے خاص اہتمام کی ضرورت ہے اور یہ اہتمام وہی

کرسکتا ہے جس کو کال پڑنے کا یقین ہو) لہٰذا موقع کی ضرورت کو دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اوصاف وکمال ظاہر فرما دیئے۔

اور سردار اولاد آدم (سیدنا محمد رسول اللہ) ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں قیامت کے دن سب آدمیوں کا سردار ہوں گا اور یہ بات میں فخر سے نہیں کہتا، بلکہ حضور ﷺ کی غرض اس بات میں یہ تھی کہ آپ نے اپنی امت پر اپنا درجہ ظاہر کر کے قیامت کے دن ان کو پریشان پھرنے سے بچانا تھا۔ جبکہ اور لوگ ایک نبی سے دوسرے نبی سے شفاعت کی درخواست لے کر جائیں گے تو جس کو یہ معلوم ہو گیا کہ سیدنا محمد ﷺ قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کرنے والے اور تمام عالم کے سردار ہیں وہ دوسروں کی طرح آپ کے سوا کسی کے پاس نہ جائے گا۔ واللہ اعلم۔

(۶۵) اعمال مستحبہ کو ایسے موقعہ پر علانیہ کیا کریں جہاں امید ہو کہ لوگ ہماری اتباع کریں گے

جن اعمال مستحبہ کے اظہار کا ہم کو حکم نہیں دیا گیا ان کو ایسے موقعہ پر علانیہ کریں جہاں اس بات کی امید ہو کہ دوسرے لوگ ہماری اتباع کریں گے۔ کیونکہ شاید کوئی شخص ہماری طرح عمل کرے تو ہمیں اس کے عمل کا ثواب بھی مل جائے انشاء اللہ تعالیٰ۔

شیخ ابو مدین تلمسانیؒ اپنے متعلقین کو عبادات وکرامات کے ظاہر کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ طاعات کو کھلم کھلا کیا کرو جیسا کہ اہل معاصی گناہ کھلے طور پر کرتے ہیں۔ بالخصوص ایسے موقعوں پر جہاں گناہ کیا جارہا ہو ضرور طاعات و کرامات کو ظاہر کرو۔ تم اس نیت سے اعمال کو ظاہر کرو کیونکہ اس میں شعائر دین کا اظہار

ہے۔ اور یہ بات دل سے نکال دو کہ اعمال صالحہ ہمیشہ چھپ کر کرنا ہی مستحب ہے۔ اور ان لوگوں کے قول پر نظر نہ کرو جو یہ کہتے ہیں کہ اعمال کا اخفاء اولی ہے۔ کیونکہ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ دل میں عمل پر بھروسہ ہو اور بندہ یہ سمجھتا ہو کہ عمل کا فاعل میں ہوں اور اللہ تعالیٰ پر نظر نہ ہو۔ لہٰذا اس صورت میں اعمال کو ظاہر کرنے میں ریاء کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کو فاعل سمجھے اور اپنے اعمال پر نظر نہ کرے اور یہ نیت کرے کہ لوگ میری اقتداء کریں گے اور اس طرح دین کی عظمت ظاہر ہوگی تو یقیناً اظہار کو اخفاء پر ترجیح دی جائیگی۔

اور جہاں کوئی ہماری اتباع اور اقتداء کرنے والا نہ ہو وہاں اعمال صالحہ کا اخفاء ہی اولی ہے۔ اور جہاں اقتداء کی جائے وہاں انبیاء علیہم السلام کی موافقت کرتے ہوئے اعمال صالحہ کا ظاہر کرنا مستحب ہے (کیونکہ انبیاء علیہم السلام اپنے اعمال کو اس لئے ظاہر کرتے تھے کہ ان کی اقتداء کی جائے)

(۲۲) بڑے درجے کے لوگوں کے پاس نشست و برخاست زیادہ نہ کریں

بڑے درجے کے لوگوں کے پاس نشست و برخاست زیادہ نہ کیا کریں، جیسے حضرات اولیائے کرام اور بڑے بڑے علماء اور صلحاء، اور ان کے ساتھ ایک دستر خوان پر کھانا بھی نہ کھایا کریں، ہاں اگر دستر خوان عام ہو تو پھر مضائقہ نہیں۔ کیونکہ ان کے پاس نشست برخاست زیادہ کرنا ہمارے دل سے ان کی ہیبت و تعظیم کو کم کردے گا اور ہماری شرم و لحاظ اٹھادے گا جس کا انجام یہ ہوگا کہ ہم ان کے علم کی برکت سے محروم ہو جائیں گے۔

(۶۷) علماء وصالحین کو عمدہ کپڑے پہنتے اور لذیذ غذائیں کھاتے دیکھ کر جلدی سے ان پر اعتراض نہ کیا کریں۔

علماء و امراء کو عمدہ کپڑے پہنتے اور لذیذ غذائیں کھاتے دیکھ کر جلدی سے ان پر انکا روا اعتراض نہ کیا کریں۔ کیونکہ بعضے امراء سلاطین کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے سچے غلام ہیں جیسے کہ بعضے غلاموں کی صورت میں بادشاہ ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو عبدیت کا خلعت پہناتے ہیں تو اسے پہن کر وہ اس طرح نکلتا ہے کہ اپنے دل میں غلام ہوتا ہے اور دیکھنے والوں کی آنکھوں میں آقا معلوم ہوتا ہے۔ اس کو سمجھ جاؤ اور بے سمجھے بوجھے کاملین پر اعتراض کرنے میں جلدی نہ کرو۔

(۶۸) جب اپنے شیخ کو اس کے درجہ سے گرا ہوا دیکھیں تو شیخ سے اپنی عقیدت کو نہ بدلیں

جب اپنے شیخ کو اس کے درجہ اور مقام عالی سے گرا ہوا دیکھیں مثلاً اخیر شب میں بہت سونے لگا ہو یا ورع اور تقویٰ میں کمی کرنے لگا ہو وغیرہ وغیرہ تو شیخ سے اپنی عقیدت کو نہ بدلیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بعض دفعہ ولی کو غفلت وسہو کی حالت میں مبتلائے تقصیر کر دیتے ہیں پھر اسے غفلت سے بیداری عطا فرماتے ہیں تو اسے اپنے ان افعال پر تنبیہ ہوتی ہے جو غفلت کے زمانہ میں اس سے صادر ہوئے تھے۔ اس وقت وہ ان کا ایسا تدارک کرتا ہے جس سے ساری کمی پوری ہو جاتی ہے۔

اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مریدوں کی تربیت ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے شیخ کے تنزل اور اس کے تدارک کو دیکھ کر سمجھ جائیں کہ زلات اور لغزشوں کے بھنور سے نکلنے کا یہ طریقہ ہے۔ پھر اگر ان کو بھی ایسا واقعہ پیش آئے گا جیسا شیخ کو پیش آیا

ہے تو وہ بصیرت کے ساتھ اس کا تدارک کرسکیں گے کیونکہ تمام مشائخ کو مقام "انما انسی لیسن بی" (میں بھولا نہیں بھلایا گیا ہوں) کی ہوا ضرور لگتی ہے۔

اور بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کو نقائص وزلات میں مبتلا کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ رضا بالقضاء کے مقام میں صادق ہے یا ناقص ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو تغیر احوال سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا ہے یا جھوٹا تاکہ جب ان کو غفلت سے بیداری نصیب ہو تو شکر خداوندی بجا لائیں یا استغفار کریں۔ لہٰذا شیخ کے نقص اور تنزل کی حالت میں ہمیں کچھ نہیں معلوم ہو سکتا کہ مشیت الٰہی اس کے متعلق کیا ہے کیونکہ اس کا علم تو انجام کے دیکھنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

لہٰذا ہمیں یہ نہ چاہیے کہ کسی شخص کے نقص وتنزل کے ساتھ ہی اپنا اعتقاد اس سے بدل دیں بلکہ اس حالت کا انجام دیکھنے تک برابر ہم کو اپنے اعتقاد پر جمار ہنا چاہیے۔ ممکن ہے وہ ان اولیاء کاملین میں سے ہو جن کو نقص وتنزل میں مبتلا کر کے اللہ تعالیٰ ان کے کمال رضا بالقدر کو ظاہر کرنا چاہتے ہوں تاکہ وہ اپنے اس مقام پر مطلع ہو کر پہلے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا شکر کریں۔

صوفیہ کا مقولہ ہے "زلات المقربین رفعة لمقامهم" مقربین کی لغزشیں رفع درجات کے لئے ہوتی ہیں اور اس کی دلیل میں انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ درخت ممنوع کھانے کا بیان کیا ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا برگزیدہ اور محبوب بنالیا تھا۔ عزیز من! ایسا ہرگز نہ کرنا کہ اپنے شیخ کی حالت کو اپنے قیاس کرنے لگو ورنہ برباد ہو جاؤ گے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مصیبت کو دونوں رخ سے دیکھا کریں

ہر نعمت اور مصیبت کے دونوں رخ دیکھا کریں۔ کسی

نعمت یا مصیبت کی محض ظاہری صورت کو نہ دیکھیں۔ کیونکہ بعض دفعہ مصیبتوں کی شکل میں نعمتیں آتی ہیں اور کبھی نعمتوں کی صورت میں بلائیں آجاتی ہیں۔

اگر ہم نعمتوں کے باطنی رخ کو دیکھیں گے تو ان کو طرح طرح کی آزمائشوں میں گھرا ہوا پائیں گے۔ کم از کم ایک بلا تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نعمت والے سے یہ مطالبہ فرماتے ہیں کہ اس نعمت کو کسی وقت بھی کسی مخلوق کی طرف منسوب نہ کرے کہ فلاں کی وجہ سے مجھ کو یہ نعمت ملی ... صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے۔ نیز اللہ تعالیٰ اس سے یہ بھی مطالبہ فرماتے ہیں کہ نعمت کو انہی مواقع میں صرف کرے جہاں اللہ تعالیٰ اس کے صرف کو پسند فرماتے ہیں۔ نیز یہ مطالبہ بھی ہوتا ہے کہ نعمت کا شکر بجالائے محض زبان ہی سے ہی نہیں بلکہ عمل سے بھی۔ اب جو شخص نعمت میں ان بلاؤں کا مشاہدہ کرتا ہو وہ ان سے لذت حاصل کرنے کی فرصت کب پائے گا۔

اسی طرح اگر ہم تکلیفوں اور مصیبتوں کے باطن پر نظر کریں تو ان کا اپنے حق میں بہت بڑی نعمت ہونا معلوم ہوگا۔ کیونکہ ان سے ذلت و عاجزی پیدا ہوتی اور ہمارا بازو جھک جاتا اور سرکشی جاتی رہتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کلا ان الانسان لیطغیٰ. ان راہ استغنیٰ (کچھ نہیں واقعی انسان سرکش بن جاتا ہے جب اپنے کو مستغنی دیکھتا ہے) ان تکالیف و مصائب میں یہ بھی فائدہ ہے کہ ان سے درجے ملتے ہیں لیکن ان سے طاعات (عبادات) اور علوم و معارف میں عجب نہیں پیدا ہوتا۔

مصیبت سے انسان کی آزمائش اس وقت کی جاتی ہے جب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں دربار خداوندی کی طرف اس کو متوجہ نہ کرتی ہوں۔ جب نعمتیں اس کو خدا کی طرف متوجہ نہیں کرتیں تو اب اللہ تعالیٰ اس کو مصائب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں وبلوناھم بالحسنات والسیات لعلھم یرجعون (اور ہم نے ان کو

راحتوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا شاید اللہ کی طرف رجوع کریں) یعنی اول تو ان کو راحتوں اور نعمتوں میں رکھا جب ان سے رجوع نہ ہوئے تو مصائب و تکالیف میں مبتلا کر دیا۔

اور سیدی تاج الدین بن عطاء اللہ نے اس سے بھی زیادہ عجیب بات بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو گناہ ذلت و انکسار پیدا کر دے وہ اس طاعت سے بہتر ہے جو غرور و تکبر پیدا کرے۔

(۷۰) دنیا سے تصرف و کرامت کے ذریعہ سے اپنی شہرت کے طالب ہر گز نہ ہوں

دنیا میں تصرف و کرامت کے ذریعہ سے اپنی شہرت کے طالب ہر گز نہ ہوں۔ کیونکہ جس کو اس بات کی خواہش ہوتی ہے اس کا دین برباد ہو جاتا ہے اور عالم آخرت میں خالی ہاتھوں پہنچتا ہے مگر یہ کہ کوئی محض اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے بغیر اپنی خواہش سے ظاہر اور مشہور ہو گیا ہو جیسا اولیاء کاملین کو پیش آتا ہے۔ سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر اولیاء کاملین کو شہرت کی خواہش ہوتی تو ان کو کوئی بھی نہ پہچانتا۔

سیدی ابراہیم متبولی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دنیا میں درویش کی حالت ایسی ہے جیسے کوئی پاخانہ میں بیٹھا ہو، اب اگر وہ آگے سے دروازہ بند کر لے گا تو پردہ کے ساتھ اپنی حاجت پوری کرے گا اور ڈھکا مند او ہاں سے نکل جائے گا کہ کسی کی نظر اس کے عیبوں پر نہ پڑی ہوگی اور اگر دروازہ کھول کر بیٹھا تو اس کے عیوب ظاہر ہو جائیں گے اور اس کے اندرونی جسم کا پردہ چاک ہو جائے گا اور جو کوئی دیکھے گا اس پر لعنت کرے گا۔

سیدی محمد غمری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ "ظہور اور شہرت کی طلب کمر توڑ دیتی ہے"۔ یاد رکھیں! اس کارخانہ دنیا میں کوئی ولی اور عالم ایسا نہیں جس کا دل شہرت سے

مکدر نہ ہوا ہو، وہ شہرت کے بعد اس صفائے قلب کے ایک ذرہ کو ڈھونڈتے اور ترستے ہیں جو شہرت سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے دل میں پاتے تھے، مگر اب نہیں پا سکتے، اسی لئے تمام عارفین اپنے ابتدائی احوال کی طرف مشتاق ہوتے ہیں۔ اس کو خوب سمجھ لیں۔

(۱۷) شریعت کی آسانیوں پر بھی بعض اوقات شوق سے عمل کیا کریں

شریعت کی رخصتوں (آسانیوں) پر بھی بعض اوقات شوق سے عمل کیا کریں۔ اپنا ضعف ظاہر کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا مقام حاصل کرنے کے لئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے ہاتھوں سے رخصتوں کا ظاہر کرنا بھی محبوب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ''ان اللہ تعالیٰ یحب ان توتی رخصہ کما یحب ان توتی عزائمہ'' اللہ تعالیٰ رخصتوں پر عمل کرنے کو بھی یونہی پسند فرماتے ہیں جیسا اصلی احکام پر عمل کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔

مگر رخصت پر عمل کرتے ہوئے اس کی شرط کا لحاظ بھی ضروری ہے وہ شرط یہ ہے کہ اصلی حکم پر عمل کرنے میں سخت مشقت کا سامنا ہو تو اس وقت اس کام کے لئے تکلف نہ کیا جائے جس پر بدون سخت مشقت کے قدرت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا جب تک عادۃً افضل کام پر آسانی سے قدرت ہو سکے اس وقت تک رخصتوں پر نہ اترنا چاہئے اور جب افضل میں دشواری ہو تو مشقت برداشت کر کے اسی پر اڑنا بھی نہ چاہیے کیونکہ جو شخص اپنے نفس کی کمزوری اور عاجزی ظاہر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرماتے ہیں اور رحمت الٰہی اس کی طرف دوڑ کر آتی ہے۔

(۷۱) جب کسی محفل میں لوگ ہماری تعریف کریں تو خاموش رہا کریں

جب کسی محفل وغیرہ میں لوگ ہماری تعریف کریں تو خاموش رہا کریں اور اس وقت یوں نہ کہیں کہ ہم تو سب سے کمتر ہیں یا لوگوں کی جوتیوں کی خاک ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ اس قسم کی باتیں تلبیسات نفس میں شمار کی گئی ہیں اس قسم کی باتوں سے نفس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس وقت کی خاموشی سے میرے متعلق یہ گمان نہ کریں کہ مجھے اپنی مدح سننے سے خوشی ہوئی ہے۔

اور اگر وہ خاموشی ہی اختیار کرلے تو اس میں مجاہدہ زیادہ ہے۔ جو شخص نفس سے مغلوب ہو اس کو تو ایسا ہی کرنا لازم ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ نے کسی بندہ پر فضل وکرم فرمایا ہو کہ نفس اس کے قبضہ میں اس طرح آ گیا ہو جیسا گدھا سدھانے سے قابو میں آجاتا ہے اس کو اختیار ہے، چاہے جواب دے یا خاموش رہے۔

(۷۲) جو کوئی ہم سے آشنائی پیدا کرے اس کو طریق فقراء کا شوق اور ذکر اللہ کی ترغیب دیں۔

دنیا والوں میں جو کوئی ہم سے آشنائی اور ملاقات پیدا کرے تو ہم اس کو طریق فقراء کا شوق دلانے اور صبح وشام، رات دن اللہ عزوجل کے ذکر کی رغبت دلانے کی کوشش کریں۔ اگر وہ ان کاموں سے محبت ظاہر کرے اور ان کا پابند ہو جائے تو اس کو اپنا مقرب بنائیں اور اپنے اصحاب (مریدوں) میں سے شمار کریں اور اگر اس کو ان کاموں سے محبت نہ ہو یا ذکر اللہ وغیرہ کی مجلسوں میں ہمارے ساتھ بیٹھنا اس پر گراں ہو اور نیند وغیرہ کا بہانہ کرے تو ہم اس کو اپنے ملنے والوں میں شمار کریں اصحاب (مریدوں) میں شمار نہ کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ

و آتوا الزکوۃ فاخوانکم فی الدین (اگر یہ لوگ توبہ کرلیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ ادا کریں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں)

(۷۳) اللہ کے بندوں کو باہم ایک دوسرے کا محبوب بنادیں

اللہ کے بندوں کو باہم ایک دوسرے کا محبوب بنادیں، لہٰذا ہماری یہ کوشش کرنی چاہیے کہ دو شخصوں کے درمیان بھی دشمنی اور کینہ ہرگز باقی نہ رہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک کے سامنے دوسرے کی خوبیاں بیان کیا کریں اور ایک دوسرے کے متعلق یہ خبر دیا کریں کہ وہ تو مجلسوں میں تمہاری خوبیاں ظاہر کرتا ہے۔ نیز لوگوں کو اس کی تاکید کریں کہ باہم ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کریں۔

و اخر دعونا ان الحمدلله رب العلمين